جدید نظر ثانی اور اضافہ شدہ ایڈیشن

ہر مسلمان شوہر کے لئے ایک مفید اور ضروری کتاب

تحفۂ دولہا

ازدواجی زندگی خوش گوار اور کام یاب
بنانے کے لئے ایک بہترین کتاب

پسند فرمودہ
حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزی رحمۃ اللہ علیہ

تالیف
محمد حنیف عبدالمجید
سابق استاذ و رفیق دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی

مکتبہ بیت العلم
اردو بازار کراچی۔ فون: 021-32726509

ہر مسلمان شوہر کے لئے ایک مفید و ضروری کتاب

ازدواجی زندگی خوشگوار اور کامیاب
بنانے کے لئے ایک بہترین کتاب

پسند فرمودہ

حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزی

بیت العلم ٹرسٹ

بشکریہ: بیت العلم
اردو بازار، کراچی۔

کتاب کا نام:............... تحفۂ دولہا

تاریخ اشاعت:............... رجب ۱۴۳۳ھ بمطابق جون ۲۰۱۲ء

اسٹاکسٹ

مکتبہ بیت العلم

نزد مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی۔
فون: 32726509-21-92+ موبائل: 2583199-322-92+
ویب سائٹ: www.mbi.com.pk

ملنے کے دیگر پتے

☆ مکتبہ بیت العلم، اردو بازار، لاہور۔ فون: 37112356-42-92+
☆ مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور۔ فون: 37228196-42-92+
☆ مکتبہ امدادیہ، ٹی بی روڈ، ملتان۔ فون: 4544965-61-92+
☆ کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار، مدینہ کلاتھ مارکیٹ، راولپنڈی۔ فون: 5771798-51-92+
☆ مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ۔ فون: 662263-81-92+
☆ کتاب مرکز، فریئر روڈ، سکھر۔ فون: 5625850-71-92+
☆ بیت القرآن، نزد ڈاکٹر ہارون والی گلی، چھوٹی گھٹی، حیدرآباد۔ فون: 3640875-22-92+

نوٹ: یہ کتاب اب آپ ادارۃ السعید سے بذریعہ VP بھی منگوا سکتے ہیں۔

برائے کراچی رابطہ: 32726508-21-92+، 2645540-312-92+، 3647578-312-92+

لاہور: 4472693-315-92+، 4361131-321-92+

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہے کہ ازدواج یعنی میاں بیوی کے باہمی رشتے میں دونوں جانب ایک دوسرے پر کچھ حقوق واجب ہیں۔ اگر ان حقوق کی رعایت رکھی جائے تو گھر نمونۂ جنت بن سکتا ہے اور خدانخواستہ ان حقوق کی ادائیگی سے بے توجہی کی جائے تو یہ باہمی رشتہ رحمت وراحت کی بجائے زحمت ومصیبت بن جاتا ہے۔ اسی طرح ان حقوق کے علاوہ کچھ اور مستحب ومناسب امور ہیں جن کی رعایت سے یہ رشتہ مضبوط ومستحکم ہو سکتا ہے۔

شریعت اسلامی کا کمال یہ ہے کہ احکام کو کسی سے صرف جبراً نہیں منوایا جاتا بلکہ ان کی ادائیگی پر فضائل ومناقب بیان کئے جاتے ہیں کہ ان حقوق کی ادائیگی پر اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں قیامت میں کیا اجر ملنے والا ہے۔ یعنی شرعی احکام پر عمل کرنے میں دوہرا فائدہ ہوتا ہے۔ ایک تو دنیوی فائدہ جس کے مشاہدے ہوتے رہتے ہیں ساتھ ہی اخروی فائدہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت اور اس کی نعمتوں کی صورت میں مل سکتا ہے۔

شریعت نے عائلی احکام پر جتنا زور دیا ہے احادیث کے مطالعہ سے ان کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک ارشاد فرمایا ہے کہ ”خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهٖ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِيْ“ (کنز العمال جلد ۱۶ صفحہ ۱۵۵، رقم ۴۴۵۴۲) یعنی ”تم میں بہتر آدمی وہ ہے جو اپنے گھر والوں سے اچھا سلوک رکھے

اور میں تم سب میں اپنے گھر والوں کے لئے سب سے بہتر ہوں۔"

اس سے اندازہ لگائیے کہ اسلام گھر کی خوشی کو کتنی اہمیت دیتا ہے۔

یہ کتاب جو تحفۂ دولہا کے نام سے موسوم ہے ہمارے دوست مولانا محمد حنیف صاحب اور ان کے دوستوں نے مل کر مرتب کی ہے اس سے پہلے وہ تحفۂ دلہن کے نام سے بھی ایک مفید کتاب مرتب کر چکے ہیں ان دونوں کتابوں میں دولہا و دلہن کے باہمی رشتہ کے متعلق احکام و آداب کی تفصیل بھی ہے اور اس سلسلے میں مفید مشورے بھی دیئے گئے ہیں۔ بندہ کے خیال میں یہ دونوں کتابیں نہ صرف دولہا و دلہن کے لئے مفید ہیں، بلکہ دونوں جانب کے خاندانوں کیلئے بھی خوشیوں کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کتابوں کو قبولیت نصیب فرمائے اور امت مسلمہ کو ان پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ اور مولانا موصوف کو ایسی مزید خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔ بندہ کے خیال میں یہ کتابیں ہر مسلمان گھرانے میں پڑھی جانی چاہئیں۔

مفتی نظام الدین شامزی
استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۵

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

کتاب کا تعارف

اس کتاب "تحفۂ دولہا" میں ایک مرد پر شوہر ہونے کی حیثیت سے عائد ہونے والی اسلامی ذمہ داریوں کی نشاندہی ۔ ۔ بیوی کے حقوق ادا کرنے کی ترغیب ۔ ۔ بیوی سے سدا نبھانے کے اصول .... بیوی سے محبت .... بیوی کی قدر ..... اس کے ساتھ حسن سلوک ..... اس کی خامیوں سے درگزر کی لطیف ترکیبیں ..... اپنی بیوی کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچانے اور اس کے ذریعے رشتہ دار اور محلّے کی عورتوں کو پورے پورے دین پر عمل کروانے کی فکر دلانے والے مضامین ۔ ۔۔ اسی طرح میاں بیوی ساس بہو ۔ نند بھابھی ۔ کے مابین کشیدگی اور اس قسم کی تمام پریشانیوں اور غموں سے نجات پانے کے لئے مسلّم نفسیاتی اصول اس طرح بیان کئے گئے ہیں کہ ایک خوش حال اور مطمئن معاشرہ کی تشکیل ہو، اور میاں بیوی میں خوب محبت و الفت اور مودّت و اپنائیت پیدا ہو۔

اگر دولہا صاحبان (شوہر) کتاب میں درج ہدایات پر عمل کریں تو ان شاء اللہ تعالیٰ ہر گھر جنت کا نمونہ بن سکتا ہے اور گھر والوں کو دین و دنیا کی کامیابی و سرخروئی حاصل ہو سکتی ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان شوہر کو یہ کتاب دعائیں مانگ کر عمل کی نیت سے پڑھنی چاہئے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تمام شادی شدہ جوڑوں میں سچی دلی محبت پیدا فرمائے۔

حرفِ آغاز

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْم

اما بعد! الحمد للہ دوستوں کی دعاؤں سے یہ چند اوراق مسلمان بھائیوں کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے جمع ہو گئے یہ کوئی مستقل تصنیف نہ تھی، بلکہ "تحفۂ دلہن" کے ہی بعض مضامین تھے۔ لیکن چونکہ یہ احکامات شوہر سے متعلق تھے اس لئے یہ خیال ہوا کہ ان کو الگ شائع کیا جائے۔

الحمد للہ! ڈیڑھ سال کے عرصے کے بعد جب اس کو جمع کرنے بیٹھے تو مختلف بزرگوں کے دوسرے مضامین جو اس موضوع پر بہت ہی اہم تھے، ان کو بھی اس میں من وعن شامل کر دیا اور ان کے حوالے بھی دے دیئے گئے۔ لہٰذا تمام بھائیوں سے درخواست ہے کہ اس کتاب میں کوئی بھی فائدہ مند چیز پائیں تو انہیں بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں اور ان بزرگوں کو بھی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ خصوصاً حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اور مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب کو اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں، کہ ان کے بعض مضامین من وعن اس میں شامل کئے گئے ہیں۔

اس کتاب میں ہماری موجودہ معاشرت کو سامنے رکھتے ہوئے تصنیف و تالیف تحریر و تقریر کے رواجی ربط و ضبط کا خیال نہیں رکھا گیا ہے لہٰذا اہل علم اور اہل قلم سے گزارش ہے کہ اسے اپنے معیار پر نہ جانچیں بلکہ اصلاحی مضامین مختلف کتابوں سے دعوت و ترغیب کی شکل میں جمع کئے گئے ہیں، اسی طرح دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ میں خدمت کے دوران مختلف لوگوں سے جو مختلف تجربات سامنے آئے وہ بھی جمع کر دیئے گئے ہیں، کہ کس طرح چھوٹی چھوٹی باتوں سے

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے ایمان والو:

(۱) تم کو یہ بات حلال نہیں کہ عورتوں کے (مال یا جان کے) جبراً مالک ہو جاؤ اور ان عورتوں کو اس غرض سے مقید مت کرو کہ جو کچھ تم لوگوں نے ان کو دیا ہے اس میں کا کوئی حصہ (بھی ان سے) وصول کر لو مگر یہ کہ وہ عورتیں کوئی صریح ناشائستہ حرکت کریں۔ اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گزران کیا کرو (یعنی خوش اخلاقی اور نان نفقہ کی خبر گیری) اور اگر (مقتضائے طبیعت سے) وہ تم کو ناپسند ہوں تو (تم مقتضائے عقل پہ سمجھ کر برداشت کرو کہ) ممکن ہے کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر (تمہارے لئے) کوئی بڑی منفعت (دنیوی یا دینی) رکھ دے۔ (ترجمہ از معارف القرآن ص ۳۴۹ ج ۲)

(۳) مومن بھائی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (بے پردہ) عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے اور شیطان کی صورت میں جاتی ہے۔ لہٰذا جب تم میں سے کوئی کسی (اجنبی) عورت کو دیکھے (اور وہ اسے پسند آئے) تو فوراً اپنی بیوی کے پاس آئے۔ کیونکہ یہ (عمل) اس خواہش کو ختم کردے گا جو اس کے دل میں پیدا ہوئی۔ (مسلم)

لہٰذا آپ بھی کوشش کریں کہ کسی نامحرم پر نگاہ نہ پڑنے پائے اور خدانخواستہ اگر ایسا ہو جائے تو فوراً نظریں ہٹا کر یہ دعا پڑھے "اللھم انی اعوذ بک من فتنۃ النساء" یاد رکھئے آپ نے اپنی نگاہوں کی حفاظت کرلی تو آپ کی اولاد بھی عفیف اور پاکیزہ ہو گی اسلئے نگاہ نیچی اور نگاہ بھی (اجنبی و محرم کا تصور) دونوں کی حفاظت کرنے کی کوشش کریں۔

قال صلى الله عليه وسلم:
إن من أشر الناس عند الله منزلة يوم القيامة
الرجل يفضي إلى امرأته
وتفضي إليه
ثم ينشر سرها
(مسلم)
(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں مرتبے کے اعتبار سے سب سے بدترین شخص وہ ہوگا جو (دنیا میں)
اپنی بیوی سے وظیفہ زوجیت ادا کرے اور پھر اس کی پوشیدہ باتیں ظاہر کرتا پھرے۔ (مسلم)
اپنی بیوی کے حسن کی تعریف دوستوں کے سامنے ہرگز نہ کریں اگر کوئی بے تکلف دوست پوچھے تو صرف یوں کہہ دیجئے کہ "الحمد للہ
میں مطمئن ہوں" اسی طرح خود بھی کسی نامحرم عورت کے بارے میں بیوی سے بالکل نہ پوچھیں نہ اسکے بتلانے پر سنیں بلکہ فوراً چپ
کروادیں اور سمجھائیں کہ مجھے کسی عورت کے جسمانی خدوخال یا چال چلن کے بارے میں بالکل نہ بتلاؤ ورنہ اس گناہ کی نحوست یہ ہوگی کہ
تمہاری اور میری محبت میں فرق آجائے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ
بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ

حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ
وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى
الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا
عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا

(النساء : ٣٤)

(۵) مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو (یعنی مردوں کو) بعضوں پر (یعنی عورتوں پر قدرتی) فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ
مردوں نے (عورتوں پر) اپنے مال خرچ کئے ہیں۔ سو جو عورتیں نیک ہیں وہ اطاعت کرتی ہیں (اور) مرد کی عدم موجودگی میں (بھی) بحفاظت الٰہی (اس کی آبرو
و مال کی) نگہداشت کرتی ہیں اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ (تم کو قرائن سے) ان کی بد دماغی کا احتمال ہو تو ان کو (اول) زبانی نصیحت کرو اور (نہ مانیں تو) ان کو لیٹنے
کی جگہوں میں تنہا چھوڑ دو اور (اس سے بھی نہ مانیں تو) ان کو (اعتدال کے ساتھ) مارو۔ پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کر دیں تو ان پر (زیادتی کرنے کیلئے)
بہانہ (اور موقع) مت ڈھونڈو (کیونکہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی رفعت اور عظمت والے ہیں۔ (ترجمہ معارف القرآن ۳۹۳ ج ۲ آیت نمبر ۳۴ سورۃ نساء)

(۸) پیارے بھائی! رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

کوئی مومن (اپنی) مومنہ (بیوی) سے نفرت نہ کرے۔ اگر اس (بیوی) کی (کوئی) عادت اس کو ناپسند ہے تو ہو سکتا ہے کہ دوسری (کوئی) صفت اسکو پسند بھی ہو۔ (مسلم)

شہد کی مکھی اچھائی تلاش کرتی ہے اسلئے کیچڑ میں بھی پھول ہی پر بیٹھتی ہے عام مکھی گندگی تلاش کرتی ہے اسلئے باغ میں بھی غلاظت ہی پر بیٹھتی ہے اس اصول کے تحت اپنی بیوی میں اچھائی تلاش کرو گے تو خوبیاں نظر آنے لگیں گی اور اس سے نفرت محبت میں بدل جائیگی۔ یاد رہے کہ یہ شاعری نہیں حقائق ہیں، اسلئے یہ ازدواجی تعلیم اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کا حکم ہے۔ عمل کر کے دیکھیں ان شاء اللہ تعالیٰ کایا پلٹ جائیگی۔

(۱۰) پیارے بھائی، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو تم نے انھیں اللہ تعالیٰ کے امان کے ذریعے حاصل کیا ہے اور انکی شرمگاہوں کو اللہ تعالیٰ کے کلمہ کے ذریعہ حلال کیا ہے۔ ان پر تمہارا حق ہے کہ وہ تمہارے گھر میں ان لوگوں کو نہ آنے دیں۔ جن کو تم ناپسند کرتے ہو اگر وہ ایسا کریں تو انکو مارو مگر ایسی مار جو زیادہ شدید نہ ہو (اور چہرہ پر ہرگز نہ ہو) اور تم پر ان کا یہ حق ہے کہ تم ان کے نان نفقہ اور کپڑے کی دستور کے موافق ذمہ داری پوری کرو۔ (مسلم)

(۲۴) [illegible] سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں

مسلمان مرد کا ہر کھیل باطل ہے سوائے تیر اندازی اور گھوڑے کی تربیت اور اپنی بیوی کے ساتھ ہنسی مذاق کے کہ یہ حق ہے۔ (ترمذی)

اسلامی شریعت بڑی عجیب چیز ہے کاش ہم مسلمان آج اس کی حقیقت معلوم کرتے اور اپنی معاشرت و معاملات میں سو فیصد دین کے احکامات کو زندہ کرنے کی کوشش کرتے تو ہر گھر جنت کا نمونہ بنتا۔ اس ایک حدیث سے ہی اندازہ لگائیے کہ گھر والوں کے ساتھ زیادہ محبت کرنا، ان کے ساتھ ہنسی مذاق کرنا، ان کی جائز خواہش پوری کرنے کی فکر کرنا، ان سب کو حق میں شمار کیا گیا اور ان پر بھی ایسا ہی اجر و ثواب ملے گا جس طرح نفلی عبادت پر ملتا ہے اگر نیت ثواب اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی ہو۔

(۱۳) میرے محترم دوست، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
مومنوں میں سب سے کامل ایمان والا وہ شخص ہے جو سب سے عمدہ اخلاق والا ہو اور اپنے گھر والوں کے ساتھ نرمی اور اچھا برتاؤ کرنے والا ہو۔ (ترمذی)

خوش قسمت ہے وہ مسلمان جو ظاہری چیزوں میں بھی حضور اکرم ﷺ کی اتباع کرے اور اخلاق، معاملات، معاشرت اور زندگی کے ہر شعبے میں سنت کی اتباع کی کوشش کرے۔ اتباع سنت انسان کی دنیا بھی بناتی ہے آخرت بھی بناتی ہے اور زندگی کو استوار کرتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے ساری عمر ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں سے نہ صرف یہ کہ کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا بلکہ جب بھی گھر کے اندر داخل ہوتے تو چہرہ مبارک پر تبسم ہوتا تھا۔ آپ بھی سچے محمدی ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے اس ایک سنت پر اہتمام سے عمل کرتے ہوئے اپنے رب سے جاملئے۔

(۱۳) میرے محترم دوست، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
جب تم میں سے کوئی کسی عورت سے نکاح کرے یا غلام خریدے (اس کے ہاتھ کے اے اللہ۔ میں آپ سے اسکی خیر، برکت کا اور اس کی پیدائشی خصلت کی خیر و برکت کا جس پر آپ نے اس کو پیدا کیا ہے سوال کرتا ہوں اور اے اللہ میں آپ سے اسکی شرارت سے اور جس شرارت پر یہ پیدا ہوا پناہ مانگتا ہوں۔ پھر اسکے پیشانی کے بال پکڑ کر اس کیلئے برکت کی دعا کرے (ابوداؤد)

دعا کے ساتھ اپنی نگاہوں کی بھی نامحرم عورتوں سے حفاظت کرے چاہے وہ بھابھی ہو خالہ زاد ہو ماموں زاد ہو یا سالی ہو، اس طرح نگاہوں کی حفاظت سے بیوی کے دل میں آپ کی اور آپ کے دل میں بیوی کی سچی محبت پیدا ہوگی۔

رسول اکرم ﷺ سے کسی نے سوال کیا

(۱۵) ہم میں سے ایک آدمی بیوی کے پاس جاتا ہے اور اس سے صحبت کرتا ہے کیا اس کے لئے اس عمل کی وجہ سے بھی اجر ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا۔ تم بتاؤ اگر وہ آدمی اپنی یہ شہوت کسی حرام جگہ پوری کرتا اس پر گناہ ہوتا؟ تو اسی طرح جب اس نے حلال جگہ شہوت پوری کی تو اس کے لئے اس کے بدلے اجر و ثواب ہوگا۔ (مسلم)

(۱۶) میرے محترم دوست۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس (صحبت کے ارادے سے) آئے تو یہ دعا پڑھے "شروع اللہ کے نام سے اے اللہ شیطان کو ہم دونوں سے دور کردے اور اس ملاپ کی وجہ سے آپ نے جو ہمارے لئے اولاد لکھ دی ہے ان سے بھی شیطان کو دور کردے۔
(حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ) اگر اس ملاپ سے بچہ پیدا ہوا تو (انشاء اللہ) شیطان اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا (بخاری)

میاں بیوی میں جھگڑے پیدا ہو جاتے ہیں اور کس طرح یہ میاں بیوی کا مضبوط رشتہ جو موت تک اور موت کے بعد جنت تک چلتا ہے۔ تھوڑی سی لاپرواہی یا تھوڑی سی غفلت وکوتاہی یا اسلامی تعلیمات سے غفلت ولاعلمی کی بنا پر ٹوٹ جاتا ہے یا ہمیشہ کے لئے دو خاندانوں اور قبیلوں کی زندگی تلخ بن جاتی ہے۔

لہٰذا ان اسباب وعوامل سے کیسے بچا جائے کہ گھروں میں یہ جھگڑے و ناچاقی کی آگ ہی نہ بھڑکے اور اگر کبھی کوئی ایسی بات سامنے آ بھی جائے تو اس کو کیسے رفع دفع کر دیا جائے، اس کی مختلف تدبیریں اور اس سے بچنے کی صورتیں بیان کر دی گئی ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اس کو پڑھ کر اللہ تعالیٰ ہمیں اور خصوصاً ہر شوہر کو ہدایت عطا فرمائے۔ اور اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے آمین!

اگر کسی قسم کی کوئی غلطی یا کوتاہی نظر آئے تو ضرور مطلع فرمائیں۔ ہم سب پر آپ کا یہ احسان عظیم ہوگا۔ اسی طرح نہایت ہی ادب سے عاجزانہ گزارش ہے کہ اپنی دعاؤں میں ضرور ہمیں یاد رکھیے۔

فقط بندہ

محمد حنیف عبدالمجید

عفا اللہ عنہ ولوالدیہ

مدرسہ بیت العلم

آپ اس کتاب کو کیسے پڑھیں؟

چونکہ یہ کتاب خاندانی زندگی کے لئے بہت اہمیت رکھتی ہے اور خاندان صحیح ہو تو معاشرہ بنتا ہے۔ یعنی اگر گھر کی زندگی صحیح کر لی تو باہر کی زندگی بھی صحیح ہو سکتی ہے، اس لئے ہماری گزارش یہ ہے کہ اس کتاب میں درج مضامین، ہدایات اور اصلاحی باتوں کو انتہائی سنجیدگی سے پڑھا جائے اور جن کوتاہیوں سے بچنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے (اور وہ ایسی کوتاہیاں ہیں کہ مرد حضرات لاعلمی یا ناتجربہ کاری کی بنا پر ان کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں اور پھر بہت نقصان اٹھاتے ہیں) ان سے بچنے کی نیت سے اور یہ سوچ کر پڑھا جائے کہ مجھے اپنی اصلاح پر توجہ دینی ہے اور آئندہ کے لئے ان غلطیوں کے ارتکاب سے خود بھی بچنا ہے اور دوسروں کو بھی بچانا ہے۔ اس مقصد کے لئے درج ذیل ہدایات پر عمل مفید ثابت ہوگا۔

1. کتاب پڑھنے سے قبل یہ دعا کر لیں کہ یا اللہ! اس کتاب کو میری ہدایت کا ذریعہ بنا دے۔ میری بیوی اور بچوں کو میری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دے اور مجھے بھی ان کے حقوق ادا کرنے والا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا بنا دے۔

2. ایک اہم گزارش یہ ہے کہ کتاب کو از اول تا آخر مکمل، ترتیب وار اور توجہ سے پڑھیں، خواہ اس میں مہینہ بھر، بلکہ اس سے بھی زیادہ وقت لگ جائے مگر پڑھیں مکمل طور پر۔ اور صورت اس کی یہ ہے کہ کل صفحات کی تعداد کا اندازہ کر کے یومیہ کچھ صفحے پڑھنا متعین کر لیں۔ اور جہاں پہنچ کر رک جائیں وہاں نشان لگا دیں۔

3. مزید نہایت ہی ادب سے عاجزانہ گزارش یہ ہے کہ کتاب کے مطالعے کے وقت ایک قلم ساتھ رکھیں اور جس امر میں خود کو کمزور محسوس کرتے ہوں اس

پر نشان لگالیں اور اس کو بار بار پڑھیں اور اس کی اصلاح کے لئے خوب دعائیں مانگیں۔ اس قلم کو تھامنے کا دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ جہاں بھی کوئی بات آپ کو ایسی محسوس ہو کہ وہ اگر کتاب کے مضامین کا حصہ ہوتی تو پڑھنے والے کی تشنگی دور کرنے کا ذریعہ بن سکتی تھی یا آپ کے ذہن میں مسلمان شوہر ہونے کی حیثیت سے ... والد ہونے کی حیثیت سے ... چچا ہونے کی حیثیت سے ... کوئی اہم ذمہ داری کی بات ہو جو اگر اس کتاب میں ہو تو مسلمانوں کے لئے مفید ہو سکے اور گھروں میں لڑائی جھگڑے کی فضا ختم کی جا سکے تو کسی الگ کاپی میں صفحہ اور سطر کے حوالے کے ساتھ وہ بھی ''وضاحت'' کے ساتھ لکھیں اور کسی طرح مؤلف یا ناشر تک پہنچا دیں۔ اس طرح اس کار خیر میں آپ کا بھی حصہ ہوگا اور ہم پر آپ کا احسان عظیم ہوگا۔

❹ کتاب پڑھتے ہوئے دنیا کے سارے مسلمان شادی شدہ جوڑوں کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان میں محبت و الفت پیدا فرمائے اور ان کو اولادِ صالحہ کے دنیا میں آنے کا سبب بنائے، خوب خوشیاں دکھائے۔ روزانہ دعا کریں کہ آج کے دن دنیا بھر میں جہاں بھی شادیاں ہوئیں، ان میاں بیوی میں اللہ تعالیٰ محبت پیدا فرمائے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ آپ اپنی اہلیہ کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کریں گے۔ اور ان تمام عادتوں اور مزاج میں تبدیلی لانے کے فکرمند ہوں گے جس سے آپ کی جوڑی میں رخنہ پڑنے کا اندیشہ ہو۔

❺ اس کتاب کو پڑھتے ہوئے اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کی طرف نگاہ رکھیں۔ ایسا نہ ہو کہ اس کو پڑھتے ہوئے جس بات سے بیوی کی کوئی کمی سامنے آئے تو فوراً ذہن اس طرف جائے کہ میری بیوی میں یہ کوتاہیاں ہیں یا

میرے بھولی فلاں بھائی ۔ ۔ ۔ ۔ میں یہ کوتاہی ہے بلکہ یہ سوچیں کہ اگر میں نے یہ کوتاہی دور کرلی تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے بیوی کو اور میرے دوسرے ماتحتوں کو بھی ہدایت عطا فرمادیں گے۔

۶ اس کتاب کو پڑھنے کی اور مسلمان بھائیوں کو بھی دعوت دیں اور اس کتاب میں جو ایمانی ترقی اور اخلاقی بہتری سے متعلق جو باتیں ہیں تو ان کی طرف دوسرے مسلمان بھائیوں کو بھی توجہ دلائیں۔

۷ کتاب پڑھنے کے لئے وقت ایسا نکالا جائے جو الجھنوں یا پریشانیوں سے گھرا ہوا نہ ہو۔ تاکہ یکسوئی سے صحیح استفادہ ہوسکے۔

آخر میں عاجزانہ گزارش ہے کہ مؤلف کتاب اور جن بزرگوں کی کتابوں سے استفادہ کرکے اس کتاب کے مضامین تیار کیے گئے یا جن بزرگوں یا علماء حضرات سے رہنمائی حاصل کی گئی، یا کتاب کی تیاری کے مختلف مراحل میں کسی بھی طرح جو شریک یا معاون رہا ہو سب کے لئے خصوصی طور پر دعاؤں کا اہتمام فرمائیں۔

واجرکم علی اللہ

رشتہ ازدواج کا پہلا زینہ

نیک بیوی کا انتخاب

رفیقۂ حیات یا شریکِ زندگی کا انتخاب بہت ہی سخت اور کٹھن مرحلہ ہے۔ اس میں عجلت اور جلد بازی بہت ہی نقصان دہ ہے، اسی طرح مایوسی اور کم ہمتی بھی زہر قاتل ہے۔ اگر دو چار جگہ رشتہ گیا اور وہاں سے جواب ہاں میں نہیں ملا تو اکثر گھروں کے لوگ مایوس ہو جاتے ہیں کہ اب کون دے گا، سارے خاندان میں چھان بین کر لی، اب تو کوئی نہیں رہا۔ لہٰذا اب کوئی لڑکی بھی چاہے اس کے لئے غیر مناسب ہی کیوں نہ ہو، رشتہ کر دو!

اسی طرح اچھے بھلے پڑھے لکھے نوجوان کا نکاح ایسی لڑکی سے کروایا جاتا ہے جو کسی بھی طرح اس کے مناسب نہیں ہوتی۔ پھر ساری زندگی آپس میں ان بن، لڑائی جھگڑے یا اللہ نہ کرے طلاق اور خلع تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

لہٰذا لڑکے کو چاہیے کہ خود بھی ہمت سے کام لے اور گھر والوں کو بھی مایوس نہ ہونے دے، اللہ تعالیٰ سے اچھے رشتے کی امید رکھتے ہوئے خوب دعائیں مانگے اور گھر والوں کو بھی چاہیے کہ ہمت سے کام لیتے ہوئے ٹھنڈے دل سے خوب غور وخوض کر کے اچھی طرح چھان بین کر کے رشتہ طے کریں۔ اس سلسلے میں درج ذیل گزارشات کو ضرور مدنظر رکھیں۔

1. سب سے پہلا کام صلوٰۃ الحاجت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں۔ مکروہ اور ممنوع اوقات کے علاوہ جس وقت بھی موقع ملے کم از کم دو رکعت، ورنہ جتنی اللہ تعالیٰ توفیق دے، پڑھ کر خوب رو رو کر عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے مانگیں اور بار بار مانگیں۔

کہ ”اے اللہ! میں نکاح کرنا چاہتا ہوں اپنے کرم سے مجھے زوجہ صالحہ (نیک بیوی) عطا فرما۔“

اس کے علاوہ بھی دعاؤں کا خوب اہتمام فرمائیں۔ نفل نمازوں کے سجدے میں یہ قرآنی دعا مانگیں:

﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾ (سورۂ فرقان آیت ۷۴)

ترجمہ: ”اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگار لوگوں کا امام بنا۔“

اسی طرح فرض نمازوں کے بعد اور نوافل کے بعد یہ دعا مانگیں:

﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنِ امْرَأَةٍ تُشَيِّبُنِيْ قَبْلَ الْمَشِيْبِ﴾

(عمل الیوم واللیلۃ للسیوطی صفحہ ۷)

ترجمہ: ”اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں ایسی بیوی سے جو مجھے بڑھاپے کی عمر تک پہنچنے سے پہلے ہی بوڑھا کر دے۔“

یہ بہت ہی اہم دعا ہے اس کا خوب اہتمام کرنا چاہیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورت سے اللہ پاک کی پناہ چاہی ہے جو بڑھاپے کی عمر سے پہلے ہی بوڑھا کر دے۔ ایسی بیوی گلے کا طوق ہوتی ہے۔

ایسی ہی عورت کے بارے میں بزرگوں کا قول ہے:

﴿اَلْمَرْأَةُ السُّوْءُ غُلٌّ يُلْقِيْهِ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ عُنُقِ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾

ترجمہ: ”بری بیوی گلے کا طوق ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کی گردن میں ڈالنا چاہتے ہیں ڈال دیتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ ہر مومن کی حفاظت فرمائے آمین!

عربی زبان میں نیک اور پرہیزگار عورت سے شادی کرنے کے لئے یہ دعا بھی چلتے پھرتے مانگی جا سکتی ہے نیز یاد رہے کہ یہ دعا قرآن و حدیث میں ذکر نہیں کی گئی ہے:

﴿یَا وَهَّابُ هَبْ لِیْ زَوْجَةً صَالِحَةً﴾

ترجمہ: "اے بہت زیادہ دینے والے! مجھے نیک بیوی عطا فرما۔"

❷ اللہ تعالیٰ سے اچھے گمان کا بہت اہتمام رکھے حدیث شریف میں آتا ہے:

﴿اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ﴾ (صحیح البخاری کتاب التوحید حدیث ۱۹۵۱)

ترجمہ: "میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں۔"

یعنی ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا گمان رکھیں گے تو ہمارے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہوگا لہٰذا ہمت کے ساتھ یقین رکھے کہ مجھے ان شاء اللہ ضرور اچھی اور نیک بیوی ملے گی جو اس دنیا کے چھوٹے سے گھر کو جنت کا نمونہ بنا دے گی۔

❸ مشورے کا اہتمام ضرور کریں۔ شریعت اسلامی میں مشورہ کی اہمیت اور تاکید آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں مؤمنین کی صفات بیان فرماتے ہیں:

﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ﴾ (سورۃ شوریٰ آیت ۳۸)

ترجمہ: "اور کام کرتے ہیں مشورہ سے آپس کے۔"

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ﴾ (سورۃ آل عمران آیت ۱۵۹)

ترجمہ: "اور صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے مشورہ کیا کریں معاملات میں۔"

اسی لئے مشورہ استخارے سے زیادہ اہم ہے۔ لیکن مشورہ ان افراد سے لیا جائے جو اس بارے میں اچھی بھلی واقفیت بھی رکھتے ہوں۔ یعنی جس چیز کا مشورہ ان سے لیا جا رہا ہے اس بارے میں وہ کچھ تجربہ رکھتے ہوں۔ اس کے علاوہ چند

باتوں کا خیال رکھنا چاہئے کہ وہ افراد (۱) دیندار (۲) سمجھدار (۳) تجربہ کار اور (۴) رازدار ہوں۔ کیونکہ ایسے افراد آپ کو مخلص بن کر سمجھداری کے ساتھ اپنے تجربہ کے مطابق اور آپ کے راز کی حفاظت کرتے ہوئے مفید ترین مشورہ دیں گے۔

اسی طرح خاندان کے بزرگوں سے بھی رائے معلوم کریں کہ میرا فلاں جگہ رشتہ بھیجنے کا ارادہ ہے، آپ کا کیا خیال ہے؟ مزید یہ کہ اس لڑکی کے بہن بھائیوں کے جہاں رشتے ہوئے ہوں، ان سے اور ان کے گھر والوں سے بھی ضرور مشورہ کریں۔

کہتے ہیں کہ کسی کو بہت ہی زیادہ جمع خوری کا جذبہ اٹھا تو سوچا کہ دو ستاروں کا آپس میں نکاح کروانا چاہئے ان میں "ثریا" اور "سہیل" کی جوڑی اچھی رہے گی۔ لیکن مشورے کی اہمیت سے واقف تھا، یہ نہیں کہ "جو میرے جی میں آیا وہی ٹھیک ہے۔" کسی کے پاس جا کر مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ

أَيُّهَا الْمُنْكِحُ الثُّرَيَّا سُهَيْلاً
عَمْرَكَ اللّٰهَ كَيْفَ يَلْتَقِيَانِ
هِيَ شَامِيَةٌ إِذَا مَا اسْتَقَلَّتْ
وَسُهَيْلٌ إِذَا مَا اسْتَقَلَّ يَمَانِ

(تحفۃ العروس صفحہ ۹۸)

ترجمہ: "اے ثریا کے ساتھ سہیل کا نکاح کروانے والے! اللہ تم کو اس کی بھلائیوں کے کام کرنے کے لئے لمبی عمر دے لیکن سوچو تو سہی! ان دونوں میں ملاپ ہوگا کیسے؟

اس لئے کہ ثریا بلند ہوتی ہے تو شام پر نمودار ہوتی ہے اور سہیل جب طلوع ہوتا ہے تو یمن پر نمودار ہوتا ہے۔"

لہٰذا میاں بیوی میں مناسبت بھی دیکھنی چاہیے کہ ہمارے خاندان کے مناسب بھی ہے یا نہیں۔ معمولی فرق اور تفاوت تو چل جاتا ہے، لیکن بہت زیادہ فرق۔ مثلاً لڑکا بہت امیر ہو اور لڑکی بہت ہی غریب۔ یا اس کے برعکس لڑکی بہت ہی تعلیم یافتہ اور لڑکا بالکل ان پڑھ۔ لڑکی تو عالمہ ہے اور لڑکا ایسا کہ ناظرہ قرآن بھی پڑھنا نہیں جانتا یا اس کے برعکس وغیرہ ان تمام امور میں دونوں خاندانوں کو مناسبت ضرور دیکھنی چاہیے۔ لڑکے کے والدین کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ معلوم کریں کہ لڑکی کی پرورش کس گھرانہ میں ہوئی ہے۔ اس کی ماں کا کیا حال ہے؟ اس کی بہنوں کا کیا حال ہے وغیرہ۔

ہم نے آپ کی سہولت کے لئے کتاب کے آخر میں چند اکابر علمائے کرام کے خط کے پتہ لکھ دیئے ہیں، اگر ضرورت ہو تو خط لکھ کر جوابی لفافہ ساتھ بھیج کر مشورہ طلب فرمائیں۔

پھر جب آپ کے پاس کئی رائیں جمع ہو جائیں اور گھر کے سمجھدار افراد کی رائے آجائے تو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ اللہ تعالیٰ اس فیصلے میں اپنی مدد شامل فرما دیں۔ اور مشورے کی دعا مانگ کر استخارہ کرنے کے بعد اپنے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے کسی ایک رائے پر عمل کریں۔

اللہ پاک نے چاہا تو یقیناً آپ کے فیصلے میں خیر و برکت ہوگی مشورے کی دعا مندرجہ ذیل ہے:

﴿اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِیْ رُشْدِیْ وَاَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ﴾

(کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۸۱ رقم ۳۲۱۰)

ترجمہ: ”اے اللہ! میرے دل میں وہ بات ڈال دے جس میں میرے لئے بہتری ہو اور میرے نفس کے شر سے میری حفاظت فرما۔“

اس لئے کہ ہر اہم کام کرنے سے پہلے شریعت نے دو چیزوں کا حکم فرمایا

ہے ایک استشارہ یعنی باہم مشورہ دوسرا اللہ تعالیٰ سے استخارہ۔ شیطان ہر وقت مسلمان کے پیچھے لگا رہتا ہے اور شریعت کے سیدھے سادے اور بالکل آسان کاموں کو بگاڑ کر پیش کرتا ہے، اس نے دوسرے بہت سے احکام کی طرح مشورہ اور استخارہ کا بھی حلیہ بگاڑ دیا۔ اولاً تو بہت سے لوگ استشارہ و استخارہ کرتے ہی نہیں اور اگر کسی نے کر بھی لیا تو اس میں بہت سی غلطیاں کرتے ہیں، چونکہ شرعاً، عقلاً استخارہ کے مقابلہ میں استشارہ یعنی اہم مشورہ کی اہمیت زیادہ ہے، اس لئے پہلے استشارہ کی اہمیت پھر اس میں پائی جانے والی عام خرابیوں کے بارے میں لکھتے ہیں اس کے بعد استخارہ کے بارے میں لکھیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

استشارہ کی اہمیت

استشارہ کی اہمیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات یہ ہیں:

❶ اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ۝﴾ (سورۂ آل عمران: ۱۵۹)

ترجمہ: ”اور آپ ان صحابہ سے اہم کام میں مشورہ لیا کریں سو جب فیصلہ کر لیں تو اللہ پر توکل کریں بے شک اللہ توکل کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔“

رسول تو براہِ راست اللہ تعالیٰ سے ہدایات لیتا ہے اور فہم و فراست میں بھی رسول سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے، اس کے باوجود مشورہ کی اہمیت جتانے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم فرمایا۔

❷ اللہ تعالیٰ کا دوسرا ارشاد

﴿وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۖ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۖ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴾ (سورۃ الشوریٰ: ۳۸)

ترجمہ: ''اور جنہوں نے اپنے رب کا حکم مانا اور نماز کو قائم کیا اور ان کے کام باہم مشورہ سے ہوتے ہیں اور وہ اس سے جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے خرچ کرتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے کا سب سے اہم اور اعلیٰ شعبہ زکوٰۃ ہے، مشورہ کی اہمیت بتانے کے لئے نماز اور زکوٰۃ کے درمیان اسے ذکر فرمایا، اس سورت کا نام ہی ''شوریٰ'' رکھا یعنی مشورہ کے حکم والی سورت۔

نماز اور زکوٰۃ دو ایسی عبادتیں ہیں جنہیں قرآن و حدیث میں تقریباً ہر جگہ ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے اس لئے ان دونوں عبادتوں کو ''قرینتان'' بھی کہتے ہیں۔ لیکن قرآن مجید میں دو جگہ نماز اور زکوٰۃ کے درمیان تیسری چیز لا کر اس کی اہمیت بتائی گئی ہے، ایک جگہ تو یہی سورۂ شوریٰ میں ہے، نماز اور زکوٰۃ کے درمیان مشورہ کا ذکر فرمایا۔

اور دوسری جگہ سورۂ مؤمنون کے شروع میں ہے:

اللہ تعالیٰ نے نماز اور زکوٰۃ جیسی اہم عبادات کے درمیان لغو کاموں سے بچنے پر تنبیہ فرمائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات یہ ہیں:

۳ مَا سَعِدَ اَحَدٌ بِرَأْيِهِ وَمَا شَقِيَ عَنْ مَشْوَرَةٍ (الجامع الصغیر جلد ۲ صفحہ ۲)

ترجمہ: ''اپنی انفرادی رائے سے کوئی کامیاب نہیں ہوا اور مشورہ کے بعد کوئی ناکام نہیں ہوا۔''

۴ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو آپ نے یہ نصیحت فرمائی

﴿اِسْتَخِیْرُ فَاِنَّ الْمُسْتَشِیْرَ مُعَانٌ وَالْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ﴾

(جامع الاحادیث جلد ۹ صفحہ ۲۰۵)

ترجمہ: ''مشورہ لیا کریں کیونکہ مشورہ لینے والے کی (من جانب اللہ) مدد کی جاتی ہے اور جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہے۔''

۵ ﴿مَا خَابَ مَنِ اسْتَخَارَ وَمَا نَدِمَ مَنِ اسْتَشَارَ﴾ (المعجم الاوسط صفحہ ۶۶۲۷)

یعنی جو شخص اہم کاموں میں استشارہ و استخارہ کر لیتا ہے وہ کبھی خسارے میں نہیں رہتا نقصان اور ندامت سے بچ جاتا ہے اور اپنے کئے پر نادم نہیں ہوتا۔ بظاہر اس کو نقصان نظر آئے بھی تو کیا انسان، کیا انسان کا علم؟ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ نقصان نہیں ہے صرف نظر کا دھوکا ہے۔ انسان کا حقیقی نقصان وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نقصان قرار دیں۔ انسان اپنے نفع و نقصان کو نہیں پہچانتا اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ اس کا نفع کہاں ہے؟ فرمایا جس نے استخارہ کر کے کام کیا وہ کبھی خسارے اور نقصان میں نہیں ہوگا۔ اسی طرح جس نے اہم کاموں میں مشورہ لے لیا وہ بھی کبھی پریشان نہیں ہوگا۔

مشورہ کس سے لینا چاہیے؟

مشورہ ایسے شخص سے لینا ضروری ہے جو صالح اور دیندار ہو اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جس کام کے بارے میں آپ مشورہ لینا چاہتے ہیں اس صالح شخص کو اس کام کا کچھ تجربہ بھی ہو۔

دوسرا اہم کام یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرے کہ جس کام میں میرے لئے خیر ہو وہ کام ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے وہ کام اختیار فرما دیتے ہیں جو اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے، لیکن ظاہری اعتبار سے وہ کام اس بندہ کی سمجھ میں نہیں آتا تو وہ بندہ اپنے پروردگار پر ناراض ہوتا ہے کہ میں نے اللہ

تعالیٰ سے تو یہ کہا تھا کہ میرے لئے اچھا کام تلاش کیجئے، لیکن جو کام ملا وہ تو مجھے اچھا نظر نہیں آ رہا ہے، اس میں تو میرے لئے تکلیف اور پریشانی ہے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب انجام سامنے آتا ہے تب اس کو پتہ چلتا ہے کہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے میرے لئے جو فیصلہ کیا تھا وہی میرے حق میں بہتر تھا۔ اس وقت اس کو پتہ نہیں تھا اور یہ سمجھ رہا تھا کہ میرے ساتھ زیادتی اور ظلم ہوا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا صحیح ہونا بعض اوقات دنیا میں ظاہر ہو جاتا ہے اور بعض اوقات آخرت میں ظاہر ہوگا۔

مذکورہ بالا گفتگو سے یہ باتیں معلوم ہوئیں کہ جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے خیر کا فیصلہ فرما دیتے ہیں۔ استخارہ کسے کہتے ہیں؟ اس بارے میں لوگوں کے درمیان طرح طرح کی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ "استخارہ" کرنے کا کوئی خاص طریقہ اور خاص عمل ہوتا ہے، اس کے بعد کوئی خواب نظر آتا ہے اور اس خواب کے اندر ہدایت دی جاتی ہے کہ فلاں کام کرو یا نہ کرو۔ خوب سمجھ لیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے "استخارہ" کا جو مسنون طریقہ ثابت ہے اس میں اس قسم کی کوئی بات موجود نہیں۔

استخارہ کا طریقہ اور اس کی دعا

"استخارہ" کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ آدمی دو رکعت نفل استخارہ کی نیت سے پڑھے۔ نیت یہ کرے کہ میرے سامنے دو راستے ہیں، ان میں سے جو راستہ میرے حق میں بہتر ہو، اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ فرما دیں۔ پھر دو رکعت پڑھے اور نماز کے بعد استخارہ کی وہ مسنون دعا پڑھے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی ہے۔ یہ بڑی عجیب دعا ہے، پیغمبر ہی یہ دعا مانگ سکتا ہے اور کسی کے بس

کی بات نہیں، اگر انسان ایڑی چوٹی کا زور لگا لیتا تو بھی ایسی دعا نہ کر سکتا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی۔ وہ دعا یہ ہے۔

﴿اللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ، فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ، وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ، وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ، اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعِیْشَتِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَیَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِیْهِ، وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعِیْشَتِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِهٖ﴾ (ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب ما جاء فی صلاۃ الاستخارۃ)

ترجمہ: "اے اللہ! میں آپ کے علم کا واسطہ دے کر آپ سے خیر طلب کرتا ہوں اور آپ کی قدرت کا واسطہ دے کر میں اچھائی پر قدرت طلب کرتا ہوں، آپ غیب کو جاننے والے ہیں۔ اے اللہ! آپ علم رکھتے ہیں، میں علم نہیں رکھتا۔ یعنی یہ معاملہ میرے حق میں بہتر ہے یا نہیں، اس کا علم آپ کو ہے مجھے نہیں۔ اور آپ قدرت رکھتے ہیں اور میرے اندر قوت نہیں۔ یا اللہ! اگر آپ کے علم میں ہے کہ یہ معاملہ (اس موقع پر اس معاملہ کا تصور دل میں لائے جس کے لئے استخارہ کر رہا ہے) میرے حق میں بہتر ہے، میرے دین کے لئے بھی بہتر ہے، میری معاش اور دنیا کے اعتبار سے بھی بہتر ہے اور انجام کار کے اعتبار سے بھی بہتر ہے تو اس کو میرے لئے مقدر فرما دیجئے اور اس کو میرے لئے آسان فرما دیجئے اور اس میں میرے لئے برکت پیدا فرما دیجئے۔ اور اگر آپ کے علم میں یہ بات ہے کہ یہ معاملہ میرے حق میں برا ہے، میرے دین کے حق میں برا ہے یا میری دنیا اور معاش

کے حق میں برا ہے یا میرے انجام کار کے اعتبار سے برا ہے تو اس
کام کو مجھ سے پھیر دیجئے اور مجھے اس سے پھیر دیجئے، اور میرے لئے
خیر مقدر فرما دیجئے جہاں بھی ہو۔ یعنی اگر یہ معاملہ میرے لئے بہتر
نہیں ہے تو اس کو تو چھوڑ دیجئے اور اس کے بدلے جو کام میرے
لئے بہتر ہو اس کو مقدر فرما دیجئے پھر مجھے اس پر راضی بھی کر دیجئے
اور اس پر مطمئن بھی کر دیجئے۔"

دو رکعت نفل پڑھنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر لی تو بس استخارہ ہو گیا۔

استخارہ کا کوئی وقت مقرر نہیں

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ استخارہ ہمیشہ رات کو سوتے وقت ہی کرنا چاہیے یا عشاء کی نماز کے بعد ہی کرنا چاہیے۔ ایسا کوئی ضروری نہیں، بلکہ جب بھی موقع ملے اس وقت یہ استخارہ کر لے۔ نہ رات کی کوئی قید ہے، اور نہ دن کی کوئی قید ہے، نہ سونے کی کوئی قید ہے اور نہ جاگنے کی کوئی قید ہے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ استخارہ کرنے کے بعد خواب آئے گا اور خواب کے ذریعہ ہمیں بتایا جائے گا کہ یہ کام کرو یا نہ کرو۔ یاد رکھیے! خواب آنا کوئی ضروری نہیں کہ خواب میں کوئی بات ضرور بتائی جائے یا خواب میں کوئی اشارہ ضرور دیا جائے، بعض مرتبہ خواب میں آ جاتا ہے اور بعض مرتبہ خواب میں نہیں آتا۔

استخارہ کا نتیجہ

بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ استخارہ کرنے کے بعد خود انسان کے دل کا رجحان ایک طرف ہو جاتا ہے، بس جس طرف رجحان ہو جائے وہ کام کر لے، اور بکثرت ایسا رجحان ہو جاتا ہے۔ لیکن بالفرض اگر کسی ایک طرف دل میں

رجحان نہ بھی ہو بلکہ دل میں کشمکش موجود ہو تو بھی استخارہ کا مقصد پھر بھی حاصل ہے، اس لئے کہ بندہ کے استخارہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ وہی کرتے ہیں جو اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔ اس کے بعد حالات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں پھر وہی ہوتا ہے جس میں بندے کے لئے خیر ہوتی ہے اور اس کو پہلے سے پتا بھی نہیں ہوتا۔ بعض اوقات انسان ایک راستے کو بہت اچھا سمجھ رہا ہوتا ہے لیکن اچانک رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کو اس بندے سے پھیر دیتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ استخارہ کے بعد اسباب ایسے پیدا فرما دیتے ہیں کہ پھر وہی ہوتا ہے جس میں بندے کے لئے خیر ہوتی ہے۔ اب خیر کس میں ہے؟ انسان کو پتہ نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما دیتے ہیں۔

تمہارے حق میں یہی بہتر تھا

اب جب وہ کام ہو گیا تو اب ظاہری اعتبار سے بعض اوقات ایسا لگتا ہے کہ جو کام ہوا وہ اچھا نظر نہیں آ رہا ہے، دل کے مطابق نہیں ہے، تو اب بندہ اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرتا ہے کہ یا اللہ! میں نے آپ سے مشورہ اور استخارہ کیا تھا مگر کام وہ ہو گیا جو میری مرضی اور طبیعت کے خلاف ہے اور بظاہر یہ کام اچھا معلوم نہیں ہو رہا ہے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرما رہے ہیں کہ ارے نادان! تو اپنی محدود عقل سے سوچ رہا ہے کہ یہ کام تیرے حق میں بہتر نہیں ہوا، لیکن جس کے علم میں ساری کائنات کا نظام ہے، وہ جانتا ہے کہ تیرے حق میں کیا بہتر تھا اور کیا بہتر نہیں تھا، اس نے جو کیا وہی تیرے حق میں بہتر تھا۔ بعض اوقات دنیا میں تجھے پتہ چل جائے گا کہ تیرے حق میں کیا بہتر تھا اور بعض اوقات پوری زندگی میں کبھی پتہ نہیں چلے گا، جب آخرت میں پہنچے گا تب وہاں جا کر پتہ چلے گا کہ واقعۃً یہی میرے لئے بہتر تھا۔

بیوی کے انتخاب کے وقت اس میں ان صفات کا دیکھنا ضروری ہے

❶ دین داری:

کسی بھی عورت سے نکاح کے وقت اس میں سب سے پہلی خوبی دینداری کو ڈھونڈنا چاہیے، اگر وہ دیندار ہوگی یعنی اللہ تعالیٰ کے سارے احکامات کو پورا کرنے والی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بتاتے ہوئے طریقے پر زندگی گزارنے والی ہوگی تو ازدواجی زندگی پائیدار، خوش گوار، باوقار اور باہم پیار و محبت سے بھرپور ہوگی۔ شادی حقیقتاً خانہ آبادی اور ڈھیروں خوشیاں لانے کا سبب بنے گی اور آنے والی نسل بھی ایک ہوشیار، دیندار، باپردہ خاتون کی گود میں پل کر امت مسلمہ کے لئے ایک عظیم نعمت بن سکتی ہے۔ شادی کے لئے عورت کے انتخاب کے وقت سب سے پہلے یہی صفت تلاش کرنا ہر مسلمان کے لئے بہت زیادہ ضروری ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ﴾ (مشکوۃ حدیث نمبر ۲۹۲۶)

ترجمہ: ”کسی عورت سے ان چار چیزوں کے سبب نکاح کیا جاتا ہے (۱) اس کے مال کی وجہ سے (۲) اس کے حسب کی وجہ سے (۳) اس کے حسن و جمال کی وجہ سے (۴) اور اس کے دین کی وجہ سے لیکن دیکھو! تم دین دار عورت سے نکاح کرنا تمہارے ہاتھ مٹی میں مل جائیں۔“

اس لئے ہر مسلمان کو چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نصیحت پر

تمل کرتے ہوئے اپنی ہونے والی بیوی میں پہلے دین کو معیار بنائے اور پہلے ہی سے اپنے گھر والوں کو کہہ دے کہ میں دیندار، باپردہ، قرآن و حدیث کا علم رکھنے والی لڑکی سے نکاح کروں گا اور اللہ پاک مجھے ایسی نیک بیوی ضرور دیں گے۔ آپ لوگ اپنی طرف سے پوری کوشش کریں، ان شاء اللہ نیک بیوی ہی ملے گی۔

یہ بات سارے مردوں کو سمجھ لینی چاہیے کہ دین اسلام ہی وہ واحد دین ہے جو لڑکی کو شوہر، ساس وسسر کے، نند وبھاوج کے۔ غرض تمام گھر والوں کے اور ساری دنیا کے انسانوں کے، حتی کہ جانوروں کے حقوق ادا کرنا بھی سکھاتا ہے۔ دین ہی اس کو غیبت، جھوٹ، بدتمیزی، دغا بازی، بے حیائی اور بے وفائی سے بچاتا ہے، جس سے زندگی کی گاڑی ٹھیک ٹھیک چلتی ہے۔ دین ہی نفسانی خواہشات اور شیطان کی بات ماننے اور اس کی چاہت پر عمل کرنے سے روکتا ہے۔ دین ہی بچوں کی اصلاح وتربیت، اور ان کو اخلاق وآداب، عزت وشرافت اور شرم وحیا سکھانے میں مددگار بنتا ہے۔

نکاح کا مقصد باہمی موافقت، آپس کی محبت و اطمینان اور پکی دوستی پر موقوف ہے۔ یہ بات یقینی ہے کہ آپس کی محبت اور دوستی میں جس قدر دین کو دخل ہے، اتنا کسی چیز کو نہیں، کیوں کہ سوائے دین کے سب تعلقات بعض اوقات دنیا ہی میں ختم ہو جاتے ہیں، ورنہ قیامت میں تو دین کے علاوہ سارے تعلقات ختم ہی ہو جائیں گے۔ محدث ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿تَخَيَّرُوْا لِنُطَفِكُمْ وَانْكِحُوا الْاَكْفَاءَ﴾

(سنن ابن ماجہ کتاب النکاح صفحہ ۱۴۳)

ترجمہ: ”اپنی اولاد کے لئے اچھی عورت کا انتخاب کرو اور کفو (ہم پلہ لوگوں) میں شادی کرو۔“

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿تخیروا لنطفکم فإن العرق دساس﴾

(المغنی عن حمل الاسفار للعراقی جلد ۱ صفحہ ۳۴۲)

ترجمہ: ''اپنی اولاد کے لئے اچھے خاندان والی عورت کا انتخاب کرو اس لئے کہ خاندان کا اثر سرایت کر جاتا ہے۔''

کنز العمال میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ:

﴿تزوجوا في الحجز الصالح فإن العرق دساس.﴾

(کنز العمال جلد ۱۶ صفحہ ۲۹۵ رقم ۴۴۵۵۷)

ترجمہ: ''اچھے خاندان میں شادی کرو اس لئے کہ خاندانی اثرات سرایت کرتے ہیں۔''

جبکہ ابن عدی اپنی کتاب ''کامل'' میں ''الحجز'' کی جگہ ''الحی'' کا لفظ ذکر کرتے ہیں۔ (الکامل جلد ۷ صفحہ ۲۵۲۵)

یعنی شادی کے خواہش مند ایسی بیویوں کا انتخاب کریں جو نیک و صالح ماحول میں پلی بڑھی ہوں، جنھوں نے ایسے گھر میں پرورش پائی ہو جو شرافت و پاکدامنی کا گہوارہ ہو، ایسے والدین کی اولاد ہوں جو خاندانی لحاظ سے شریف اور آباء و اجداد کے لحاظ سے مکرم و محترم ہوں۔

اور اس میں راز یہ ہے کہ انسان شادی کرے تو اس کی اولاد ایسی ہو جن کی گھٹی میں عزت و شرافت پڑی ہو، جو طبعاً عمدہ خصلتوں کے مالک اور پسندیدہ اسلامی اخلاق کے حامل ہوں، جنھوں نے اخلاق عالیہ اور فضل و کمال فطری طور پر حاصل کیا ہو اور جنھیں مکارم اخلاق اور اچھی خصلتیں اور عادتیں ورثے میں ملی ہوں۔

اسی اصول کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے اپنی اولاد کو شادی کے سلسلہ میں شریف زادیوں اور حسب ونسب کی مالک لڑکیوں کے انتخاب کے سلسلہ میں وصیت کی تاکہ گندی اور برے خاندان کی لڑکیوں سے بچیں، چنانچہ ان کی وصیت کے الفاظ کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔

"اے میرے بیٹو! نکاح کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے بیج بونے والا۔ اس لئے انسان کو دیکھنا چاہیئے کہ وہ کہاں بیج ڈال رہا ہے۔ بری ذات ونسل کی عورت بہت کم شریف بچہ جنتی ہے۔ اس لئے شریف النسل لڑکی کا انتخاب کرو، چاہے اس میں کچھ وقت کیوں نہ لگے۔"

وہی انتخاب اور اعلیٰ اخلاق کی حامل بیوی کے اختیار کرنے کو ثابت کرنے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کے اس سوال کے جواب میں کہ بچہ کا باپ پر کیا حق ہے؟ یہ جواب دیا کہ "اس کی ماں کے انتخاب میں سوچ سمجھ سے کام لے اور اس کا نام اچھا و پسندیدہ رکھے اور اس کو قرآنی تعلیمات سکھائے۔" (منہاج التربیت اردو جلد اصفحہ ۳۴)

اور یہ انتخاب جس کی جانب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت مسلمہ کی رہنمائی فرمائی ہے یہ موجودہ دور میں ایک عظیم الشان علمی حقیقت اور تربیت کے سلسلہ میں ایک اہم نظریہ کا درجہ رکھتا ہے۔ چنانچہ موروثی اثرات کے علم نے یہ بات ثابت کر کے دکھائی ہے کہ بچہ اپنے ماں باپ کے اخلاق، جسمانی اور عقلی اوصاف کا پیدائشی طور پر حامل ہوتا ہے۔

لہٰذا اگر لڑکے یا لڑکی کا انتخاب خاندانی شرافت اور تقویٰ وصلاحیت کی بنیاد پر ہوگا تو پھر بلاشبہ اولاد بھی پاکدامنی، شرافت اور اچھے اوصاف کی مالک ہوگی۔ اور جب بچے میں پیدائشی طور سے اچھے اوصاف واثرات موجود ہوں گے اور اس کو صحیح تربیت مل جائے گی تو ظاہر ہے کہ وہ دینی واخلاقی لحاظ سے کمال کو پہنچا ہوا

ہوگا، تقویٰ اور فضل وکمال، حسن معاملہ اور اچھے اخلاق میں ان کی مثال دی جائے گی۔

شادی کے خواہش مند حضرات اگر یہ چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد نیک وصالح پاک باز و پاکدامن اور مؤمن ومتقی ہو تو ان کے لئے یہ ضروری ہے کہ حسن انتخاب کو مدنظر رکھیں اور رفیقہ حیات کے انتخاب میں خوب جانچ پڑتال سے کام لیں۔ اور بار بار دعاؤں کے ذریعہ مدد حاصل کریں۔

❷ حسب ونسب:

دین داری کے بعد، جس عورت سے نکاح کرنا ہے، اس کے گھر کا ماحول، اس کے خاندان اور اس کے آباؤاجداد کو بھی دیکھنا چاہئے۔ اس کی تہذیب اور اس کی عقل ودانش سب پر غور کرنا چاہئے اسی لئے بڑے بوڑھے کہتے ہیں:

> "پہلے یہ نہ پوچھا جائے کہ ہونے والی بیوی نے کس درس گاہ میں تعلیم پائی بلکہ پہلے یہ معلوم کیا جائے کہ اس کی پرورش کس گھرانے میں ہوئی ہے۔"

نکاح ایسی لڑکی سے کیا جائے جس کی ماں نیک اور صالح ہو۔ اگر لڑکی کی ماں اپنے شوہر کی اطاعت گزار ہوگی اور اپنے شوہر سے سچی محبت کرنے والی اور دل سے عزت کرنے والی ہوگی تو ظاہر ہے کہ یہ لڑکی بھی اپنے ہونے والے شوہر کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرے گی۔

اس لئے اچانک نگاہیں چار ہونے سے اور اس کے نتیجے میں جھٹ منگنی اور پٹ بیاہ کی صورتوں سے بہرحال بچنا چاہئے اس کا انجام بسا اوقات بہتر نہیں ہوتا۔ صحیح انتخاب کی صورت یہ ہے کہ اس کی عادت کو دیکھیں، دولت کو نہیں دیکھیں۔ تربیت کو دیکھیں، جہیز کے سامان کو نہیں۔ شرافت اور شرم وحیا کو دیکھیں، جوڑے

کی رقم کو نہیں۔ لڑکی کے والدین کا رہن سہن دیکھیں، دونوں میں نبھاؤ کیسا ہے،
دونوں میں دین داری کیسی ہے؟

بہتر تو یہ کہ نہیں۔ لڑکی کے رشتہ داروں اور پڑوسیوں سے اس کے مزاج اور اخلاق کا حال معلوم کریں۔ ان کے گھر میں موجود اے سی، واشنگ مشین، دست کاری کے نمونوں سامان آرائش، اور بڑھیا فرنیچر نہیں، بلکہ مکان کے اندر رہنے والی ہستیوں کو دیکھیں کہ کس طریقہ سے، صفائی ستھرائی سے رہتی ہے۔ اور نماز و پردہ کو دیکھیں، مکان کو نہ دیکھیں کہ مزدوروں نے کتنا اونچا اور کیسا خوبصورت بنایا ہے۔ مسکراہٹ بکھیرنے والی شیریں زبان اور خوشیوں کے رنگ بکھیرنے والی پیشانی دیکھیں، نہ یہ کہ صرف اور صرف ایم ایس سی یا پی ایچ ڈی کی ڈگریوں دیکھیں۔

ایک دوسرے کی خاندانی شرافت و عزت کو سمجھیں۔ جس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ اپنے خاندان کی عورتوں کے ذریعہ لڑکی اور اس کے گھرانے کے بارے میں اڑوس پڑوس یا رشتہ داروں سے تحقیق کروائیں۔ چونکہ آپ ان کو اپنے ہونے والے بچوں کی ماں بنا رہے ہیں، لہٰذا اس کے بھائی آپ کے بچوں کے ماموں، اس کے والد والدہ آپ کے بچے کے نانا نانی اور اس کی بہنیں آپ کے بچے کی خالہ کہلائیں گی۔ ظاہر ہے کہ یہ سب رشتے بچے کی ذہنی اور اخلاقی نشوونما پر گہرے اثرات اور ان مٹ نقوش چھوڑتے ہیں۔ انہیں باتوں کی وجہ سے شادی سے پہلے حسب نسب کی جانچ پڑتال ضروری ہے۔

۳ حسن و جمال:

دین داری اور حسب و نسب کے بعد حسن و جمال بھی ہونے والی بیوی میں دیکھنا اہم ہے۔ رفیقہ حیات کے انتخاب میں حکمت و بصیرت کے ساتھ اطمینان و

سکون سے فیصلہ کرنا چاہیے۔ بہت سے نوجوان لڑکے اور ان کے والدین اور بہنیں وغیرہ شخص میک اپ کئے ہوئے چہرے کا رنگ دیکھ کر مسحور ہو جاتے ہیں اور رشتہ طے کر لیتے ہیں پھر جب میک اپ دھلتا ہے تو ہائے افسوس!۔۔۔

بہتر صورت یہ ہے کہ لڑکی کو ضیافتوں میں دیکھنے کے بجائے اس کے گھر جا کر دیکھیں لہذا نکاح سے پہلے لڑکا لڑکی کو اس کی عام حالت میں دیکھ لے تو بہت مستحسن ہے اور اس کی شریعت نے اجازت بھی دی ہے حدیث میں وارد ہے۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا ''میں نے ایک انصاریہ عورت سے نکاح کیا ہے۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم نے اس کو دیکھ لیا ہے؟''

اس شخص نے عرض کیا ''جی نہیں۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جاؤ جاؤ دیکھ لو۔ انصاری عورتوں میں کچھ ہوتا ہے۔'' یعنی انصاری عورتوں کی آنکھیں چھوٹی ہوتی ہیں۔''

(مشکوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۶۸)

ایک اور صحیح حدیث میں اس کی وجہ بتلائی گئی کہ۔۔۔۔

''اس عورت کو دیکھ لو۔ تم دونوں کے درمیان محبت قائم رکھنے کے لئے بہ زیادہ مناسب ہوگا۔ (مشکوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۶۹)

یعنی الفت و محبت تو کم و دائم رکھنے کے لئے آپس میں اعتماد رونق اور تازگی برقرار رکھنے کے لئے یہ بے حد اہم بات ہے کہ لڑکا لڑکی کو دیکھ لے۔

اگر منگنی کرنے والا ہے اور اپنے ارادہ میں پختہ ہے شادی کے لئے پہلے سے تیار ہے اور اس کے گھر والے لڑکی کے اخلاق، اس کی چال چلن حسب نسب

وغیرہ کا صحیح اندازہ لگا چکے ہیں، لڑکے کی والدہ بہنوں وغیرہ نے اس کو پسند کر لیا ہے، اور مکمل تحقیق کے بعد فیصلہ کر لیا کہ ہم یہاں رشتہ چاہتے ہیں، اور لڑکے نے اپنی والدہ وغیرہ سے لڑکی کے خد و خال اور چال ڈھال معلوم کرنے کے بعد یہ فیصلہ کر لیا کہ یہ میرے لئے قابل قبول ہے، صرف ایک نظر مجھے دیکھنا ہے کہ اطمینان قلب بھی حاصل ہو جائے۔ تو اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی اجازت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لڑکی کو ضرور دیکھ لے۔ اس میں بہت سی حکمتیں اور فوائد پوشیدہ ہیں۔ لیکن یہ کہ تصاویر سے بالکل پرہیز کیا جائے۔ نہ تصویر مانگی جائے، نہ اپنی دی جائے۔ کیوں کہ اس میں سب سے بڑی ندمت کی بات یہ ہے کہ ایک بہتری حاصل کرنے کے لئے کئی احکام توڑنے پڑیں گے۔ لہٰذا اس کی قطعی اجازت نہیں ہے۔

دوسری خرابی یہ کہ تصویر میں حقیقت نہیں ہوتی اور صحیح اندازہ لگانا ناممکن ہوتا ہے۔ لہٰذا اس سے تو ضرور بچا جائے۔ البتہ دیکھنے کے اور بھی کئی طریقے ہیں ان پر عمل کیا جائے لیکن یہ ضروری ہے کہ لڑکی کے والدین کی اجازت لینا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ جب اجازت مل جائے گی تو کوئی غیر مناسب طریقہ نہیں اپنانا پڑے گا اور شریفانہ طریقے سے لڑکی کو دیکھا جائے گا۔ بہت سے نوجوان لڑکوں کو سنتے ہوئے سنا کہ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا تم نے اپنی ہونے والی بیوی کو دیکھا ہے؟ تو ان کا جواب عموماً اس قسم کا ہوتا ہے کہ

''ہم نے دین دیکھا ہے اور کچھ نہیں۔''

بعض کہتے ہیں:

''میری والدہ اور بہنیں بہت ہی سمجھدار ہیں، انہوں نے دیکھ لیا کافی ہے۔''

کچھ یوں کہتے ہیں کہ:

"ایک تو لڑکی بڑی مشکل سے ہے، اب دیکھنے کا کہیں گے تو مسئلہ ہوگا۔"

بعض کا جواب ہوتا ہے کہ:

"ہمارے یہاں رواج نہیں ہے ہم کیا کریں۔"

یاد رکھیئے! ہم اسی وقت کامیاب ہوں گے جب اپنی اصلی شرافت، عزت پر لوٹیں گے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سو فیصد اتباع کرنے والے بنیں گے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں جتنی کمی ہوگی اتنی ہی دین دنیا کی عزت وشرافت اور خیر وبرکت میں کمی ہوگی۔ اس لئے صرف سنی سنائی باتوں میں نہ آئیں کہ ہم نے صرف دین دیکھا ہے۔ یا ہم نے صرف تعلیم دیکھی ہے۔ بلکہ دین کا معیار بھی ہر شخص کی نگاہ میں الگ الگ ہے اور میاں بیوی کے دین کی حفاظت دونوں کے محبت ومروت اور الفت وطمانیت سے رہنے میں ہے اور ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے، ایک دوسرے کی عزت کرنے اور ایک دوسرے کے نفس کی حفاظت کرنے میں ہے۔ اسی کو قرآن پاک میں کہا گیا ہے:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ (سورۃ بقرۃ: آیت ۱۸۷)

ترجمہ: "وہ (بیویاں) تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو۔"

لہٰذا یہ تب ہوگا جب دین داری کے ساتھ حسب ونسب اور حسن وجمال بھی دیکھا جائے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ میری والدہ، خالہ وغیرہ نے دیکھ لیا ہے، تو محترم بھائی صاحب۔ شادی تو آپ نے کرنی ہے آپ ہی کو بیوی کے ساتھ زندگی گزارنی ہے لہٰذا خود دیکھنا اور اپنے معیار کے مطابق جانچنا مناسب ہے۔ ہو سکتا ہے آپ کے سرپرست نے اپنے مطابق دیکھا ہو۔ مثلاً یہ کہ "بڑی سیدھی سادی

ہے، ہماری خوب خدمت کرے گی، بڑی سلیقہ شعار ہے، یا یہ تو گھر کو چاند لگا دے گی" وغیرہ

جو لوگ رسم و رواج کے چکر میں پڑے ہیں، وہ نہایت غلطی پر ہیں۔ کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بعد کسی بات کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اور رسم و رواج کی خرابی کی اصل وجہ یہی ہے کہ ان سے آدمی کی زندگی تنگ ہو جاتی ہے اور انسان شریعت کے موافق عمل نہیں کر سکتا۔ اس لئے رسم و رواج کو توڑنے ہی میں بہتری ہے۔

جہاں تک ناامیدی کا مسئلہ ہے تو اس سلسلے میں ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ اچھا گمان رکھنا چاہئے لہٰذا گمان اچھا رکھتے ہوئے ہونے والی بیوی کو ممکن ہو تو ایک نظر دیکھ لیں، اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ بعد میں کوئی مسئلہ درپیش نہ آئے گا۔

ایک اہم بات کی طرف توجہ ضرور فرمائیں کہ ہم نے جو مندرجہ بالا مضمون میں لڑکی کو دیکھنے کی ترغیب دی ہے، یہ اس وقت عمل میں لائیں جب آپ مکمل طور پر نکاح کے لئے یا منگنی کے لئے تیار ہوں، اور دوسری چیزیں یعنی دین داری، حسب نسب، شرافت، خاندان، تعلیم وغیرہ دیکھی جا چکی ہوں، پھر اپنی والدہ بہن وغیرہ سے حال احوال سن کر لڑکا راغب ہو کہ ہاں خدوخال ہیئت جسم (قد و قامت وغیرہ) آپ ایسے بتا رہی ہیں کہ میرے مزاج یا ذوق کے موافق لگ رہے ہیں۔ پھر آخر میں لڑکی کو دیکھا جائے۔ اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ لڑکی کو دیکھنے کے بعد کسی معمولی خامی پر ہرگز اسے مسترد نہ کیا جائے۔ یہ انتہائی خود غرضی اور کم ظرفی کی بات ہے۔ اس سے لڑکی اور اس کے والدین کا دل ٹوٹ جائے گا۔

یاد رکھیں! لڑکی کو دیکھنے کی اجازت یا ترغیب کا حکم اس لئے نہیں دیا جا رہا کہ کوئی ایسا معمولی نقص جس کے دور کرنے کا اس کو اختیار بھی نہیں ہے، اسے مسئلہ

بنا کر اس کو مسترد کر دیا جائے۔ بلکہ یہ جو رشتہ اس لئے تھی کہ آپ کے گھرانے کی عورتیں جو مختلف انداز میں اطلاعات دے رہی تھیں کہ وہ ایسی ہے اور ویسی ہے اور ان باتوں کی وجہ سے آپ کے دل کو جو تشویش ہی تھی، وہ دور ہو جائے اور یکسوئی اور دلی اطمینان ہو جائے کہ جیسے والدہ اور بہنوں نے بتایا تھا، ویسی ہی ہے۔ ہاں اگر آپ کو پہلی ہی نظر میں بالکل پسند نہ آئے اور گھر والوں نے جتنے تعریفوں کے پل باندھے تھے، بالکل اس کے خلاف نظر آئے تو اس صورت میں آپ انکار کر دیں۔ کسی سے گھبرائے یا جھجکئے نہیں۔ اس وقت بہت سے ایک مرتبہ انکار کر دینا بہتر ہے بہ نسبت پوری زندگی خود کو اور آنے والی دلہن کو پریشان کرنے کے۔ آپ اپنے دل کو یوں بھی سمجھائیں کہ لڑکی کے والد نے آپ کو اس درجہ اعتبار والا اور شریف سمجھا کہ اپنی بچی پر آپ کو اطلاق نگاہ ڈالنے دی، ورنہ وہ بھی ہر کسے نا کسے کے سامنے اس کو نہ لاتے۔ لہٰذا آپ بھی ان کی قدر کریں اور اللہ کے فیصلے پر راضی رہیں۔ امید ہے کہ ہماری ان گزارشات سے آپ پر بات کا مقصد واضح ہو گیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ دین کے ہر شعبہ کی صحیح سمجھ نصیب فرمائے۔ (آمین)

ایک مفید تدبیر

ایک مفید تدبیر یہ بھی ہے کہ والدہ اور بہنوں نے جہاں جہاں رشتوں کے لئے سوچا ہے، تو لڑکی اور اس کے گھر والوں کے کوائف لکھ لیں مثلاً لڑکی کی عمر، لڑکی کی دینداری، لڑکی کی تعلیم، لڑکی کی شکل وصورت، جسمانی ہیئت، لڑکی کی والدہ کا خاندان، لڑکی کے والد کا خاندان، لڑکی کے والد کا پیشہ، لڑکی کے والد اور بھائیوں کی نمازوں کی ترتیب اور حالت، لڑکی کے بہن بھائیوں کی شرافت و دینداری، جہاں لڑکی کی دوسری بہنوں کا رشتہ ہوا ہے، ان لوگوں کے تاثرات وغیرہ وغیرہ۔ ان سب باتوں کو ایک کاغذ میں لکھ کر گھر کے تنہا اور افراد نماز پڑھ کر دعا

مانگ کر بیٹھ جائیں اور والد کو یا ان کی غیر موجودگی میں کسی کو امیر بنائیں یا خود ہی فیصلہ کرے اور پھر باری باری ہر ایک سے والد، والدہ یا لڑکا خود مشورہ لے لیں۔ مثلاً ان تین لڑکیوں میں سے ہمارے گھر کے لئے یا بیٹے کے لئے کون سی لڑکی مناسب رہے گی، پھر امیر سب کی رائے کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرلے کہ پہلے اس جگہ رشتہ بھیجتے ہیں۔ پھر اس رشتے کے جواب کے بعد اگر دوبارہ مشورہ کی ضرورت پیش آگئی تو دوبارہ سب بیٹھ جائیں۔ امیر کو چاہیے کہ ہونے والے دولہا کی رائے کو زیادہ اہمیت دے۔

اس مشورہ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ گھروں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشورہ کی سنت زندہ ہوگی، اور جہاں سنت زندہ ہوگی وہاں اللہ تعالی اپنی رحمتیں نازل کرے گا۔

دوسرا اہم فائدہ یہ ہوگا کہ گھر کے افراد میں آپس میں محبت قائم ہوگی۔ تمام بھائی بہن یہ سمجھیں گے کہ والد، والدہ کی نظر میں میری اہمیت ہے، میرا مقام ہے، خصوصاً شادی شدہ بڑے بیٹے تو زیادہ خوش ہوں گے کہ والد نے چھوٹے بھائیوں کے لئے ہم سے مشورہ لیا۔ یہ مشورے کا سب سے بڑا فائدہ ہے کہ گھر کے افراد کے دل آپس میں مل جائیں۔

تیسرا فائدہ یہ ہوگا کہ یہ ایک فرد کا فیصلہ نہیں ہوگا بلکہ اجتماعی فیصلہ ہوگا، اور بعد میں کسی کو کہنے کا موقع نہیں ملے گا کہ مجھ سے نہیں پوچھا گیا تھا اس لئے پھنس گئے وغیرہ۔

ہاں مشورے سے پہلے مشورہ کے آداب ضرور بیان کر لئے جائیں کہ:

1. ہر ایک اپنی باری پر رائے دے۔ دوبارہ رائے دینا چاہے تو بیچ میں نہ بولے، بلکہ آخیر میں اجازت لے کر بولے۔

2. کوئی دوسرے کی رائے کاٹے نہیں۔ ہاں اپنی رائے کا فائدہ اور حکمت بتا

ممکن ہے۔

❸ رائے رائے سمجھ کر دے، فیصلہ سمجھ کر نہیں۔ اگر کسی کی رائے پر فیصلہ نہ ہوسکا تو اس پر طعن وتشنیع یا جھگڑا نہ کرے یا خدا نہ کرے بعد میں کسی آزمائش کے آنے پر یہ نہ کہے کہ میں نے تو پہلے ہی کہا تھا ..... دیکھو تم نے میری بات نہ مانی، اگر مان لیتے تو یہ نہ ہوتا وغیرہ، حدیث شریف میں آتا ہے:

﴿لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ﴾ (مشکوۃ جلد ۲ صفحہ ۴۵۲)

ترجمہ ''(لفظ) ''اگر'' شیطان کا دروازہ کھولتا ہے۔''

❹ اور خود دولہا یا امیر یا گھر کا بڑا جو فیصلہ کردے، اس پر سب راضی ہو جائیں۔

ان آداب کی رعایت رکھتے ہوئے گھر کے سمجھدار، رازدار بیٹھ کر مشورہ کر لیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ بہت سی خیریں وجود میں آئیں گی۔

اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو دولہا کو چاہیے کہ وائف ایک کاغذ میں لکھ کر کسی ایسے تجربہ کار عالم مفتی کے پاس جائے، جو اپنے علاقے اور قوم کے رہن سہن اور ان کے مزاج سے واقف ہو، اس سے مشورہ کرلے، اس سے ان شاء اللہ بہت فائدہ ہوگا، تجربہ شاہد ہے کہ بعض اوقات صرف ایک نظر سے دیکھ کر بھی انسان صحیح فیصلہ نہیں کرسکتا، اس لئے دیکھنے سے پہلے پوری تفصیل لکھ لیں تاکہ تمام جہتیں سامنے آجائیں، پھر اگر دل قبول کرتا ہے تو دیکھ لیں یا رشتہ ڈال لیں۔ پھر یہ ایک نظر دیکھنا قطعی فیصلہ کرنے میں بہت ہی معاون ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہر دو میاں بیوی میں سچی محبت پیدا فرمائے، اور ان دونوں کو دین کی خدمت کے لئے قبول فرمائے اور ہماری ہر خوشی اور غمی کو دین کے پھیلانے کا

ذریعہ بنائے۔ (آمین)

رسم منگنی

منگنی "مانگنے" سے ہے۔ یعنی بیٹے یا بیٹی کی کہیں بات ڈالی، سنجیدگی سے غور کیا، استخارہ کیا یا کوئی تاریخ طے ہوئی، اس پر گھر کے بڑے جمع ہو گئے اور نکاح کی بات پکی کر لی، خوشی میں منہ میٹھا کرا دیا۔ یہ ضروری بھی نہیں اور ناجائز بھی نہیں کہ شکرانے اور بات ہونے کی علامت کے طور پر یا اظہار مسرت کے لئے شرعی حدود میں رہتے ہوئے کوئی تحفہ دے دیں (یعنی عورتوں مردوں کا اختلاط نہ ہوگا اور لڑکی کا آمنا سامنا نہ ہو، نہ ہی لڑکا لڑکی کو انگوٹھی یا چھلہ پہنائے۔ بس رشتے کے گھر کی عورتیں لڑکی سے مل کر سوٹ یا دوپٹہ دے کر یا یادگار کے طور پر یہ تحفہ دے دیں، ادلے بدلے کا خیال نہ ہو، سادگی سے ہر کام ہو)۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ پھر لڑکی کے گھر والے بھی رشتے کو کوئی گھڑی وغیرہ دیں۔ بلکہ ہم اچھے بھلے سادی چیزوں کو رسم کی شکل دے دیتے ہیں جو کہ منع ہے۔ اور تقریب میں ہرگز تصاویر نہ ہوں، نمازوں کے اوقات کی حفاظت ہو۔ اور اسی طرح کوئی بڑی عورت اس گھر کی عورتوں سے مہر کی اور نکاح کی تاریخ کی بات طے کر لے اور مرد مردوں میں طے کر لیں۔

یہ تو تھا ایک سیدھا سادا طریقہ۔ اب ذرا بیدار ہو کر دیکھو تو ناچ گانا وغیرہ رسم نبھانے کی خاطر قرضہ میں دب کر یہ بیٹی والوں میں نام ونمود کے لئے چرچے یا شہرت کے لئے خود کو پابندیوں میں جکڑنا دانش مندی نہیں۔ اب تو اس تقریب پر اتنا خرچ اور لوگوں کا ایسا مجمع ہو جاتا ہے کہ بقول کسی کے "بس قاضی صاحب کو بلا کر نکاح پڑھوانے کی دیر ہے۔" تو فقط منگنی پر آخر اتنا کھیڑا کیوں؟

دوسری اہم بات یہ بھی ہے کہ منگنی کے بعد نکاح میں بلا ضرورت ہرگز تاخیر

نہ کریں۔ اس میں علاوہ دوسری قابل اصلاح باتوں کے یہ بھی ہے کہ پھر درمیان میں آنے والی عید، اور اس طرح کے مواقع پر بھر بھر کے ٹوکروں میں مٹھائیاں اور جوڑے اور ایسی چیزوں کی پابندیاں جو دین نے بھی نہیں بتائیں، ہمارے معاشرے میں داخل ہو چکی ہیں اور فقط کسی مباح کام کی بھی رواج کی وجہ سے ایسی پابندی کی جاتی ہے جو منگنی کا حصہ بن جاتی ہیں اور اس کے خلاف کرنے کو پھر باعث عار جانا جاتا ہے۔ یہ سب منع اور گناہ ہے۔ پھر ادلہ بدلہ کی وجہ سے دونوں طرف کے لوگوں پر بوجھ رہتا ہے اور بعض اوقات ایسی ناچاقیاں بھی ہو جاتی ہیں جن کی بناء پر منگنی ہی ٹوٹ جاتی ہے۔ تو کیا یہ عقل مندی ہے کہ ایک سادہ عنوان کی چیز جو خود ایک مبارک عمل (یعنی نکاح) کا مقدمہ ہی تھا اس کو اتنے بکھیڑوں میں گھیر کر مستقل وبال کی صورت دی جائے؟

لہٰذا اس بناء پر ہم سب سے زیادہ گزارش تو اس سلسلے میں ہونے والے دولہا صاحب سے ہی کرتے ہیں کہ وہ اپنے ماں باپ کو اس پہلو سے سمجھائیں یا ترغیب دیں کہ اتنے خرچے اور جھمیلے کرنے میں کوئی فائدہ تو ہے نہیں۔ اس پر بھی کوئی خوش اور کوئی ناراض ہی رہے گا، ایک خالق کو راضی کرنا آسان ہے، کیونکہ اس کی رضا کا ضابطہ ایک ہی ہے اور وہ ہے شریعت کی پابندی۔

ہم تو اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے موافق نکاح کر رہے ہیں اور نکاح بھی اس لئے کر رہے ہیں کہ گناہ سے بچیں تو کیا یہ گناہ سے بچنا ہے؟ جس کے لئے خود مزید سینکڑوں گناہ کرنے پڑتے ہیں۔ اور منگنی اس کا ایک ابتدائی مرحلہ ہے، تو ان دونوں مواقع پر اتنا خرچہ کرنے کے بجائے کیا ہی اچھا ہو کہ ان ہونے والے زوجین کے لئے اس رقم سے کاروبار ہی شروع کر لیا جائے۔ یا کرائے کے کسی گھر کا ایڈوانس یا ڈیپازٹ ہی دے دیا جائے، تاکہ نکاح ہوتے ہی دولہا دلہن کی رہائش کا مسئلہ حل ہو جائے، یا اگر ایک ہی بیٹا ہے اور اس

فعل یہ کیا جاتا ہے کہ لڑکا اپنی منگیتر سے ملتا ہے اور ٹیلی فون پر بات چیت کرتا ہے اور اس کے ساتھ تفریح پر جاتا ہے اور اس کو غلط بھی نہیں سمجھا جاتا، یا پہلے ہی سے اس سے قرب کے تصورات باندھ کر لذت لیتا، جب کہ ابھی وہ منکوحہ نہیں تھی، یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والی اور اس کی رحمت کو دور کرنے والی ہیں۔ مسلمان دولہا دلہن کو چاہئے ان سے بچیں۔

اب ہم آپ کی خدمت میں اپنے اکابر میں سے ایک بزرگ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معروف و مقبول کتاب ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' میں سے دو مسئلے نقل کرتے ہیں۔ آپ انہیں توجہ سے پڑھیں اور بات کی حقیقت کو سمجھیں تاکہ اس فعل کے برا ہونے کی مذمت دل میں بیٹھ جائے اور ہم خود ان منکرات سے اجتناب کریں اور دوسروں کو بھی اس فعل سے بچانے کی کوشش کریں۔

مسئلہ ❶:

سوال: ایک صاحب فرما رہے تھے کہ ''منگیتر سے ملاقات کرنا، اس سے ٹیلی فون وغیرہ پر بات کرنا اور اس کے ساتھ گھومنا پھرنا صحیح نہیں۔'' میں نے ان صاحب سے عرض کیا کہ ''یہ تو ہمارے معاشرے میں عام ہے، اس کو تو کوئی بھی برا نہیں سمجھتا'' پھر میری بات کا وہ صاحب واضح جواب نہ دے سکے، جس کی وجہ سے میں الجھن میں پڑ گیا کہ کیا واقعی یہ صحیح نہیں ہے؟

جواب: نکاح سے پہلے منگیتر اجنبی ہے لہٰذا نکاح سے پہلے منگیتر کا حکم بھی وہی ہوگا جو غیر مرد کا ہے کہ عورت کا اس کے ساتھ اختلاط جائز نہیں اور آپ کا یہ کہنا کہ ''یہ تو ہمارے معاشرے میں عام ہے، کوئی برا نہیں سمجھتا'' اول تو مسلّم نہیں۔ کیونکہ شریف معاشروں میں اس کو نہایت برا سمجھا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں معاشرے میں کسی چیز کا رواج ہو جانا کوئی دلیل نہیں۔ ایسا غلط رواج جو شریعت کے خلاف

ہو، خود لائق اصلاح ہے۔ ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں لڑکیاں غیر لڑکوں کے ساتھ آزادانہ گھومتی پھرتی ہیں، کیا اس کو جائز کہا جائے گا؟

مسئلہ ۲:

سوال: شادی سے قبل ایک دوسرے کو چاہنے والے لڑکی اور لڑکے کے تعلقات آپس میں کیسے ہونے چاہئیں۔ یعنی ایک دوسرے سے میل جول یا بات چیت کر سکتے ہیں، لیکن کوئی غیر اخلاقی حرکت کے مرتکب نہ ہونے پائیں۔ ایسی صورت میں ان کا عمل کیا شرعی حیثیت رکھتا ہے؟

جواب: جس عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ ہو اس کو ایک نظر دیکھ لینا جائز ہے، خواہ خود دیکھ لے یا کسی معتمد عورت کے ذریعہ اطمینان کرلے۔ اس سے زیادہ "تعلقات" کی نکاح سے قبل اجازت نہیں۔ نہ میل جول کی اجازت ہے نہ بات چیت کی، اور نہ خلوت و تنہائی کی۔ نکاح سے قبل ان کا ملنا جلنا بجائے خود "غیر اخلاقی" حرکت ہے۔ (ماخوذ از "آپ کے مسائل اور ان کا حل" جلد۵ صفحہ۴۴)

خطبۂ نکاح کا پیغام

ہم میں سے شاید کوئی شخص بھی ایسا نہ ہوگا جس نے کبھی کسی نکاح کی تقریب میں حصہ نہ لیا ہو۔ آئے دن شادی کی تقریبات اور نکاح کی محفلیں منعقد ہوتی رہتی ہیں اور تقریباً ہر محفل میں سینکڑوں افراد شریک ہوتے ہیں۔ ان محفلوں میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ ایجاب وقبول سے پہلے نکاح خواں ایک خطبہ پڑھتا ہے۔ اس کے بعد نکاح کی کارروائی ہوتی ہے۔ اگرچہ نکاح کی صحت کے لئے خطبہ کوئی لازمی شرط نہیں ہے، اس کے بغیر بھی دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول کرنے سے نکاح صحیح ہو جاتا ہے۔

لیکن یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے کہ نکاح سے پہلے آپ صلی

اللہ علیہ وسلم بطور مختصر خطبہ دیتے تھے اور ان کے یہی الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے
خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سکھائے تھے۔ یہی وہ الفاظ ہیں
جو ہم تقریباً ہر نکاح کی محفل میں نکاح خواں کی زبانی سنتے ہیں۔ عام طور سے خطبے
کے یہ الفاظ، ان کا مقصد اور ان کی معنویت شادی کے ظاہری ہنگاموں میں گم ہو
کر رہ جاتے ہیں۔ انہیں بے توجہی سے سن لیا جاتا ہے اور اگر نکاح کی محفل
بڑی ہو اور لاؤڈ اسپیکر کا انتظام نہ ہو تو اکثر لوگ انہیں سن نہیں پاتے اور عین خطبے
کے وقت بھی باتیں کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ بھی اس بے توجہی کا شاخسانہ ہے کہ
جو لوگ نکاح کی تقریب پر ہزاروں بلکہ بعض اوقات لاکھوں روپے خرچ کرتے
ہیں، وہ بعض اوقات اتنا بھی خیال نہیں کرتے کہ تھوڑے سے پیسے مزید خرچ کر
کے لاؤڈ اسپیکر کا انتظام کر دیں تاکہ خطبہ اور ایجاب قبول، جو پوری تقریب کی
اصل روح ہے، وہ پرسکون اور باوقار طریقے سے انجام پائے اور حاضرین ان
بابرکت کلمات کو ادا ہوتے ہوئے [illegible] تعلق کی فضا میں سن سکیں۔

بہرکیف! اگر خطبہ سننے میں آ بھی جائے تو عموماً اسے محض ایک تبرک سمجھا
جاتا ہے اور عام لوگوں کے ذہن میں اس کا مقصد صرف برکت کا حصول ہوتا ہے
اس سے آگے کچھ نہیں۔

لہٰذا شاید ہی کوئی صاحب ایسے ہوں جنہوں نے یہ جاننے کی کوشش کی
ہو کہ ان الفاظ کا مطلب کیا ہے؟ وہ کیوں اس موقع پر پڑھے جاتے ہیں؟ اور ان
کا نکاح سے کیا تعلق ہے۔ چونکہ خطبے کے یہ الفاظ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
سے ثابت ہیں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ سکھائے ہیں۔ اس لئے
ہمیں ان کا مفہوم، مقصد اور پس منظر ضرور سمجھنا چاہئے تاکہ ہم اس بابرکت سنت کی
معنویت سے واقعی آگاہ ہو سکیں۔

ان الفاظ کی ابتدا تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا سے ہوتی ہے اور بحیثیت مسلمان

ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اپنے ہر اہم کام کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد سے کیا کریں اس لئے کہ اس کائنات میں کوئی بھی کام اس کی توفیق کے بغیر انجام نہیں پا سکتا۔ نکاح دو افراد کی زندگی کا اہم ترین دوراہا ہے، جس کے ذریعہ یہ دو افراد زندگی کے ایک نئے سفر کا آغاز کرتے ہیں۔ اس موقع پر ہمیں بطور خاص یہ سکھایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور دعا سے یہ سفر شروع کریں۔ حمد و ثنا اور دعا کے لئے جو الفاظ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمائے ہیں وہ کتنے خوبصورت اور کتنے جامع ہیں، اس کا اندازہ ان کے ترجمے سے ہو سکتا ہے۔ اصل عربی الفاظ تو یہ ہیں:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَ نَسْتَعِيْنُهُ وَ نَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ. وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ.﴾

(مسلم باب الجمعہ حدیث نمبر ۱۴۳۶)

اور ان کا ترجمہ یہ ہے "تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ اسی سے مدد مانگتے ہیں۔ اسی سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں۔ اسی پر ایمان لاتے اور اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ ہم اپنی نفسانیت کے شر سے اور اپنے اعمال کی برائیوں سے اسی کی پناہ مانگتے ہیں۔ جسے وہ ہدایت دے اُسے اور کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تنہا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور ہم یہ بھی گواہی دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے

رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر اور ان کے تمام آل و اصحاب پر اپنی رحمتیں اور سلامتی نازل فرمائے۔"

نکاح کے موقع پر دولہا دلہن ہی نہیں، ان کے دونوں خاندان اپنی زندگی کے بڑے نازک دوراہے پر ہوتے ہیں۔ اگر دل مل جائیں تو زندگی جنت کا نمونہ بن جاتی ہے۔ اور اگر خدا نہ کرے دلوں میں ملاپ نہ ہو تو دونوں خاندانوں کے لئے ایک مستقل دردِ سر کھڑا ہو جاتا ہے۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس سے "مدد مانگنے" کی تلقین کی گئی ہے اور چونکہ بسا اوقات ازدواجی زندگی کے فتنے خود اپنی بدبختی یا بداعمالیوں سے پیدا ہوتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنی بداعمالیوں کے شر سے اسی کی پناہ مانگی گئی ہے اور اسی سے اس کی توفیق طلب کی گئی ہے کہ وہ ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرمائے اور گمراہی سے محفوظ رکھے۔ اور یہ ساری حمد و ثنا اور دعائیں چونکہ توحید و رسالت پر مستحکم ایمان کے بغیر بے معنی ہیں، اس لئے توحید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی کی تجدید کرائی گئی ہے اور آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجا گیا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہمارے لئے ہدایت کا یہ نور لے کر تشریف لائے۔

یہ ہیں خطبۂ نکاح کے تمہیدی الفاظ۔ اس کے بعد عموماً خطبے میں قرآن کریم کی چار آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے۔ پہلی آیت سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۰۲ ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِۦ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ﴾ (سورۂ آل عمران آیت ۱۰۲)

جس کا ترجمہ یہ ہے: "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور تمہیں موت اسلام ہی کی حالت میں آنی

چاہیئے۔“

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ﴾

(سورۃ النساء آیت: ۱)

دوسری آیت سورۃ النساء کی پہلی آیت ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے:

”اے لوگو! اپنے اس پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان (یعنی آدم) سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی پیدا کی اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیئے اور اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حقوق مانگتے ہو اور رشتہ داروں کا پاس کرو، بے شک اللہ تمہاری نگرانی کرنے والا ہے۔“

تیسری اور چوتھی آیت سورۃ احزاب کی آیت نمبر ۷۰ اور ۷۱ ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴾ (سورۃ الاحزاب آیت: ۷۰، ۷۱)

اور ان کا ترجمہ یہ ہے: ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہا کرو، اللہ تمہارے کام سنوار دے گا۔ اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کر لی۔ اس نے بڑی عظیم کامیابی حاصل کی۔“

قرآن کریم کی بے شمار آیات میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے خطبے کے لئے خاص طور پر مذکورہ بالا انہی آیات کا جو انتخاب فرمایا، یقیناً اس میں کوئی بڑی مصلحت ہوگی۔ غور کیا جائے تو ان آیتوں میں جو بات مشترک

طور پر کہی گئی ہے، وہ ''تقویٰ'' کا حکم ہے۔

یہ تمام آیتیں اسی حکم سے شروع ہو رہی ہیں کہ ''تقویٰ اختیار کرو۔'' کوئی نادان ہی یہ کہہ سکتا ہے کہ تقویٰ کا شادی بیاہ سے کیا جوڑ؟ لیکن جو شخص حالات کے نشیب و فراز اور میاں بیوی کے تعلقات کی نزاکتوں کو جانتا ہے، اور جسے ازدواجی الجھنوں کی تہہ تک پہنچنے کا تجربہ ہے، وہ اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ میاں بیوی کے تعلقات اور ایک دوسرے کے حقوق کی ٹھیک ٹھیک ادائیگی کے لئے تقویٰ ایک لازمی شرط ہے۔ میاں بیوی کا رشتہ بہت نازک ہوتا ہے۔ ان دونوں کے سینوں میں چھپے ہوئے جذبات اور ان کی حقیقی سرشت ایک دوسرے کے سامنے اتنی کھل کر آتی ہے کہ کسی اور کے سامنے اتنی کھل کر نہیں آسکتی۔

دوسروں کے سامنے ایک شخص اپنی بدنیتی کو ظاہری مسکراہٹوں کے پردے میں چھپا سکتا ہے، اپنے اندر کے انسان پر خوبصورت الفاظ اور اوپری خوش اخلاقی کا ملمع چڑھا سکتا ہے، لیکن بیوی کے ساتھ اپنے معاملات میں وہ یہ ملمع باقی نہیں رکھ سکتا۔ اسے اپنی ظاہرداری کے خول سے کبھی نہ کبھی باہر نکلنا پڑتا ہے اور اگر اندر کا یہ انسان تقویٰ سے آراستہ نہ ہو تو اپنے شریک زندگی کا جینا دوبھر کر دیتا ہے۔

ایک بیوی کو اپنے شوہر سے جو تکلیفیں پہنچتی ہیں ان کا ازالہ ہمیشہ عدالت کے ذریعے نہیں ہوسکتا۔ ان میں سے بے شمار تکلیفیں ایسی ہیں جو وہ عدالت تو کجا اپنے کسی قریبی رشتہ دار کے سامنے بھی بیان نہیں کرسکتی۔

اسی طرح ایک شوہر کو بیوی سے جو شکایتیں ہوسکتی ہیں، بسا اوقات شوہر کے پاس ان کا کوئی حل نہیں ہوتا۔ نہ کسی اور کے ذریعے وہ انہیں دور کرنے کا کوئی سامان کرسکتا ہے۔ اس قسم کی تکلیفوں اور شکایتوں کا کوئی علاج دنیا کی کوئی طاقت فراہم نہیں کرسکتی۔ ان کا علاج اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ دونوں کے دل میں

"تقویٰ" ہے یعنی وہ اس احساس کی دولت سے مالا مال ہوں کہ وہ ایک دوسرے کے لئے امانت ہیں اور اس امانت کی جواب دہی انہیں اپنے اللہ کے سامنے کرنی ہے۔ اپنے شریک زندگی کو اپنے کسی طرز عمل سے مطمئن کر دو تو شاید دنیا کی جواب دہی سے بچ جائیں لیکن ایک دن آنے والا ہے جب وہ اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے اور انہیں اپنی ایک ایک حق تلفی کا بھگتان بھگتنا پڑے گا۔ اسی احساس کا نام تقویٰ ہے اور یہی وہ چیز ہے جو انسان کے دل پر ان تنہائیوں میں بھی پہرہ بٹھاتی ہے جہاں اسے کوئی اور دیکھنے والا نہیں ہوتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے ہیں کہ جب دو مرد و عورت زندگی کے سفر میں ایک دوسرے کے ساتھی بنیں تو وہ روانہ ہونے سے پہلے اپنے دلوں پر یہ بھی پہرہ بٹھالیں تاکہ ان کی دوستی پائیدار ہو اور ان کے دل میں ایک دوسرے کی محبت محض وقتی نفسانیت کی پیداوار نہ ہو جو نئی زندگی کا جوش ٹھنڈا ہونے کے بعد فنا ہو جائے، بلکہ وہ تقویٰ کے سائے میں پلی ہوئی پائیدار محبت ہو جو خود غرضی سے پاک، اور ایثار و وفا اور خیر خواہی کے سدا بہار جذبات سے مزین ہو اور جسم سے گزر کر واقعی قلب و روح کی گہرائیوں تک سرایت کر چکی ہو۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے خطبے میں ان آیات کا انتخاب فرمایا جن میں سے ہر آیت تقویٰ کے حکم سے شروع ہوتی ہے اور وہی اس کا بنیادی پیغام ہے۔ (ذکر و فکر صفحہ ۲۹ تا ۳۰، از مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ)

خلاصۂ کلام

مولانا مدظلہم کے اس مضمون سے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

1. خطبہ نکاح اور ایجاب و قبول: نکاح کی تقریب کی اصل روح ہے۔ اسے ادب سے سننے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ تقریب کے منتظم کرنے والے کوشش کریں

کہ لاؤڈ اسپیکر کا انتظام ہو۔

❷ خطبہ میں حمد و ثنا اور درود شریف کے بعد جو چیز سمجھائی گئی ہے وہ "تقویٰ" ہے، جس سے مراد یہ ہے کہ جب مرد و عورت زندگی کے سفر میں ایک دوسرے کے ساتھی بنیں تو وہ اس سفر کے آغاز سے قبل اپنے دلوں میں تقویٰ کا بیج بو لیں، تاکہ ان کی دوستی پائیدار ہو اور ان کے دل میں ایک دوسرے کی محبت محض وقتی نفسانیت کی پیداوار نہ ہو، جو نئی نویلی زندگی کا جوش ٹھنڈا ہونے کے بعد فنا نہ ہو جائے۔

محترم قارئین! اگر یہ کتاب رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد بھی آپ کے ہاتھ آئی ہے، تو بھی بے فائدہ نہیں ہے۔ بلکہ اس میں دی گئی ضروری ہدایات کے موافق اب بھی اپنا طرزِ عمل صحیح کر لیں، کہ "صبح کا بھولا شام کو گھر آجائے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔"

﴿اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِيْ تَقْوٰهَا وَزَكِّهَا اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكّٰهَا اَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا﴾ (مسند احمد رقم ۱۸۵۰۲،۳۳۵۷۵)

ترجمہ: "اے اللہ! تو میرے نفس کو پرہیزگاری عطا فرما اور اس کو پاک کر تو سب سے اچھا پاک صاف کرنے والا ہے، تو ہی اس نفس کا مولا اور آقا ہے۔"

حق مہر

بیوی کے حقوق میں سب سے پہلا حق "مہر" ہے جو شوہر کے ذمہ لازم ہوتا ہے۔ یوں تو کوئی نکاح بغیر مہر کے نہیں ہوتا، لیکن اس کے تعین میں بہت سی کوتاہیاں اور بے احتیاطیاں سرزد ہوتی ہیں۔ ان کو ہم یہاں ذکر کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کوتاہیوں اور بے احتیاطیوں سے بچنے اور حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کے نورانی و مبارک طریقوں پر سو فیصد عمل کرنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

جب مسلمان فیصلہ کر لیتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کو راضی کرکے زندگی گزارنی ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلہ میں رواج، معاشرہ، برادری، قوم کسی کو نہیں دیکھنا، صرف اور صرف اللہ جل جلالہ کے حکم کو دیکھنا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کے موافق اپنی زندگی گزارنی ہے، سارے خاندان والوں میں اپنی قوم میں محبت اور حکمت کے ساتھ ایسی محنت کرنی ہے، جس سے مسلمانوں کی شادیوں میں اور زندگی کے تمام مراحل میں سو فیصد سنتیں زندہ ہو جائیں، تو اللہ تعالیٰ ایسے مسلمان کی مدد فرماتے ہیں اور اس کو عالم میں ہدایت کے فروغ کا ذریعہ بناتے ہیں، اس کے ہر عمل سے سنتیں زندہ ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر زندہ رکھیں اور اسی پر موت عطا فرمائیں۔ (آمین)

عموماً مہر کے معاملہ میں یہ کوتاہیاں ہوتی ہیں۔

1. ایک کوتاہی لڑکی کے والدین اور اس کے عزیز و اقارب کی جانب سے ہوتی ہے کہ مہر مقرر کرتے وقت لڑکے کی حیثیت کا لحاظ نہیں رکھتے، بلکہ زیادہ سے زیادہ مقدار مقرر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بسا اوقات اس میں تنازع اور جھگڑے کی شکل بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر بعض موقعوں پر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اسی جھگڑے میں شادی رک جاتی ہے۔ لوگ زیادہ مہر مقرر کرنے کو فخر کی چیز سمجھتے ہیں، لیکن یہ جاہلیت کا فخر ہے، جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ ورنہ اگر مہر کا زیادہ ہونا شرف و سیادت کی بات ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کا مہر زیادہ ہوتا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی اور کسی صاحبزادی کا مہر

پانچ سو درہم سے زیادہ مقرر نہیں کیا۔ پانچ سو درہم کی ایک سو اکتیس تولے تین ماشے (۱۳۱ ۱/۲) چاندی بنتی ہے۔ اسی کو "مہر فاطمی" کہا جاتا ہے۔

الغرض مسلمانوں کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہی لائق فخر ہونا چاہئے، اور مہر کی مقدار اتنی رکھنی چاہئے جتنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مقدس ازواج اور پیاری صاحب زادیوں کے لئے رکھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کس کی عزت ہے؟ گو اس سے زیادہ مہر رکھنے میں بھی کوئی گناہ نہیں، لیکن زیادتی کو فخر کی چیز سمجھنا، اس پر جھگڑے کھڑے کرنا اور باہمی رنجش کی بنیاد بنا لینا جاہلیت کے جراثیم ہیں، جن سے مسلمانوں کو بچنا چاہئے۔

۲ ایک کوتاہی بعض دیہاتی علاقوں میں یہ ہوتی ہے کہ "سوا بتیس روپے" مہر کو "شرع محمدی" سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ مقدار آج کل مہر کی کم سے کم مقدار بھی نہیں بنتی۔ مگر لوگ اسی مقدار کو "شرع محمدی" سمجھتے ہیں جو بالکل غلط ہے۔ خدا جانے یہ غلطی کہاں سے چلی ہے لیکن افسوس ہے کہ "میاں جی" صاحبان بھی لوگوں کو مسئلہ سے آگاہ نہیں کرتے۔ جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم یعنی ۲ تولے ۱/۲ ۷ ماشے چاندی ہے۔ جس کے آج کے حساب سے تقریباً تین سو روپے (۳۰۰) بنتے ہیں اس سے کم مہر مقرر کرنا صحیح نہیں۔ اور اگر کسی نے اس سے کم مقرر کر لیا تو دس درہم کی مالیت مہر واجب ہوگا۔

۳ ایک زبردست کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ مہر ادا کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ بلکہ رواج یہی بن گیا ہے کہ بیویاں حق مہر معاف کر دیا کرتی ہیں۔ یہ مسئلہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ بیوی کا مہر بھی شوہر کے ذمہ اسی طرح کا ایک قرض ہے جس طرح دوسرے قرض واجب الادا ہوتے ہیں۔ یوں تو اگر بیوی کل مہر یا اس کا کچھ حصہ شوہر کو معاف کر دے تو صحیح ہے، لیکن شروع ہی سے اس کو واجب الادا نہ سمجھنا بڑی غلطی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ "جو شخص نکاح کرے اور مہر ادا

کرنے کی نیت نہ رکھتا ہو وہ زانی ہے۔" (کنز العمال: جلد ۱۹ صفحہ ۱۳۷)

❹ ہمارے معاشرے میں جو اور بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عورتوں کے لئے مہر لینا بھی عیب سمجھا جاتا ہے، اور میراث کا حصہ لینا بھی معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے وہ بیچاری ناچار معاف کر دینا ہی ضروری سمجھتی ہیں۔ اگر نہ کریں تو معاشرے میں "نکو" سمجھی جاتی ہیں۔

ہر مسلمان پر اور خصوصاً دیندار پر لازم ہے کہ وہ اس معاشرتی برائی کو مٹائیں اور لڑکیوں کو مہر بھی دلوائیں اور میراث کا حصہ بھی دلوائیں۔ اگر وہ معاف کرنا چاہیں تو ان سے کہہ دیا جائے کہ وہ اپنا حق وصول کر لیں اور کچھ عرصے تک اپنے تصرف میں رکھنے کے بعد اگر چاہیں تو واپس لوٹا دیں۔ اس سلسلے میں ان پر قطعاً جبر نہ کیا جائے۔

❺ مہر کے بارے میں ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ اگر بیوی فوت ہو جائے اور اس کا مہر ادا نہ کیا ہو تو اس کو ہضم کر جاتے ہیں۔ حالانکہ شرعی مسئلہ یہ ہے کہ اگر خانہ آبادی سے یعنی میاں بیوی کی یکجائی سے پہلے بیوی کا انتقال ہو جائے تو نصف مہر واجب ادا ہوگا اور اگر میاں بیوی کی خلوت صحیحہ کے بعد اس کا انتقال ہوا ہو تو پورا مہر ادا کرنا واجب ہوگا۔ اور یہ مہر بھی اس کے ترکہ میں شامل ہو کر اس کے شرعی ورثاء پر تقسیم ہوگا۔ اس کا مسئلہ علماء سے دریافت کر لینا چاہیے۔

ہمارے یہاں یہ ہوتا ہے کہ اگر لڑکی کا انتقال سسرال میں ہوا تو اس کا سارا اثاثہ ان کے قبضہ میں آ جاتا ہے اور وہ لڑکی کے وارثوں کو کچھ نہیں دیتے۔ اور اگر اس کا انتقال میکے میں ہو تو وہ قابض ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور شوہر کا حق دینے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ حالانکہ مردے کے مال پر ناجائز قبضہ جما لینا انتہائی گری ہوئی بات ہے۔ اس کے علاوہ ناجائز مال ہمیشہ نحوست اور بے برکتی کا سبب بنتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات دوسرے جائز مال کو بھی ساتھ لے ڈوبتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عقل و

ایمان نصیب فرمائے اور جاہلیت کے غلط رسوم و رواج سے محفوظ رکھے۔

مہر کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَاَلْتُ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا كَمْ كَانَ صَدَاقُ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَتْ: "كَانَ صَدَاقُهُ لِاَزْوَاجِهٖ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ اُوْقِيَّةً وَنَشٌّ "قَالَتْ:" اَتَدْرِیْ مَا النَّشُّ" قُلْتُ: لَا، قَالَتْ: نِصْفُ اُوْقِيَّةٍ فَتِلْكَ خَمْسُ مِائَةِ دِرْهَمٍ﴾

(مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۲۷۷)

ترجمہ: ''حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر اپنی ازواج مطہرات کے لئے کتنا تھا؟ فرمایا، ساڑھے بارہ اوقیہ اور یہ پانچ سو درہم ہوتے ہیں۔''

﴿عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: "اَلَا لَا تُغَالُوْا صَدُقَةَ النِّسَآءِ فَاِنَّهَا لَوْ كَانَتْ مَكْرُمَةً فِی الدُّنْيَا وَتَقْوٰى عِنْدَاللّٰهِ لَكَانَ اَوْلَاكُمْ بِهَا نَبِیُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَلِمْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَكَحَ شَيْئًا مِنْ نِسَآئِهٖ وَلَا اَنْكَحَ شَيْئًا مِنْ بَنَاتِهٖ عَلٰى اَكْثَرَ مِنْ اِثْنَتَیْ عَشْرَةَ اُوْقِيَّةً.﴾ (مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۲۷۷)

ترجمہ: ''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ دیکھو! عورتوں کے مہر زیادہ نہ بڑھایا کرو، کیونکہ یہ اگر دنیا میں عزت کا موجب اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقویٰ کی چیز ہوتی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تم سے زیادہ اس کے مستحق تھے۔ مجھے علم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی سے بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر پر نکاح کیا ہو، یا اپنی صاحبزادیوں میں

سے کسی کا نکاح اس سے زیادہ مہر پر کیا ہو۔" (ماخوذ بتصرف یسیر از "آپ کے مسائل اور ان کا حل" مؤلفہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی جلد ۵ صفحہ ۱۲۸ تا ۱۵۲)

مہر کی شرعی حیثیت

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اطال اللہ بقائہ بالخیر تحریر فرماتے ہیں "ان دنوں ایک نکاح نامہ میری نظر سے گزرا جس میں "مہر" والے خانے میں یہ عبارت لکھی ہوئی تھی "مبلغ بتیس (۳۲) روپے مہر شرعی" اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ لوگوں سے بات چیت کے دوران یہ اندازہ ہوا کہ وہ خدا جانے کس وجہ سے بتیس روپے کو "مہر شرعی" سمجھتے ہیں۔ اور یہ تاثر تو بہت زیادہ پھیلا ہوا ہے کہ مہر کے بارے میں طرح طرح کی غلط فہمیاں لوگوں میں پائی جاتی ہیں، جن کا ازالہ ضروری ہے۔

"مہر" دراصل ایک "اعزازیہ" (Honoraium) ہے جو ایک شوہر اپنی بیوی کو پیش کرتا ہے اور اس کا مقصد عورت کا اعزاز و اکرام ہے۔ نہ تو یہ عورت کی قیمت ہے جسے ادا کر کے یہ سمجھا جائے کہ شوہر کے ہاتھوں بک گئی، اور اب اس کی حیثیت ایک کنیز کی ہے۔ اور نہ یہ محض ایک فرضی کارروائی ہے، جس کے بارے میں یہ سمجھا جائے کہ اسے عملاً ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ شوہر کے ذمہ بیوی کا مہر لازم کرنے سے شریعت کی منشاء یہ ہے کہ جب کوئی شخص بیوی کو اپنے گھر میں لائے تو اس کا مناسب اکرام کرے اور اسے ایک ایسا ہدیہ پیش کرے جو اس کے اعزاز و اکرام کے مناسب ہو۔

لہٰذا شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ مہر کی رقم نہ تو اتنی کم رکھی جائے جس میں اعزاز و اکرام کا یہ پہلو بالکل مفقود ہو اور نہ اتنی زیادہ رکھی جائے کہ شوہر اسے ادا کرنے پر قادر نہ ہو اور بالآخر یا تو مہر ادا کئے بغیر دنیا سے رخصت ہو جائے یا آخر

میں بیوی سے معاف کرانے پر مجبور ہو۔

شرعی نقطہ نظر سے ہر عورت کا اصل حق یہ ہے کہ اسے "مہر مثل" ادا کیا جائے۔ "مہر مثل" کا مطلب مہر کی وہ مقدار ہے جو اس عورت کے خاندان میں عام طور سے اس جیسی خواتین کے نکاح کے وقت مقرر کی جاتی رہی ہو، اور اگر اس عورت کے خاندان میں دوسری عورتیں نہ ہوں تو خاندان سے باہر اس کے ہم پلہ خواتین کا جو مہر عام طور سے مقرر کیا جاتا ہو، وہ اس عورت کا "مہر مثل" ہے۔ اور شرعی اعتبار سے بیوی "مہر مثل" وصول کرنے کی حق دار ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اگر نکاح کے وقت باہمی رضا مندی سے مہر کا تعین نہ کیا گیا ہو، یا مہر ذکر کئے بغیر نکاح کر لیا گیا ہو تو "مہر مثل" خود بخود لازم سمجھا جاتا ہے اور شوہر کے ذمے شرعاً ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ بیوی کو اس کا "مہر مثل" ادا کرے۔ البتہ اگر بیوی خود "مہر مثل" سے کم پر خوش دلی سے راضی ہو جائے یا شوہر خوش دلی سے "مہر مثل" سے زیادہ مہر مقرر کرلے، تو باہمی رضامندی سے "مہر مثل" سے کم یا زیادہ مہر مقرر کر لینا بھی شرعاً جائز ہے۔

مہر کی مقدار کا مسئلہ

لیکن یہاں بھی شریعت نے زیادہ سے زیادہ مہر کی تو کوئی حد مقرر نہیں کی البتہ کم سے کم مہر کی حد مقرر کر دی ہے اور وہ حد (حنفی فقہ کے مطابق) دس درہم ہے۔ دس درہم کا مطلب دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی ہے جو آج کل کی قیمتوں کے لحاظ سے تقریباً تین سو روپے (۳۰۰) بنتے ہیں۔ اس کم سے کم مقدار کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اتنا مہر رکھنا شرعاً پسندیدہ ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس سے کم مہر پر اگر خود عورت بھی راضی ہو جائے تو شریعت راضی نہیں ہے، کیونکہ اس سے مہر کا مقصد، یعنی عورت کا اعزاز و اکرام پورا نہیں ہوتا۔ یہ کم سے کم حد بھی ان

لوگوں کا خیال کر کے رکھی گئی ہے، جو مالی اعتبار سے کمزور ہیں اور زیادہ رقم خرچ کرنے کے متحمل نہیں۔ ان کے لئے یہ گنجائش پیدا کر دی گئی ہے کہ اگر عورت راضی ہو تو کم از کم اس مقدار پر نکاح ہو سکتا ہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب لینا کسی طرح درست نہیں ہے کہ شریعت کو منظور ہی یہ ہے کہ مہر کی مقدار یہی رکھی جائے اور اسے اس معنی میں "مہر شرعی" قرار دیا جائے۔ جن لوگوں نے آج کے دور میں "بتیس روپے" مہر باندھ کر اسے "مہر شرعی" قرار دیا انہوں نے دو غلطیاں کیں، ایک غلطی تو یہ کی کہ دس درہم کی قیمت کسی زمانے میں بتیس روپے رہی ہوگی انہوں نے اسے ہمیشہ کے لئے بتیس روپے ہی سمجھ لیا۔ دوسری غلطی یہ کی کہ شریعت نے مہر کی جو کم سے کم مقدار مقرر کی تھی اس کا مطلب یہ سمجھ لیا کہ شرعاً پسندیدہ ہی یہ ہے کہ اس سے زیادہ مہر مقرر نہ کیا جائے، حالانکہ یہ تصور قطعی طور پر بے بنیاد ہے۔

اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحب زادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر پانچ سو درہم مقرر فرمایا تھا۔ جو ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی کے برابر ہوتا ہے جس کی مالیت آجکل کتنی بنتی ہے؟ اسے بازار سے معلوم کر لیا جائے کیونکہ بھاؤ میں اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی متعدد ازواج مطہرات کا مہر بھی اس کے قریب قریب ہی مقرر فرمایا، جو اوسط درجے کے لحاظ سے ایک قابل لحاظ مقدار ہے۔ بعض حضرات اس "مہر فاطمی" ہی کو "مہر شرعی" کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں اور غالباً ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شرعی اعتبار سے اس سے کم یا زیادہ مہر مقرر کرنا پسندیدہ نہیں۔ یہ تصور بھی صحیح نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر فریقین "مہر فاطمی" کے برابر مہر مقرر کریں اور نیت یہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کی ہوئی مقدار بابرکت اور معتدل ہوگی، نیز یہ کہ اس سے

اتباعِ سنت کا اجر ملنے کی توقع ہے، تو یقیناً یہ جذبہ بہت مبارک اور مستحسن ہے۔ لیکن یہ سمجھنا درست نہیں ہے کہ یہ مقدار اس معنی میں "مہر شرعی" ہے کہ اس سے کم یا زیادہ مقرر کرنا شرعاً ناپسندیدہ ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس سے کم یا زیادہ مہر مقرر کرنے میں بھی شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔

ہاں یہ اصول مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ مہر اتنا ہو جس سے بیوی کا اعزاز و اکرام بھی ہو اور وہ شوہر کی استطاعت سے باہر بھی نہ ہو۔ جن بزرگوں نے بہت زیادہ مہر باندھنے سے منع کیا، ان کا مقصد یہی تھا کہ اگر استطاعت سے زیادہ مہر مقرر کر لیا جائے تو وہ محض ایک کاغذی کارروائی ہو کر رہ جاتی ہے، حقیقت میں اسے دینے کی کبھی نوبت ہی نہیں آتی اور مہر ادا نہ کرنے کا گناہ شوہر کی گردن پر رہ جاتا ہے۔

دوسرے بعض اوقات بہت زیادہ مہر مقرر کرنے کے پیچھے دکھاوے کا جذبہ بھی کارفرما ہوتا ہے اور لوگ محض اپنی شان و شوکت کے اظہار کیلئے غیر معمولی مہر مقرر کر لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں اسلام کے مزاج کے بالکل خلاف ہیں۔ اس لئے متعدد بزرگوں نے غیر معمولی مہر مقرر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ لیکن اس سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واقعہ یاد رکھنے کے لائق ہے۔

> "حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں ایک مرتبہ تقریر کے دوران لوگوں سے کہا کہ وہ نکاح میں بہت زیادہ مہر نہ باندھا کریں۔ اس پر ایک خاتون نے اعتراض کیا کہ قرآن کریم نے ایک جگہ مہر کے لئے "قنطار" (سونے چاندی کا ڈھیر) کا لفظ استعمال کیا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ چاندی کا ڈھیر بھی مہر ہو سکتا ہے، پھر آپ زیادہ مہر مقرر کرنے سے کیوں روکتے ہیں؟

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خاتون کی بات سن کر فرمایا کہ
واقعی خاتون کا استدلال درست ہے اور زیادہ مہر باندھنے سے کلی طور
پر منع کرنا درست نہیں۔"

مطلب یہ تھا کہ اگر دکھاوا مقصود نہ ہو اور ادائیگی کی نیت بھی ہو اور استطاعت بھی ہو تو زیادہ مہر مقرر کرنا بھی جائز ہے۔ البتہ ان میں سے اگر کوئی ایک بات بھی نہ پائی جائے اور مہر زیادہ رکھ لیا جائے تو اس طرح رکھنا شرعاً درست نہیں۔ جب مہر کا ذکر چل نکلا تو ایک اور نکتے کی وضاحت بھی ہو جائے۔ اور وہ یہ کہ۔

مہر کی قسمیں

مہر کی دو قسمیں مشہور ہیں۔ "مہر معجل" اور "مہر مؤجل۔" یہ الفاظ چونکہ صرف نکاح کی مجلس ہی میں سنائی دیتے ہیں، اس لئے بہت سے لوگوں کو ان کا مطلب معلوم نہیں ہوتا۔

شرعی اعتبار سے "مہر معجل" اس مہر کو کہتے ہیں جو نکاح ہوتے ہی شوہر کے ذمہ لازم ہو جاتا ہے اور یہ اس کا فریضہ ہے کہ یا تو نکاح کے وقت ہی بیوی کو ادا کر دے یا اس کے بعد جب بھی بیوی چاہے اس کا مطالبہ کر لے۔ چونکہ ہمارے معاشرے میں خواتین عام طور سے مطالبہ نہیں کرتیں، اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اس کی ادائیگی ہمارے لئے ضروری نہیں، بلکہ شوہر کا یہ فرض ہے کہ وہ عورت کے مطالبے کا انتظار کئے بغیر بھی جس قدر جلد ممکن ہو اس فرض سے سبکدوش ہو جائے۔

"مہر مؤجل" اس مہر کو کہا جاتا ہے جس کی ادائیگی کے لئے فریقین نے آئندہ کی کوئی تاریخ متعین کر لی ہو۔ جو تاریخ اس طرح متعین کر لی جائے، اس

سے پہلے اس کی ادائیگی شوہر کے ذمے لازم نہیں ہوتی۔ نہ ہی بیوی اس سے پہلے مطالبہ کرسکتی ہے۔

لہٰذا مہر مؤجل ہونے کا اصل مطلب تو یہی ہے کہ اس کی ادائیگی کے لئے کوئی تاریخ نکاح کے وقت ہی مقرر کرلی جائے۔ لیکن ہمارے معاشرے میں عام طور سے کوئی تاریخ مقرر کئے بغیر صرف یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ اتنا مہر مؤجل ہے، اور ہمارے معاشرے کے رواج کے مطابق اس کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ مہر کی یہ مقدار اس وقت واجب الادا ہوگی جب نکاح ختم ہوگا۔ چنانچہ اگر طلاق ہو جائے یا میاں بیوی میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تب اس کی ادائیگی لازم سمجھی جاتی ہے۔

ایک اور نکتہ یہ قابل ذکر ہے کہ ہمارے معاشرے میں شوہر کی طرف سے دلہن کو جو زیور پہنایا جاتا ہے اس کا بذات خود مہر سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ہمارے معاشرے کے رواج کے مطابق یہ زیور دلہن کی ملکیت نہیں ہوتا، بلکہ عارضی استعمال کے لئے دیا جاتا ہے۔ چنانچہ بیوی اسے شوہر کی اجازت کے بغیر نہ فروخت کرسکتی ہے، نہ کسی کو تحفے میں دے سکتی ہے، نہ کسی اور کام میں لگا سکتی ہے۔ نیز یہی وجہ ہے کہ اگر خدانخواستہ طلاق کی نوبت آجائے تو شوہر یہ زیور واپس لے لیتا ہے۔ لہٰذا اس زیور سے مہر ادا نہیں ہوتا۔ ہاں اگر شوہر بیوی سے صراحتہً یہ کہہ دے کہ یہ زیور میں نے بطور مہر تمہاری ملکیت میں دے دیا، تو پھر اسے مہر میں شمار کرسکتے ہیں۔ اس صورت میں بیوی اس زیور کی مالک بن کر اس میں ہر طرح کا تصرف کرسکتی ہے اور یہ زیور کسی بھی حالت میں اس سے واپس نہیں لیا جاسکتا۔ اس کے علاوہ اگر شوہر اس زیور کے بارے میں بیوی کو صراحت کردے کہ یہ تمہاری ملکیت ہے اور اس کو مہر میں شمار نہ کرے، تو پھر یہ بیوی کی ملکیت شمار ہوگا اور مہر الگ سے دینا ہوگا۔ بہر صورت! یہ بات واضح رہنی چاہئے

کہ:

''مہر'' کا تعین محض ایک فرضی یا رسمی کارروائی نہیں ہے، جو سوچے سمجھے بغیر کر لی جائے۔ بلکہ یہ ایک دینی فریضہ ہے، جو پوری سنجیدگی کا متقاضی ہے۔ یہ ایک معاملے کی بات ہے۔ شرعاً اس کے تمام پہلو صاف اور واضح ہونے چاہئیں اور اس کی معاملے کے مطابق ادائیگی کی فکر کرنی چاہیئے۔

یہ بڑی ناانصافی کی بات ہے کہ اس حق کی ادائیگی سے ساری عمر بے فکر رہنے کے بعد بستر مرگ پر بیوی سے اس کی معافی حاصل کر لی جائے، جب کہ ماحول کے جبر سے اس کے پاس معاف کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے۔''

(ذکر وفکر صفحہ ۱۴۲ تا ۱۴۶ از مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ)

مہر ادا کرنے کا آسان حل

یہاں پر ہم ان شوہروں کے لئے مہر ادا کرنے کے چند آسان حل تحریر کرتے ہیں۔ جن کے نکاح کے وقت اتنی مقدار میں مہر مقرر کر لیا گیا، جو کہ ان کی مالی استطاعت سے بہت زیادہ تھا اور اب شوہر صاحب کو اس کتاب کو پڑھ کر یا کسی اور ذریعے سے مہر ادا کرنے کی فکر لگ گئی ہے۔

❶ عموماً جو زیور شادی کے موقع پر بیوی کو (استعمال کے لئے) دیا جاتا ہے اس کے مالک شوہر صاحب خود ہوتے ہیں اور زکوٰۃ بھی انہی پر واجب ہوتی ہے۔ لہٰذا اس زیور میں سے مہر کی رقم کے برابر کا زیور نکال کر بیوی کو دے کر اس کو مالکہ بنا دیا جائے اور وضاحت بھی کر دی جائے کہ یہ آپ کے مہر کی ادائیگی ہے، اور ان کی زکوٰۃ اب آپ پر واجب ہوگی۔

❷ یا بیوی کو ہر ماہ کچھ رقم دے کر بتا دیا جائے کہ میں قسطوں میں آپ کا مہر ادا کروں گا۔ اور اس سلسلے کی یہ ایک قسط ہے۔

❸ یا جو جیب خرچ آپ بیوی کو دیتے ہیں، اس میں مہر ادا کرنے کی نیت کرلی جائے اور بیوی کو بتا دیا جائے۔

❹ یا کسی خوشی کے موقع پر یا اسلامی تہوار کے موقع پر کوئی قیمتی ہدیہ جو آپ اپنی اہلیہ کو دیتے ہیں اس میں مہر ادا کرنے کی نیت کرلیں اور بیوی کو بتا دیں۔

جہیز کی حقیقت

اسلام میں (مروجہ) جہیز کا کوئی تصور نہیں۔ یہ دراصل ایک ہندوانہ رسم ہے جو بدقسمتی سے مسلمانوں میں بھی نہ صرف رائج ہوگئی ہے بلکہ ایک لعنت کی شکل اختیار کرگئی ہے۔ ہندو تہوار کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے ہاں وراثت میں عورت کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ اس لئے اسے شادی کے وقت خوب اچھی طرح سجا سنوار کر اور بہت کچھ دے دلا کر رخصت کر دیا جاتا ہے۔ اور ان میں بھی سب سے بہتر طریقہ شادی کا ''برہما'' کہلاتا ہے، جس میں لڑکی کے ہبہ کا تصور پایا جاتا ہے یعنی باپ نے لڑکی کو ہبہ کر دیا، اب اس لڑکی کا اس خاندان سے کوئی تعلق باقی نہ رہا۔ اس لئے اسے اپنے خاندان سے رخصتی کے وقت اس کا دل خوش کرنے کی غرض سے باپ کے حسب حیثیت لڑکی کے لئے زیورات اور تالیف قلب کے لئے کچھ سامان دے دیا جاتا تھا، کیونکہ اب سسرال والے لڑکی پر کتنا بھی ظلم کریں، اب وہ باپ کے گھر واپس نہیں آسکتی، ساس سسر سے علیحدہ نہیں رہ سکتی، باپ کی وراثت میں حصہ نہیں پاسکتی، شوہر کے انتقال پر دوسری شادی نہیں کرسکتی، اسی شوہر کے ساتھ جل کر مرنا ہوگا یا پھر ہمیشہ بیوگی کی حالت میں زندگی گزارنی ہوگی۔

چنانچہ ''دی پوزیشن آف ویمن ان ہندو سویلائزیشن'' (ہندو تہذیب میں عورت کا مقام) نامی کتاب میں لکھا ہے:

The bride should be given in marriage along with suitable ornaments, but their number is left entriely to the diseration and ability of the bride father.

ترجمہ: "دلہن کو بیاہ مناسب زیورات (جہیز) کے ساتھ دینا چاہئے اس زیورات (جہیز) کی کیا مقدار ہونی چاہئے؟ اسے دلہن کے باپ (کفیل) کے صوابدید پر چھوڑ دیں۔"

پہلے جہیز کا یہ قانون ہندو مذہب کے اونچے طبقات میں تھا، پھر اتنا عام ہو گیا اور اس کی مقدار میں اس قدر اضافہ ہوتا چلا گیا کہ اس کے لئے حکومت ہند نے ۱۹۶۱ء میں جہیز ممانعت (The Dowry prohibition) act کے نام سے ایک قانون بنایا جس کے مطابق جہیز طلب کرنے یا دینے والے کو چھ ماہ کی قید اور پانچ ہزار روپے تک جرمانہ کا سزاوار قرار دیا گیا۔

جہیز کی لعنت کے سبب ہندوستان میں نئی نویلی دلہنوں کو جلا کر ان کے ناکردہ گناہوں کی سزا دی جا رہی ہے اور قانونِ فطرت اور قانونِ خداوندی کے ساتھ کھلے عام مذاق کیا جا رہا ہے۔

ایک رپورٹ کے مطابق ۱۹۷۵ء میں صرف دہلی شہر میں ساڑھے تین سو دلہنیں، زندہ جلا کر یا گلا گھونٹ کر یا پھانسی دے کر موت کے گھاٹ اتاری گئیں۔ جون ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۵ء تک مہاراشٹر کے صرف ایک علاقہ میں دوسو عورتیں اسی طرح قتل کردی گئیں۔ لکھنؤ میں ہر پانچ دن میں ایک نئی نویلی دلہن جہیز کی بھینٹ چڑھا دی جاتی ہے۔ (روزنامہ دکن ہیرالڈ بنگلور، ۳ جنوری ۱۹۸۹ء)

ہمارے ملک میں اگرچہ زندہ جلایا تو نہیں جاتا، لیکن ایک زندہ اور بے بس لڑکی کو ساس ونند کی طرف سے زہر میں بجھے آگ میں لپٹے تیر ضرور مارے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ جہیز اور سسرال کی طرف سے آئے دن لڑکی والوں سے

مطالبات کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھائی جانے والی معصوم لڑکیوں کی صحیح تعداد کا اندازہ لگانا نہایت مشکل ہے جو لاکھوں تک بھی ہو سکتی ہے۔ یعنی وہ دلہنیں جو آئے دن کے مطالبات سے تنگ آ کر نہایت ناخوشگوار حالات سے گزر رہی ہوں، ساس اور نند کے مطالبات نے ان کا جینا حرام کر دیا ہو۔

بچہ کی پیدائش پر نند کو کچھ دو......

ساس کو کچھ دو......

چھوٹے دیور کی شادی پر کچھ دو...

عید کی خوشی میں کچھ دو......

چھوٹی نند کی شادی پر سونے کی کوئی چیز دو......

نند کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو سلامی میں کچھ دو......

حج کے لئے جا رہے ہیں تو کچھ دو......

حج سے آئے ہو تو سب کے لئے نام بنام سوغات دو......

لڑکی کا باپ سفر سے آیا ہے تو دو...

لڑکی کے بھائی یعنی سالے کی شادی ہوئی ہے تو دو......

سردی آئی تو سردی کے میوہ جات دو ......

گرمی آئی تو اس موسم کے پھل فروٹ دو......

ایسی دلہنیں نہ تو بھکاری شوہروں اور سسرال والوں کے بے جا مطالبات پورے کر سکتی ہیں اور نہ اپنے غریب ماں باپ پر ان ناجائز مطالبوں کی تکمیل پہ زور دے کر ان کی بے کسی اور بے بسی میں اضافہ کر سکتی ہیں۔

لہٰذا یا تو وہ گھٹ گھٹ کر مرنا پسند کرتی ہیں، یا اس جنجال سے ہمیشہ کے لئے نجات پانے کی غرض سے اپنے گلے میں پھندا ڈال کر یا زہر کھا کر یا خودسوزی کر کے اس عذاب سے نکل جانا چاہتی ہیں۔ اس طرح ہر دن اور ہر آن نو خیز دلہنوں

کی خودکشیوں کے واقعات میں اضافہ ہو رہا ہے۔

لہٰذا باضمیر دولہا اور اس کے گھر والوں کو چاہیئے کہ اس بری رسم کو معاشرہ سے ختم کریں، یہ رسم معاشرہ کو تباہ و برباد کرنے والی ہے، یہ فطرت کے قانون کے خلاف ایک بغاوت ہے، سماجی ظلم ہے، یہ لالچ اور حرص کا دروازہ ہے۔ قرآن، حدیث اور فقہ سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ شریعت میں اس کی ذرا بھی اہمیت ہوتی تو اسے نظر انداز نہ کیا جاتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار صاحبزادیوں کی شادیاں کیں اور کسی کو بھی جہیز نہیں دیا، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جو دیا تھا، وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دی ہوئی مہر معجل کی رقم میں سے تھا۔ اسی سے چند چیزوں کا انتظام فرما دیا، ایک چادر، ایک مشک اور ایک تکیہ۔ (نسائی حدیث نمبر ۳۳۵۲)

اور بعض کتابوں میں ایک بستر کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔ کیا یہ چیزیں واقعتاً جہیز تھیں؟ پھر آج کے موجودہ فرمائشی جہیز سے اس کی کیا نسبت ہے؟

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے زمانہ میں کہیں سے اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ انہوں نے لڑکی والوں سے فرمائشی جہیز، جوڑا وغیرہ مانگا ہو، یا اپنا فرضی حق سمجھ کر قبول کیا ہو، یا اس کو ضروری سمجھا گیا ہو۔

لہٰذا جب دولہا اور اس کے گھر والے جہیز نہیں مانگیں گے، اور اس کے خلاف اصلاحی جہاد کا اعلان کریں گے، اور لڑکی کے والد کو خوشی سے اگر لڑکی کو کچھ دینا ہو تو وہ بھی چپکے سے بغیر نمود و نمائش کے دے دے۔ اسی طرح لڑکی کے والد سے دعوت پر اصرار نہیں کریں گے، بلکہ ان کو سمجھا دیں گے کہ یہ ایک ہندوانہ رسم ہے، اسلام میں اس کا ثبوت نہیں، اگرچہ یہ ناجائز بھی نہیں ہے، آپ کر سکتے ہیں، لیکن اگر آپ نہ کریں تو اس میں ہماری خوشی ہے، اس لئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چاروں بیٹیوں کی شادی میں داماد کو نہ داماد کے رشتہ داروں کو کھانا

کھلایا۔ اور اگر آپ کے پاس زائد پیسہ ہے تو آپ بجائے اس دعوت پر خرچ کرنے کے اپنی بیٹی کے لئے کوئی جائداد خرید لیں، یا زیور وغیرہ خرید کر اس کو ہدیہ دے دیں، تو یہ اشیاء اس کو کام آئیں گی۔ تو جہیز کی یہ لعنت ان شاء اللہ خود بخود ختم ہو جائے گی۔

اس کے علاوہ دولہا جرأت و ہمت سے کام لے کر اپنی والدہ اور بہن کو سمجھا دے کہ آنے والی بہو کو طعنہ نہ دیں، ورنہ اس کی سزا دنیا ہی میں مل جائے گی، اور اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون کے خلاف لڑکی والوں کو دعوت کرنے نہ ہدیہ دینے پر مجبور کرنا، اور نہ کرنے پر طعنہ دینا۔ ایسی ساسوں اور نندوں کا بہت ہی برا حشر ہوتا ہے۔ اکثر عمر کی آخری منزلوں میں یہ فالج، کینسر اور ٹی بی، وغیرہ موذی بیماریوں میں معصوم لڑکی کی آہوں کی وجہ سے مبتلا ہوتی ہیں۔ مثلاً ان طعنوں کی وجہ سے:

- تیرے والد نے کھانے کی ضیافت کیوں نہیں کی؟
- مجھے ہار کیوں نہیں پہنایا؟
- میرے بیٹے کو قیمتی گھڑی اور جوڑا کیوں نہیں دیا؟
- جہیز کیوں نہیں دیا؟ خالی ہاتھ باپ کے گھر سے آئی کیوں؟ فلانی کے لئے پہناؤنی کیوں نہیں لائی؟
- میں جب تمہارے گھر اپنے رشتہ داروں کو لے کر آئی تو سب کو ۱۰۱ روپے لفافے میں بند کر کے کیوں نہیں دیئے؟ یہ طعنے بہو کو دینا ایک مسلمان شریف خاندان کے بیٹے کی ماں (ساس) کو زیب نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس بری رسم کی اصلاح کرنے اور شادی کو آسان کرنے اور معاشرہ کو ان گندگیوں سے بچانے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین

کچھ جہیز کے بارے میں

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ چند سال پہلے شام کے ایک بزرگ شیخ عبدالفتاح ہمارے یہاں تشریف لائے ہوئے تھے۔ اتفاق سے ایک مقامی دوست بھی اسی وقت آ گئے۔ جب انہوں نے ایک عرب بزرگ کو بیٹھے ہوئے دیکھا تو ان سے دعا کی درخواست کرتے ہوئے کہا کہ "میری دو بیٹیاں شادی کے لائق ہیں، دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کی شادی کے اسباب پیدا فرما دے"

شیخ نے ان سے پوچھا کہ "کیا ان کے لئے کوئی مناسب رشتہ نہیں مل رہا"؟

اس پر انہوں نے جواب دیا کہ "رشتہ تو دونوں کا ہو چکا ہے۔ لیکن میرے پاس اتنے مالی وسائل نہیں ہیں کہ ان کی شادی کر سکوں" شیخ نے یہ سن کر انتہائی حیرت سے پوچھا "وہ آپ کی لڑکیاں ہیں یا لڑکے ہیں؟"

کہنے لگے کہ "لڑکیاں ہیں۔"

شیخ نے سراپا تعجب بن کر کہا "لڑکیوں کی شادی کے لئے مالی وسائل کی کیا ضرورت ہے؟"

انہوں نے کہا کہ "میرے پاس انہیں جہیز میں دینے کے لئے کچھ نہیں ہے"

شیخ نے پوچھا "جہیز کیا ہوتا ہے؟" اس پر حاضرین مجلس نے انہیں بتایا کہ ہمارے ملک میں یہ رواج ہے کہ باپ شادی کے وقت اپنی بیٹی کو زیورات، کپڑے، گھر کا اثاثہ اور بہت سا ساز و سامان دیتا ہے۔ اسے جہیز کہتے ہیں اور جہیز دینا باپ کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے، جس کے بغیر لڑکی کی شادی کا تصور نہیں کیا جا سکتا اور لڑکی کے سسرال والے بھی اس کا مطالبہ کرتے ہیں۔ شیخ نے یہ تفصیل سنی تو وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ "کیا بیٹی کی شادی کرنا کوئی جرم ہے، جس کی یہ سزا باپ کو دی جائے؟" پھر انہوں نے بتایا کہ

"ہمارے ملک میں اس قسم کی کوئی رسم نہیں ہے۔ اکثر جگہوں پر تو لڑکے کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے کہ اپنے گھر میں دلہن کو لانے سے پہلے گھر کا اثاثہ اور دلہن کی ضروریات فراہم کر کے رکھے۔ لڑکی کے باپ کو کچھ خرچ کرنا نہیں پڑتا اور بعض جگہوں پر رواج یہ ہے کہ لڑکی کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے سامان تو باپ ہی خریدتا ہے۔ لیکن اس کی قیمت لڑکا ادا کرتا ہے۔ البتہ باپ اپنی بیٹی کو رخصت کے وقت کوئی مختصر تحفہ دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔ لیکن وہ بھی کچھ ایسا ضروری نہیں سمجھا جاتا۔"

اس واقعے سے کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں جہیز کو جس طرح بیٹی کی شادی کا ایک ناگزیر حصہ قرار دے دیا گیا ہے، اس کے بارے میں عالم اسلام کے دوسرے علاقوں کا کیا نقطۂ نظر ہے؟

جیسا کہ شیخ کے حوالے سے پیچھے بیان کیا گیا، شرعی اعتبار سے بھی جہیز کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ اگر کوئی باپ اپنی بیٹی کو رخصت کرتے وقت اسے کوئی تحفہ اپنی استطاعت کے مطابق دینا چاہے تو دے دے، اور ظاہر ہے کہ تحفہ دیتے وقت لڑکی کی آئندہ ضروریات کو مدنظر رکھا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ لیکن یہ شادی کے لئے کوئی لازمی شرط نہیں ہے، نہ سسرال والوں کو کوئی حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کا مطالبہ کریں اور اگر کسی لڑکی کو جہیز نہ دیا جائے یا کم دیا جائے تو اس پر برا منائیں یا لڑکی کو طعنہ دیں اور یہ کوئی دکھاوے کی چیز بھی نہیں ہے کہ شادی کے موقع پر اس کی نمائش کر کے اپنی شان کا اظہار کیا جائے۔

جہیز کی خرابیاں

اس سلسلے میں ہمارے معاشرے میں جو غلط تصورات پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ

مختصراً درج ذیل ہیں:

❶ جہیز کو لڑکی کی شادی کے لئے ایک لازمی شرط سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ جب تک جہیز دینے کے لئے پیسے نہ ہوں لڑکی کی شادی نہیں کی جاتی۔ ہمارے معاشرے میں نہ جانے کتنی لڑکیاں اسی وجہ سے بن بیاہی رہتی ہیں کہ باپ کے پاس انہیں دینے کے لئے جہیز نہیں ہوتا اور جب شادی سر پر آ ہی جائے تو جہیز کی شرط پوری کرنے کے لئے باپ کو بعض اوقات روپیہ حاصل کرنے کے لئے ناجائز ذرائع اختیار کرنے پڑتے ہیں اور وہ رشوت، جعل سازی، دھوکہ، فریب اور خیانت جیسے جرائم کو استعمال نہیں کرنا چاہتا تو کم از کم اپنے آپ کو قرض، ادھار کے شکنجے میں جکڑنے پر مجبور ہوتا ہے۔

❷ جہیز کی مقدار اور اس کے لئے لازمی اشیاء کی فہرست میں بھی روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اب جہیز محض ایک بیٹی کے لئے باپ کا تحفہ نہیں ہے جو وہ اپنی خوش دلی سے اپنی استطاعت کی حد میں رہ کر دے۔ بلکہ معاشرے کا ایک جبر ہے۔ چنانچہ اس میں صرف بیٹی کی ضروریات ہی داخل نہیں، بلکہ اس کے شوہر کی ضروریات پوری کرنا اور اس کے گھر کو مزین کرنا بھی ایک لازمی حصہ ہے۔ خواہ لڑکی کے باپ کا دل چاہے یا نہ چاہے، اسے یہ تمام لوازم پورے کرنے پڑتے ہیں۔

❸ بات صرف اتنی نہیں ہے کہ لڑکی کی ضروریات پوری کر کے اس کا دل خوش کیا جائے، بلکہ جہیز کی نمائش کی رسم نے یہ بھی ضروری قرار دے دیا ہے کہ جہیز ایسا ہو جو ہر دیکھنے والے کو خوش کر سکے اور ان کی تعریف حاصل کر سکے۔

❹ جہیز کے سلسلے میں سب سے گھٹیا بات یہ ہے کہ لڑکی کا شوہر یا اس کے سسرال کے لوگ جہیز پر نظر رکھتے ہیں۔ بعض جگہ تو شاندار جہیز کا مطالبہ پوری ڈھٹائی سے کیا جاتا ہے اور بعض جگہ اگر صریح مطالبہ نہ ہو تب بھی توقعات یہ

باندھی جاتی ہیں کہ دلہن اچھا سا جہیز لے کر آئے گی اور اگر یہ توقعات پوری نہ ہوں تو لڑکی کو طعنے دے دے کر ناک میں دم کر دیا جاتا ہے۔

جہیز کے ساتھ اس قسم کی جو رسمیں اور تصورات منسلک کر دیئے گئے ہیں اور ان کی وجہ سے جو معاشرتی خرابیاں جنم لیتی رہی ہیں، ان کا احساس ہمارے معاشرے کے اہل فکر میں مفقود نہیں۔ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا بھی گیا ہے۔ بعض تجاویز بھی پیش کی گئی ہیں۔ بلکہ سرکاری سطح پر بعض قوانین بھی بنائے گئے ہیں اور ان کوششوں کا یہ اثر الحمد للہ ضرور ہوا ہے کہ اب جہیز کے بارے میں لوگوں کے بہت سے تصورات میں تبدیلی آئی ہے۔ جہیز کی نمائش کا سلسلہ کم ہوا ہے۔ بعض الحمد للہ شادیوں میں جہیز کی پابندی حالات کے جبر نے ترک کرا دی ہے۔ لیکن ابھی تک معاشرے کے ایک بڑے حصے میں ان غلط تصورات کی حکمرانی ختم نہیں ہوئی۔

بعض حضرات یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ جہیز کو قانوناً بالکل ممنوع قرار دے دیا جائے۔ لیکن دراصل یہ ایک معاشرتی مسئلہ ہے اور اس قسم کے مسائل صرف قانون کی جکڑ بند سے حل نہیں ہوتے اور نہ ایسے قوانین پر عمل کرانا ممکن ہوتا ہے۔ اس کے لئے تعلیم و تربیت اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے ایک مناسب ذہنی فضا تیار کرنی ضروری ہے۔ بذاتِ خود اس بات میں کوئی شرعی یا اخلاقی خرابی بھی نہیں ہے کہ ایک باپ اپنی بیٹی کو رخصت کرتے وقت اپنے دل کے تقاضے سے اسے ایسی چیزوں کا تحفہ پیش کرے جو اس کے لئے آئندہ زندگی میں کارآمد ہوں۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کو سادگی کے ساتھ کچھ جہیز عطا فرمایا تھا۔ شرعی اعتبار سے اس قسم کے جہیز کے لئے کوئی مقدار بھی مقرر نہیں ہے۔ اگر دوسرے مفاسد نہ ہوں تو باپ اپنے دلی تقاضے کے تحت جو کچھ دینا چاہے دے سکتا ہے۔

"خرابی یہاں سے پیدا ہوتی ہے کہ اول تو اسے (جہیز کو) نمود و نمائش کا ذریعہ بنایا جاتا ہے، اور دوسرے لڑکے والے کھلا اسے اپنا حق سمجھتے ہیں، زیادہ سے زیادہ جہیز کی امیدیں باندھتے ہیں، اور انتہائی گھٹیا بات یہ ہے کہ اس کی کمی کی وجہ سے لڑکی اور اس کے گھر والوں کو مطعون کرتے ہیں۔"

نمود و نمائش والے جہیز کی ان خرابیوں کے خلاف جہاد کرنا پڑے گا۔ تعلیم و تربیت، ذرائع ابلاغ اور وعظ و نصیحت کے ذریعے ان تصورات کی قباحتیں مختلف انداز و اسلوب سے متواتر بیان کرنے اور کرتے رہنے کی ضرورت ہے۔ یہاں تک کہ یہ گھٹیا باتیں ہر کس و ناکس کی نظر میں ایک ایسا عیب بن جائیں، جس کی اپنی طرف نسبت سے لوگ شرمانے لگیں۔

کسی بھی معاشرے میں پھیلے ہوئے غلط تصورات یا بری عادتیں اسی طرح رفتہ رفتہ دور ہوتی ہیں کہ اس معاشرے کے اہلِ اقتدار، اہلِ علم و دانش اور دوسرے بارسوخ طبقے مل جل کر ایک ذہنی فضا تیار کرتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے دردمند دل اور انتھک جدوجہد درکار ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے ان طبقوں کے بیشتر افراد کچھ ایسے مسائل میں الجھ گئے ہیں کہ معاشرے کی اصلاح و تربیت کا کام جو کسی بھی قوم کی تعمیر کے لئے سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے، کسی شمار قطار میں نظر نہیں آتا۔ ذہنی تربیت اور کردار سازی کا کام سیاست اور فرقہ وارانہ کی ہاؤ ہو میں ایسا گم ہوا ہے کہ اب اس کا نام بھی ایک مذاق معلوم ہونے لگا ہے۔ لیکن اس صورتِ حال میں مایوس ہو کر بیٹھ جانا بھی درست نہیں۔ ایک داعیِ حق کا کام یہ ہے کہ وہ اپنی بات کہنے سے نہ اکتائے، اپنے دائرے کی حد تک کام کرنے سے نہ تھکے۔ بالآخر ایک وقت آتا ہے جب حق و صداقت کی کشش دوسروں کو بھی اپنی طرف کھینچنا شروع کر دیتی ہے اور قوموں کی نہ صرف سوچ میں بلکہ عمل میں بھی انقلاب آجاتا ہے۔ (ذکر و فکر صفحہ ۲۸۲ تا ۲۸۶، از مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ)

وضاحت

لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو شادی کے ساتھ کچھ جہیز دیا تھا۔ راقم نے آج تک جہیز دینے کی حمایت میں جتنے دلائل سنے یہ دلیل ان میں ہمیشہ سرفہرست ہوتی ہے، لیکن جہیز کے حامی یہ بات درست سیاق وسباق میں نہیں رکھتے۔

یہ درست ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شادی کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں ایک چکی، کھجور کے پتوں کا تکیہ اور غالباً پانی کا مٹکا اور ایسی چند اشیاء دیں، لیکن یہاں انتہائی اہم بات یہ ہے کہ یہ اشیاء انہوں نے اپنی بیٹی کے جہیز میں نہیں دیں۔

جی ہاں! دراصل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے کفیل تھے اور جب انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شادی اپنی پیاری صاحبزادی سے فرمائی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کفیل ہونے کے ناتے اپنی بیٹی کے گھر کی آبادی کے ضمن میں اس کا ہاتھ بٹایا، نہ کہ اپنی بیٹی کو "جہیز" دیا۔ ثبوت اس کا یہ ہے کہ وہ رقم جس سے یہ تمام تر سامان خریدا گیا وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زرہ فروخت کرنے کے بعد حاصل ہوئی تھی۔ لہٰذا مال حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خرچ ہوا تھا، نہ کہ "لڑکی کے والد گرامی کا" اس واقعے کی تمام تفصیل احادیث کی کتابوں میں موجود ہے حوالہ کے لئے خود ملاحظہ فرما لیجئے۔

(کنزالعمال جلد ۱۳ صفحہ ۶۸۳ (باب) نکاح فاطمہ رضی اللہ عنہا)

لہٰذا اس واقعہ کو جہیز جیسی ہندوانہ رسم کو "مشرف بہ اسلام" کرنے میں استعمال نہیں کرنا چاہئے۔

مزید یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ بھی اپنی دیگر صاحبزادیوں کی شادی سرانجام دی۔ راقم کے علم میں کوئی ایسا ثبوت نہیں کہ انہوں نے انہیں بھی کسی قسم کے "جہیز" سے نوازا ہو۔ اگر جہیز اسلام کا ہی ایک جزو ہوتا اور تحفہ وغیرہ کی شکل میں دیا جاتا تو محض حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نوازنا اور باقی صاحبزادیوں کو محروم رکھنا یقیناً قابلِ تحقیق اور قابلِ غور ہے۔

خاکسار (راقم الحروف) انتہائی ادب سے گزارش کرتا ہے کہ جہیز جیسی لعنت جس کے باعث ایک معاشرہ میں کیا کیا فساد برپا نہیں ہو جاتے، یہ انتہائی قابلِ نفرت فعل ہے۔ صدیوں تک ہندوؤں کے ساتھ رہنے کے باعث ہم میں بھی یہ رسم بد رچ بس گئی ہے اور بہت سی دوسری رسموں کی طرح ہم نے جہیز کو بھی اسلامی جامہ پہنانے کی کوشش کی ہے۔ گزارش محض اتنی ہے کہ ہم سب کو چاہیے کہ ہم خوب دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سادگی کے ساتھ شادی کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص اور عافیت کے ساتھ اپنی منشا کے موافق اپنے دین کی کسی ادنیٰ سے خدمت کے لئے ہی قبول فرمالیں۔ آمین۔

(مکتوب داؤد عزیز، روزنامہ جنگ، لندن)

شادی یا تجارت؟

غرض موجودہ لالچی معاشرے میں دین واخلاق کے سارے اصول اور تمام خوبیاں دقیانوسیت کی نشانی قرار پا چکی ہیں۔ اور آج شادی بیاہ کا سب سے پہلا اور مقبولِ عام اصول یہ ہے کہ لڑکی اپنے ساتھ کتنا پیسہ اور کتنا جہیز لائے گی؟ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اب لڑکے والوں کی طرف سے باقاعدہ مطالبات ہوتے ہیں اور مول تول ہوتا ہے۔ گویا کہ شادی کیا ہوئی، ایک اچھی خاصی تجارت بن گئی

ہے۔ اور اس ''مارکیٹ'' میں ہر شخص خود کو ''نیلام'' کر رہا ہے اور جہاں زیادہ ''بولی'' بولی جاتی ہے، وہاں پر وہ خود کو ''فروخت'' کر دیتا ہے۔ گویا کہ لڑکے آج ایک طرح کا بکاؤ مال بن چکے ہیں، جس کو ضرورت ہو وہ انہیں بازار سے خرید لائے۔ ظاہر ہے کہ اخلاقی و معاشرتی اعتبار سے یہ ایک ذلیل حرکت ہی نہیں بلکہ مردوں کی مردانگی کا سودا بھی ہے، جو بے رحمی اور ناحق خوشی کا مظہر ہونے کی وجہ سے شرعی حیثیت سے بھی ناجائز اور قابلِ مذمت ہے۔ بلکہ حقیقت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ ایک بدترین قسم کا سماجی جرم ہے، جو بربادیٔ تمدن کا بھی باعث ہے۔ حاصل یہ کہ جو شخص ایک نیک خصلت بیوی کی قدر نہیں کرتا، وہ ''رحمٰن'' کے خاص بندوں میں کیسے شامل ہو سکتا ہے، اور جس معاشرے میں اخلاق و کردار کی کوئی اہمیت نہ ہو اور اس کے نتیجے میں معصوم اور بے بس لڑکیاں ساری عمر ماں باپ کے گھروں میں بیٹھنے پر مجبور ہو جائیں تو یہ اس کی تنزلی کی نشانی ہوئی اور ایسے معاشرے کو اپنی تباہی کا انتظار کرنا چاہئے۔

جہیز کی تباہ کاری

فرمائشی جہیز کے غلط اور غیر معقول رسم و رواج نے آج معاشرہ کی ناک میں دم کر رکھا ہے۔ حریصانہ فرمائشوں کا ایسا چکر چل رہا ہے جس کو کوئی بھی مذہب اور کوئی بھی قانون جائز اور معقول قرار نہیں دے سکتا۔ صرف نکاح سے پہلے اور نکاح کے وقت ہی نہیں بلکہ نکاح کے بعد بھی شیطانی مطالبات کا ایک چکر شروع ہو گیا ہے، جن کا سابقہ ادوار میں کوئی تصور تک نہیں تھا اور یہ تمام تر چیزیں زمانہ جدید کی پیداوار ہیں جو قابلِ مذمت ہیں، اور ایسے حریص لوگ انسانیت کے دشمن ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس قبیح اور مذموم رواج کے باعث ہر سال ہزاروں عورتیں جہیز کے منحوس دیوتا کی بھینٹ چڑھائی جا رہی ہیں اور معاشرہ اس خوفناک آگ

میں چل رہا ہے جو پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے۔
ہم سوچ سکتے ہیں کہ ایسے معاشرے میں غریب لڑکیاں کیا کر سکتی ہیں؟
سوائے اس کے کہ اپنی گردن میں پھندا ڈال کر خودکشی کر لیں، زہر کھالیں یا ٹرین کے نیچے آجائیں۔

عورتوں کی حق تلفی

آج کل یہ غلط رواج چل پڑا ہے کہ لوگ ایک طرف تو بیوی کا مہر بھی ادا نہیں کرتے، جو ان کا ایک شرعی حق ہے، اور دوسری طرف الٹا ان سے ایک غیر شرعی مطالبہ (جہیز کی رقم کا) کرتے ہوئے اس کو شریعت اور قانون سے بھی زیادہ بڑا درجہ دے بیٹھے ہیں اور اس کی صد درجہ پابندی کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ صریحاً عورت کی حق تلفی ہے۔ اس کے بھیانک اثرات سے آج خاندان ٹوٹ رہے ہیں اور معاشرہ تباہ ہو رہا ہے۔

باضمیر لوگوں کے لئے ایک لمحۂ فکریہ

خودکشی شریعت کی رو سے حرام ہے۔ مگر اس فعلِ حرام پر اکسانے والا وہ ظالم اور حریص معاشرہ ہے جو انسانیت کے قتلِ عام پر تلا ہوا ہے۔ غرض آپ علمی، عقلی اور شرعی کسی بھی حیثیت سے غور فرمائیے، جہیز کی رسم آپ کو انتہائی قبیح، مذموم اور بھیانک معلوم ہوگی اور اس سے اجتناب انسانیت کے بہی خواہوں اور خاص کر اسلام کے نام لیواؤں کے لئے ضروری ہے، جو انسانیت کے نجات دہندہ ہیں۔
لہٰذا جن لوگوں کا ضمیر ابھی مردہ نہیں ہوا ہے وہ ذرا سوچیں کہ دین و اخلاق کے تقاضوں کو فراموش کر کے اور اپنے ضمیر کی آواز کو دبا کر وہ کدھر جا رہے ہیں؟ اور ان کا قبلہ و کعبہ کدھر ہے؟
انہیں دین و اخلاق اور ملک و ملت کا مفاد زیادہ عزیز ہے یا چند سکے، جن کی

جھنکار پر وہ اپنے دین و ایمان اور ضمیر تک کا سودا کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں؟ مگر مجھے یقین نہیں آتا کہ جس کے دل میں خدا کا خوف کسی بھی درجہ میں موجود ہو یا جس کے قلب میں دین و ایمان کا شائبہ بھی پایا جاتا ہو، وہ اتنی آسانی کے ساتھ بھرے بازار میں خود کو فروخت کرنے بلکہ نیلام میں اپنی بولی لگانے کے لئے تیار ہو سکتا ہو۔

فرمائشی جہیز آج معاشرے کا ایک رستا ہوا ناسور بن چکا ہے۔ لہٰذا اس کو جتنی جلدی ہو سکے، ختم کر کے نظامِ فطرت اور قانونِ خداوندی کی پابندی کرنی چاہیے۔ اور اس سلسلے میں ہر قسم کی فضول خرچیاں یک لخت ختم کر کے سیدھے سادے طریقے سے نکاح کی مجلسیں منعقد کرنی چاہئیں۔ فضول خرچی کرنے والے شریعت کی نظر میں شیطان کے بھائی ہیں۔ مال و دولت بھی اللہ تعالیٰ کی ایک امانت ہے، جس کے غلط مصرف کا حساب دینا پڑے گا۔ آج مالداروں کے نام و نمود اور نمائشی مظاہروں نے غریبوں کا جینا دوبھر کر دیا ہے۔ لہٰذا فضول خرچی اور نمائش پر پابندی لگانا انتہائی ضروری ہے۔

نوجوانوں کی ذمہ داری

اس میدان میں ہمارے نوجوان طبقے کو آگے بڑھ کر اصلاحی کام کرنا چاہیے، اور یہ عہد کرنا چاہیے کہ وہ فرمائشی جہیز کی رقم نہ تو کسی سے لیں گے اور نہ کسی کو دیں گے۔ اور جو لوگ جہیز کا مطالبہ کریں تو پہلے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ کر ان کو سمجھانا چاہیے کہ یہ چیز شریعت کی نظر میں ناجائز ہے۔ اگر مسلم نوجوان بزرگوں اور اکابر علماء کی سرپرستی میں ہر محلہ اور ہر گاؤں میں ایک ایک کمیٹی (مخالف جہیز کمیٹی) قائم کر کے اس سلسلے میں اقدام کریں تو اس سے بڑے اچھے نتائج نکل سکتے ہیں اور غریب و معصوم لڑکیوں کا بھلا ہو سکتا ہے، جو جہیز کی رقم نہ ہونے کے باعث ماں

باپ کے گھروں میں بوڑھی ہو رہی ہیں۔

اس قسم کا اصلاحی اقدام نہ صرف اللہ اور رسول کی خوشنودی کا باعث ہوگا، بلکہ ایک اچھے اور مثالی معاشرے کی تشکیلِ نو کی راہ میں معاون و مددگار بھی ہو سکے گا اور اس میدان میں جب تک نوجوان آگے نہیں بڑھیں گے، کوئی بھی اصلاحی تحریک کامیاب نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اس راہ میں سب سے پہلے چند صالح اور با اثر نوجوانوں کو آگے آنا چاہیے۔ خدا کرے کہ یہ چند سطریں ہمدردان ملت کے دلوں پر اثر کر جائیں۔

شادی بیاہ کی رسمیں

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دس خوش نصیب صحابہ میں سے ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی خوش خبری دی تھی۔ حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے کپڑوں پر ایک پیلا سا نشان نظر آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کیسا نشان ہے؟

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے ایک خاتون سے نکاح کیا ہے (مطلب یہ تھا کہ نکاح کے موقع پر کپڑوں پر خوشبو لگائی تھی، اس کا یہ نشان باقی رہ گیا) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں برکت کی دعا دی اور فرمایا کہ "ولیمہ کرنا، چاہے ایک بکری ہی کا ہو" (مشکوٰۃ جلد۲ صفحہ۲۷۸)

اندازہ لگایئے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے قریبی صحابی ہیں کہ دس منتخب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ان کا شمار ہوتا ہے، لیکن انہوں نے نکاح کیا تو نکاح کی مجلس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک کو دعوت دینے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑوں پر لگی ہوئی خوشبو کا نشان دیکھ کر سوال کیا تو

انہوں نے بتایا کہ میں نے نکاح کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کوئی شکایت نہیں فرمائی کہ تم اکیلے اکیلے نکاح کر بیٹھے اور ہمیں پوچھا بھی نہیں؟ شکایت کے بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعا دی، البتہ ساتھ ہی یہ ترغیب دی کہ وہ ولیمہ کریں۔

دراصل اسلام نے نکاح کو اتنا آسان اور اتنا سادہ بنایا ہے کہ جب دونوں فریق راضی ہوں، تو وہ کسی بے جا رکاوٹ کے بغیر یہ رشتہ قائم کر سکتے ہیں۔

شریعت نے یہ شرط بھی نہیں لگائی کہ کوئی قاضی یا عالم ہی نکاح پڑھائے، شریعت کی طرف سے شرط صرف اتنی ہے کہ نکاح کی مجلس میں دو گواہ موجود ہوں، اگر دولہا دلہن عاقل و بالغ ہوں تو ان میں سے کوئی دوسرے سے کہہ دے کہ "میں نے تم سے نکاح کیا" دوسرا جواب دیدے کہ "میں نے قبول کیا" بس نکاح ہو گیا۔ نہ اس کے لئے کسی عدالت میں جانے کی ضرورت ہے، نہ کسی تقریب کی کوئی شرط ہے، نہ دعوت ضروری ہے، نہ جہیز لازمی ہے۔ ہاں! دلہن کے اکرام کے لئے مہر ضروری ہے۔

اور صحیح طریقہ یہی ہے کہ مہر کا تعین بھی نکاح ہی کے وقت کر لیا جائے۔ لیکن اگر بالفرض نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہ آیا ہو، تب بھی نکاح ہو جاتا ہے اور مہر مثل لازم سمجھا جائے گا۔ نکاح کے وقت خطبہ بھی ایک سنت ہے اور حتی الامکان اس سنت کی برکات ضرور حاصل کرنی چاہیئے، لیکن نکاح کی صحت اس پر موقوف نہیں۔ لہٰذا اگر خطبہ کے بغیر ہی ایجاب و قبول کر لیا جائے، تب بھی نکاح صحیح ہو جاتا ہے، نکاح میں کوئی نقص نہیں آتا۔

ولیمہ جس کی ترغیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا حدیث میں دی ہے، وہ بھی سنت ہے، ایسا فرض یا واجب نہیں کہ اس کے بغیر نکاح نہ ہو سکتا ہو، اور اس کی کوئی مقدار شریعت نے مقرر نہیں کی، نہ مہمانوں کی کوئی تعداد لازمی

قرار دی ہے، ہر شخص اپنی مالی استطاعت کے اعتبار سے اس کا فیصلہ کرسکتا ہے اور اس کے لئے قرض لینے کی بھی نہ صرف کوئی ضرورت ہے، بلکہ ایسا کرنا شرعاً ناپسندیدہ ہے۔ کوئی شخص جتنے مختصر پیمانے پر ولیمہ کرسکتا ہے۔ اتنے ہی مختصر پیمانے پر کرلے اور نہ کرسکے تب بھی اس سے نکاح میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔

اسلام نے "نکاح" کو اتنا آسان اس لئے کیا ہے کہ نکاح انسانی فطرت کے ایک ضروری تقاضے کو جائز طریقے سے پورا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اور اگر اس جائز ذریعے پر رکاوٹیں عائد کی جائیں یا اس کو مشکل بنایا جائے تو اس کا لازمی نتیجہ بے راہ روی کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص اپنی فطری ضرورت پوری کرنے کے لئے جائز راستے بند پائے گا تو اس کے دل میں ناجائز راستوں کی طلب پیدا ہوگی اور اس طرح پورا معاشرہ بگاڑ کا شکار ہوگا۔

لیکن اسلام نے "نکاح" کو جتنا آسان بنایا ہے ہمارے موجودہ معاشرتی ڈھانچے نے اسے اتنا ہی مشکل بنا ڈالا ہے۔ "نکاح" کے بابرکت معاہدے پر ہم نے لاتعداد رسموں، تقریبات اور فضول اخراجات کا ایسا بوجھ لاد رکھا ہے، کہ ایک غریب، بلکہ متوسط آمدنی والے شخص کے لئے بھی وہ ایک ناقابلِ تسخیر پہاڑ بن کر رہ گیا ہے اور کوئی شخص اس وقت تک نکاح کا تصور نہیں کرسکتا جب تک اس کے پاس، گری سے گری حالت میں بھی، ڈیڑھ دو لاکھ روپے موجود نہ ہوں۔ یہ لاکھ دو لاکھ روپے نکاح کی حقیقی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے نہیں، بلکہ صرف فضول رسموں کا پیٹ بھرنے کے لئے درکار ہیں، جنہیں خرچ کرنے سے زندگی کی حقیقی ضروریات پوری کرنے میں کوئی مدد نہیں ملتی۔

شریعت کی طرف سے نکاح کے موقع پر لے دے کر صرف ایک دعوت ولیمہ ہی مسنون تھی، اور وہ بھی ہر شخص کی استطاعت کے مطابق۔ لیکن اب

تقریبات اور دعوتوں کا سلسلہ روز بروز بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ منگنی کی تقریب ایک مستقل شادی کی شکل اختیار کرتی جا رہی ہے اور عین نکاح کے موقع پر مہندی اٹھن سے لے کر چوتھی وغیرہ تک تقریباً ہر روز کسی نہ کسی تقریب کا اہتمام لازمی سمجھ لیا گیا ہے، جس کے بغیر شادی بیاہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ پھر تقریبات میں بھی زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ نت نئے اخراجات کا اضافہ ہو رہا ہے۔ نئے نئے مطالبے سامنے آ رہے ہیں، نئی نئی رسمیں وجود میں آ رہی ہیں۔ غرض فضولیات کا ایک طومار ہے، جس نے شادی کو خاص طور پر غریب اور متوسط آدمی کے لئے ایک ایسی ذمہ داری میں تبدیل کر دیا ہے، جو عام طور پر صرف حلال آمدنی سے پوری نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اسے پورا کرنے کے لئے کہیں نہ کہیں سے ناجائز ذرائع کا سہارا لینا پڑتا ہے، اور اس طرح نکاح کا یہ کارِ خیر نہ جانے کتنی بدعنوانیوں اور کتنے گناہوں کا مجموعہ بن کر رہ جاتا ہے، اور جس نکاح کا آغاز ہی بدعنوانی یا گناہ سے ہو، اس میں برکت کہاں سے آئے گی؟

خوشی کے موقع پر اعتدال کے ساتھ خوشی منانے پر شریعت نے کوئی پابندی نہیں لگائی۔ لیکن خوشی منانے کے نام پر ہم نے اپنے آپ کو جن بے شمار رسموں میں جکڑ لیا ہے ان کا نتیجہ یہ ہے کہ خوشی، جو دل کی فرحت کا نام تھا وہ تو پیچھے چلی گئی ہے اور رسموں کے بندھے ٹکے قواعد آگے آگئے ہیں، جن کی ذرا سی خلاف ورزی ہو تو شکوے شکایتوں اور طعن و تشنیع کا طوفان کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس طرح شادی کی تقریبات رسموں کی خانہ پوری کی نذر ہو جاتی ہیں۔ جس میں پیسہ تو پانی کی طرح بہتا ہے، دل و دماغ بھی ان قواعد کے بوجھ تلے مسلسل دبے رہتے ہیں، شادی کے انتظامات کرنے والے تھک کر چور ہو جاتے ہیں۔ پھر بھی کہیں نہ کہیں، کوئی نہ کوئی شکایت کا سامان پیدا ہو ہی جاتا ہے، جس کے نتیجے میں بعض اوقات لڑائی جھگڑوں تک بھی نوبت پہنچ جاتی ہے۔

زبان سے اس صورت حال کو ہم سب قابل اصلاح سمجھتے ہیں مگر جب عمل کی نوبت آتی ہے تو اکثر پرانے وہیں جا گرتا ہے اور ایک ایک کر کے ہم تمام رسموں کے آگے ہتھیار ڈالتے چلے جاتے ہیں۔

اس صورت حال کا کوئی حل اس کے سوا نہیں ہے کہ اول تو بااثر اور خوشحال لوگ بھی اپنی شادیوں کی تقریبات میں حتی الامکان سادگی اختیار کریں اور ہمت کر کے ان رسموں کو توڑ دیں جنہوں نے شادی کو ایک عذاب بنا کر رکھ دیا ہے۔

دوسرے اگر دولت مند افراد اس طریق کار کو نہیں چھوڑتے تو کم از کم محدود آمدنی والے افراد یہ طے کر لیں کہ وہ دولت مندوں کی نقل اتارنے میں اپنا پیسہ اور توانائیاں ضائع کرنے کی بجائے اپنی چادر کے مطابق پاؤں پھیلائیں گے اور اپنی استطاعت کی حدود سے آگے نہیں بڑھیں گے۔ اس سلسلے میں اگر ہم مندرجہ ذیل باتوں کا خاص طور پر اہتمام کر لیں تو امید ہے کہ مذکورہ بالا خرابیوں میں ان شاء اللہ نمایاں کمی واقع ہوگی۔

❶ خاص نکاح اور ولیمہ کے علاوہ جو تقریبات منگنی، مہندی، مانجھ اور چوتھی وغیرہ کے نام سے رواج پاگئی ہیں، ان کو سرے سے ختم کر دیا جائے اور یہ طے کر لیا جائے کہ ہماری شادیوں میں یہ تقریبات نہیں ہوں گی۔ فریقین اگر واقعی محبت اور خوش دلی سے ایک دوسرے کو کوئی تحفہ دینا چاہتے ہیں وہ کسی باقاعدہ تقریب اور لاؤ لشکر کے بغیر سادگی سے پیش کر دیں۔

❷ اظہار مسرت کے کسی بھی مخصوص طریقے کو لازمی اور ضروری نہ سمجھا جائے بلکہ ہر شخص اپنے حالات اور وسائل کے مطابق بے تکلفی سے جو طرز عمل اختیار کرنا چاہے کر لے۔ نہ وہ خود کسی کی حرص کا شکار یا رسموں کا پابند ہو، نہ دوسرے اسے طعنہ دیں۔

❸ نکاح اور ولیمہ کی تقریبات بھی حتی الامکان سادگی سے، اپنے وسائل کی حد

میں رہتے ہوئے منعقد کی جائیں اور صاحب تقریب کا یہ حق تسلیم کیا جائے کہ وہ اپنے خاندانی یا مالی حالات کے مطابق جس کو چاہے دعوت دے اور جس کو چاہے دعوت نہ دے۔ اس معاملے میں بھی کسی کو کوئی سنجیدہ شکایت نہیں ہونی چاہئے۔

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہمیشہ ہمارے سامنے رہے کہ "سب سے زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جس میں زیر باری کم سے کم ہو۔"

(مشکوٰۃ جلد۲ صفحہ ۲۶۸)

یعنی جس میں انسان نہ مالی طور پر زیر بار ہو اور نہ بے جا مشقت و محنت کے کسی بوجھ میں مبتلا ہو۔ (ذکر و فکر صفحہ ۲۶۶ تا ۲۷۰، از مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ)

نکاح اور ولیمہ

چند سوالات کا جواب

اول تو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس سے یہ نظر آتا ہو کہ ہاں یہ سنت ہے اور حتی الامکان اس پر ضرور عمل کرنا چاہئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس سنت کی ادائیگی کے لئے شرعاً نہ مہمانوں کی کوئی تعداد مقرر ہے نہ کھانے کا کوئی معیار، بلکہ ہر شخص اپنی استطاعت کی حد میں رہتے ہوئے جس پیمانے پر چاہے، ولیمہ کر سکتا ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ولیمہ ایسا کیا جس میں صرف دو سیر جَو خرچ ہوئے۔ (بخاری جلد۲ صفحہ ۷۷۷)

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کے موقع پر ولیمہ سفر میں ہوا اور اس طرح ہوا کہ دستر خوان بچھا دیا گیا اور اس پر کچھ کھجوریں، کچھ پنیر اور کچھ گھی رکھ دیا گیا۔ بس ولیمہ ہو گیا۔ البتہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کے موقع پر روٹی اور بکری کے گوشت سے دعوت دی گئی۔ (بخاری جلد۲ صفحہ ۷۷۷)

لہٰذا ولیمہ کے بارے میں یہ سمجھنا درست نہیں کہ اس میں مہمانوں کی کوئی

بڑی تعداد ضروری ہے، یا کوئی اعلیٰ درجے کا کھانا ضرور ہونا چاہیے اور اگر کسی شخص کے پاس خود گنجائش نہ ہو تو وہ قرض، ادھار کر کے ان چیزوں کا اہتمام کرے، بلکہ شرعی اعتبار سے مطلوب یہ ہے کہ جس شخص کے پاس خود اپنے وسائل کم ہوں، وہ اپنی استطاعت کے مطابق اختصار سے کام لے۔ ہاں اگر استعداد ہو تو زیادہ مہمان مدعو کرنے اور اچھے کھانے کا اہتمام کرنے میں بھی کچھ حرج نہیں بشرطیکہ مقصد نام ونمود اور دکھاوا نہ ہو۔

ان حدود میں رہتے ہوئے ولیمہ بے شک مسنون ہے اور اس لحاظ سے کارِثواب بھی ہے۔

لہٰذا اس کے تقدس کو اس طرح کے گناہوں سے مجروح کرنا اس کی ناقدری، بلکہ توہین کے مترادف ہے۔ محض شان وشوکت کے اظہار ...... اور نام ونمود کے اقدامات ..... تقریب کی مصروفیات ...... میں نمازوں کا ضیاع ...... سجے سنورے مردوں عورتوں کا بے حجابانہ میل جول ..... ان کی فلم بندی ...... اور اس قسم کے دوسرے منکرات اس تقریب کی برکتوں پر پانی پھیر دیتے ہیں جن سے اس بابرکت تقریب کو بچانا چاہیے۔

"ولیمہ" کے بارے میں ایک اور غلط فہمی خاصی پھیلی ہوئی ہے جس کی وجہ سے بہت سے لوگ پریشان رہتے ہیں۔ ایک صاحب نے خاص طور پر اپنی اس پریشانی کا ذکر کرتے ہوئے اس نکتے کی وضاحت چاہی ہے کہ اگر دولہا دلہن کے درمیان تعلقات زن وشوہر قائم نہ ہوئے ہوں تو ولیمہ صحیح نہیں ہوتا۔

واقعہ یہ ہے کہ ولیمہ نکاح کے وقت سے لے کر رخصتی کے بعد تک کسی بھی وقت ہو سکتا ہے، البتہ مستحب یہ ہے کہ رخصتی کے بعد ہو، اور رخصتی کا مطلب رخصتی ہی ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ یعنی یہ کہ دلہن دولہا کے گھر آ جائے اور دونوں کی تنہائی میں ملاقات ہو جائے اور بس۔

لہٰذا اگر کسی وجہ سے دونوں کے درمیان تعلق زن وشوہر قائم نہ ہوئے ہوں تو اس سے ولیمہ کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ نہ ولیمہ ناجائز ہوتا ہے، نہ نفلی قرار پاتا ہے، اور نہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ اس طرح ولیمہ کی سنت ادا نہیں ہوئی۔ بلکہ اگر ولیمہ رخصتی ہی سے پہلے منعقد کرلیا جائے تب بھی ولیمہ ادا ہو جاتا ہے، صرف اس کا مستحب وقت حاصل نہیں ہوتا۔ یہاں دلائل کی تفصیل میں جانے کا موقع نہیں ہے۔

نوٹ: (جو حضرات دلائل سے دلچسپی رکھتے ہوں وہ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب بنام ''فتح الباری'' میں جلد۹ صفحہ۲۴۳ پر باب الولیمہ کے تحت حدیث نمبر۵۱۶۶ کی تشریحات ملاحظہ فرمالیں)۔

ایک صاحب نے ایک اور سوال کیا ہے اور وہ یہ کہ نکاح کے وقت جب لڑکی کے گھر والے لڑکی سے ''ایجاب وقبول'' کراتے ہیں تو کیا لڑکی کا اپنی زبان سے منظوری کا اظہار کرنا ضروری ہے یا نکاح نامے پر دستخط کردینا کافی ہے؟

اس سلسلے میں عرض ہے کہ ہمارے یہاں شادیاں عموماً اس طرح ہوتی ہیں کہ دلہن خود نکاح کی محفل میں موجود نہیں ہوتی۔ بلکہ دلہن کے گھر والوں میں سے کوئی نکاح سے پہلے اس سے اجازت لیتا ہے اور وہ دلہن کی طرف سے وکیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور نکاح نامے میں بھی اس کا نام وکیل کے خانے میں درج ہوتا ہے۔ جب یہ وکیل لڑکی سے اجازت لینے جاتا ہے تو یہ نکاح کا ''ایجاب و قبول'' نہیں ہوتا، بلکہ محض لڑکی سے نکاح کی اجازت لی جاتی ہے۔ اس میں اجازت لینے والے کو لڑکی سے یہ کہنا چاہیئے کہ میں تمہارا نکاح فلاں ولد فلاں سے اتنے مہر پر کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تمہیں یہ منظور ہے؟ اگر لڑکی کنواری ہے تو اس کا زبان سے ''منظور ہے'' کہنا ضروری نہیں، بلکہ اتنا بھی کافی ہے کہ وہ انکار نہ کرے۔ البتہ زبان سے منظوری کا اظہار کردے تو اور اچھا ہے اور اگر صرف نکاح

نامے پر دستخط کر دے تو بھی اجازت ہو جاتی ہے۔ البتہ اگر کوئی عورت پہلے شادی شدہ رہ چکی ہے اور اب یہ اس کی دوسری شادی ہے تو اس کا زبان سے منظوری کا اظہار ضروری ہے بصورت دیگر اسے منظوری نہیں سمجھا جائے گا۔

جب لڑکی سے اس طرح اجازت لے لی جائے تو جس شخص نے اجازت لی ہے وہ بحیثیت وکیل نکاح کرنے کا اختیار نکاح خواں کو دے دیتا ہے۔ اور پھر نکاح خواں جو الفاظ دولہا سے کہتا ہے، وہ نکاح کا "ایجاب" ہے اور دولہا جو جواب دیتا ہے، وہ "قبول" اور ان دونوں کلمات سے نکاح کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ (ذکر و فکر صفحہ ۲۹۳ تا ۲۹۶، از مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب)

مولانا مدظلہ رقم طراز ہیں کہ: اسٹن برٹل (برطانیہ) سے ایک صاحب کا خط مجھے موصول ہوا، جس میں وہ لکھتے ہیں۔

"میں آپ کی توجہ ایک اہم مسئلے کی طرف دلانا چاہتا ہوں، جس کی ابتداء کا زمانہ متعین کرنا تو ایک تاریخ داں کا کام ہے، مگر اس کی برائی ہر شخص کے سامنے ہے، وہ ہے جہیز۔ جہیز کی رسم چونکہ ہندو پاک میں بسنے والے مسلمانوں میں اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جاری ہے، اس لئے جو مسلمان وہاں سے نقل مکانی کر کے مغرب آئے تو وہ یہ رسم بھی اپنے ساتھ لائے، چنانچہ اب یہ رسم مغرب میں بھی پھیل گئی ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ ایک تو آپ اس کی شرعی حیثیت بیان فرمائیں، تاکہ یورپ میں مسلمانوں کی نئی نسل اس سے آگاہ ہو سکے اور شاید ان ہزاروں غریب لڑکیوں کی قسمت پر بھی اس کا کچھ اثر پڑے، جو صرف جہیز نہ ہونے کی بناء پر دلہن نہیں بن سکتیں۔

کیا جہیز ضروری ہے؟ اگر ہے تو اس کی مقدار کیا ہے؟ کیا جہیز دینے کے بعد ماں باپ کو اپنی وراثت سے حصہ دینا ضروری نہیں رہتا؟ عموماً عورتیں اپنے حق وراثت سے اس لئے دستبردار ہو جاتی ہیں کہ ان کو جہیز مل گیا ہے اور کئی خوشی میں

ان کے ماں باپ کی طرف سے مدد متوقع ہوتی ہے اور ان کی شادی پر بھی خاصا خرچ ہو چکا ہوتا ہے۔ مگر یہ ساری باتیں تو لڑکے پر بھی صادق آتی ہیں، پھر وہ وراثت کا کیونکر حقدار ہوگا؟

دوسرے، لڑکی کے والدین بارات کو جو کھانا کھلاتے ہیں، اس کی ادائیگی دولہا کرتا ہے، مگر ہمارے یہاں یہ تمام اخراجات والدین پر ہی کیوں ڈالے جاتے ہیں؟

تیسرے بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ لڑکی کا باپ دولہا سے شادی کے اخراجات کے علاوہ بھی کچھ رقم کا تقاضا کرتا ہے۔ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

بر طانوی مکتوب نگار کے بعض سوالات کا جواب تو میرے پچھلے مضمون میں آ چکا ہے۔ مثلاً یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ جہیز ہرگز نکاح کا کوئی ضروری حصہ نہیں ہے اور اس کی استطاعت نہ ہونے کی صورت میں لڑکی کو نکاح کے بغیر بٹھائے رکھنا ہرگز جائز نہیں۔ کوئی باپ اپنی بیٹی کو رخصت کرتے وقت اپنی استطاعت کی حدود میں رہتے ہوئے خوشی سے بیٹی کو کوئی تحفہ دینا چاہے تو وہ بے شک دے سکتا ہے۔ لیکن نہ اس کو نکاح کی لازمی شرط سمجھنے کی گنجائش ہے، نہ اس میں نام و نمود کا کوئی پہلو ہونا چاہئے اور نہ شوہر یا اس کے گھر والوں کے لئے جائز ہے کہ وہ جہیز کا مطالبہ کریں یا اس کی توقعات باندھیں۔

لڑکی کو جہیز دینے سے اس کا حقِ وراثت ختم نہیں ہوتا

اب مکتوب نگار نے جو نئی بات ذکر کی ہے وہ یہ ہے کہ "کیا جہیز دینے کے بعد ماں باپ کو اپنی وراثت سے حصہ دینا ضروری نہیں رہتا؟" واقعی یہ غلط فہمی بعض حلقوں میں خاصی عام ہے۔ اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ جہیز کا وراثت سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔

اگر کسی باپ نے اپنی بیٹی پر جہیز کی صورت میں اپنی ساری کائنات بھی لٹا دی ہو تب بھی لڑکی کا حقِ وراثت ختم نہیں ہوتا۔ باپ کے انتقال کے بعد وہ اپنے باپ کے ترکے میں ضرور حصہ دار ہوگی اور اس کے بھائیوں کے لئے ہرگز جائز نہیں ہے کہ وہ سارا ترکہ خود لے بیٹھیں اور اپنی بہن کو اس بنیاد پر محروم کردیں کہ اسے جہیز میں بہت کچھ مل چکا ہے۔ لڑکا ہو یا لڑکی، ان کے باپ نے اپنی زندگی میں انہیں جو کچھ دیا ہو، اس سے ان کے وراثت کے حصے میں کوئی کمی نہیں آتی۔ البتہ باپ کو حتی الامکان اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ اپنی زندگی میں وہ اپنی اولاد کو جو کچھ دے، وہ قریب قریب برابر ہو، اور کسی ایک لڑکے یا لڑکی پر دولت کی بارش برسا کر دوسروں کو محروم نہ کرے۔ لیکن یہ ایک مستقل (علیحدہ) مسئلہ ہے، جس کی تفصیل ان شاء اللہ کسی اور موقع پر عرض کروں گا۔ بہرحال! یہ بات طے شدہ ہے اور اس میں شرعی اعتبار سے کوئی ادنیٰ شبہ بھی نہیں کہ لڑکی کو جہیز دینے سے اس کا حقِ وراثت ختم نہیں ہوتا، بلکہ جہیز میں دی ہوئی مالیت کو اس کے حصہ وراثت سے منہا بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اسے بہرصورت ترکے سے اپنا پورا حصہ ملنا ضروری ہے۔

بارات کی ضیافت

مکتوب نگار نے دوسرا مسئلہ یہ اٹھایا ہے کہ لڑکی کے والدین بارات کو جو کھانا کھلاتے ہیں اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

اس معاملے میں بھی ہمارے معاشرے میں افراط و تفریط پر مبنی تصورات پھیلے ہوئے ہیں۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح لڑکے کیلئے نکاح کے بعد ولیمہ کرنا سنت ہے، اسی طرح لڑکی کے باپ کے لئے بھی نکاح کے وقت دعوت کرنا سنت، یا کم از کم شرعی طور پر پسندیدہ ہے، حالانکہ یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے۔

لڑکی والوں کی طرف سے کسی دعوت کا اہتمام نہ سنت ہے نہ مستحب، بلکہ اگر دوسری خرابیاں نہ ہوں تو صرف جائز ہے۔ یہی معاملہ بارات کا ہے۔

نکاح کے وقت دولہا کی طرف سے بارات لے جانا کوئی سنت نہیں، نہ نکاح کو شریعت نے اس پر موقوف کیا ہے۔ لیکن اگر دوسری خرابیاں نہ ہوں تو بارات لے کر جانا کوئی گناہ بھی نہیں۔ لہٰذا بعض حضرات جو بارات لے جانے اور لڑکی والوں کی طرف سے ان کی دعوت کو ایسا گناہ سمجھتے ہیں جیسے قرآن و سنت نے اس سے خاص طور پر منع کیا ہو، ان کا یہ تشدد بھی مناسب نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اعتدال کے ساتھ کچھ لوگ نکاح کے موقع پر لڑکی کے گھر چلے جائیں، جس میں لڑکی کے باپ پر کوئی بار نہ ہو اور لڑکی کے والدین اپنی بچی کے نکاح کے فریضے سے سبکدوش ہونے کی خوشی میں اپنی دلی خواہش سے ان کی اور اپنے دوسرے عزیزوں، دوستوں کی دعوت کر دیں تو اس میں بذاتِ خود کوئی گناہ نہیں ہے۔

لیکن ان تمام چیزوں میں خرابی یہاں سے پیدا ہوتی ہے کہ ان تقریبات کو نکاح کا لازمی حصہ سمجھ لیا جاتا ہے اور جو شخص انہیں انجام دینے کی استطاعت نہ رکھتا ہو، وہ بھی خواہی نخواہی ان پر مجبور ہوتا ہے اور اس غرض کے لئے بعض اوقات ناجائز ذرائع اختیار کرتا ہے اور بعض اوقات قرض و ادھار کا بوجھ اپنے سر لے لیتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص اپنے مالی حالات کی وجہ سے یہ کام نہ کرے تو اسے معاشرے میں مطعون کیا جاتا ہے۔

کسی شخص کو کوئی ہدیہ تحفہ دینا یا اس کی دعوت کرنا اگر دل کے تقاضے اور محبت سے ہو تو نہ صرف یہ کہ کوئی گناہ نہیں، بلکہ باعثِ برکت ہے۔ بالخصوص جب نئے رشتے قائم ہو رہے ہوں تو ایسا کرنے سے باہمی محبت میں اضافہ ہوتا ہے، بشرطیکہ یہ سب کچھ خلوص سے ہو اور اپنی استطاعت کی حدود میں رہ کر ہو۔ لیکن جب یہ چیز نام و نمود اور دکھاوے کا ذریعہ بن جائے یا اس میں بدلے کی طلب

شامل ہو جائے یا یہ کام خوش دلی کے بجائے معاشرے اور ماحول کے جبر کے تحت انجام دیئے جائیں یعنی اندر سے دل نہ چاہ رہا ہو لیکن ناک کٹنے کے خوف سے زبردستی تحفے دیئے جائیں یا دعوتیں کی جائیں تو یہی کام جو باعث برکت ہو سکتے تھے، الٹے گناہ، بے برکتی، اور نحوست کا سبب بن جاتے ہیں اور ان کی وجہ سے معاشرہ طرح طرح کی اخلاقی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

شامت اعمال یہ ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو خود ساختہ رسموں میں جکڑ کر اچھے کاموں کو بھی اپنے لئے ایک عذاب بنا لیا ہے۔ اگر یہی کام سادگی ..... بے ساختگی ..... اور بے تکلفی ..... سے کئے جائیں تو ان میں کوئی خرابی نہیں، لیکن اگر رسموں کی پابندی، نام ونمود اور معاشرتی جبر کے تحت انجام دیئے جائیں تو یہ بہت بڑی برائی ہیں۔

لہٰذا اصل بات یہ ہے کہ اگر کسی لڑکی کا باپ اپنی بیٹی کے نکاح کے وقت اپنی خوشی دلی سے اس کے سسرال کے لوگوں کو، یا اپنے اعزہ اور احباب کو جمع کر کے ان کی دعوت کر دیتا ہے، اور اسے نکاح کا لازمی حصہ یا سنت نہیں سمجھتا، تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ اور اگر کوئی شخص ایسا نہیں کرتا تو اس میں بھی کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کی شکایت کی جائے، یا جس کی وجہ سے اسے مطعون کیا جائے۔ بلکہ اس کا عمل سادگی کی سنت سے زیادہ قریب ہے، اس لئے اس کی تعریف کرنی چاہیے۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ بعض لوگ اپنی اولاد کے امتحان میں کامیاب ہونے پر یا انہیں اچھی ملازمت ملنے پر خوشی کے اظہار میں اپنے خاص خاص ملنے والوں کی دعوت کر دیتے ہیں۔ اس دعوت میں ہرگز کوئی حرج نہیں۔ دوسری طرف بہت سے لوگوں کے بچے امتحان میں پاس ہوتے رہتے ہیں یا انہیں اچھی ملازمتیں ملتی ہیں، لیکن وہ اس خوشی میں کوئی دعوت نہیں کرتے۔ ان لوگوں پر معاشرے کی

طرف سے کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا۔ نہ انہیں اس بناء پر مطعون کیا جاتا ہے کہ انہوں نے دعوت کیوں نہیں کی۔ یہی طرز عمل نکاح کی دعوت میں بھی اختیار کر لیا جائے تو کیا مضائقہ ہے؟

یعنی جس کا دل چاہے دعوت کرے اور جس کا دل چاہے نہ کرے۔ جن بزرگوں نے بارات لے جانے اور اس کی دعوت کے اہتمام سے منع فرمایا ہے، درحقیقت ان کے پیش نظر یہی خرابیاں تھیں۔ انہوں نے اس بات کی ترغیب دی کہ اگر کچھ بارسوخ افراد ان دعوتوں کے بغیر نکاح کریں گے تو ان لوگوں کو حوصلہ ہوگا جو ان کی استطاعت نہیں رکھتے اور صرف معاشرے کی مجبوری سے انہیں یہ کام کرنے پڑتے ہیں۔

ایک بری رسم

مکتوب نگار نے آخری بات یہ پوچھی ہے کہ بعض علاقوں میں لڑکی کا باپ دولہا سے نکاح کے اخراجات کے علاوہ مزید کچھ رقم کا بھی مطالبہ کرتا ہے اور اس کے بغیر اسے اپنی لڑکی کا رشتہ دینے پر تیار نہیں ہوتا۔ بے شک یہ بے بنیاد رسم بھی ہمارے معاشرے کے بعض حصوں میں خاصی رائج ہے اور یہ شرعی اعتبار سے بالکل ناجائز رسم ہے۔ اپنی لڑکی کا رشتہ دینے کے لئے دولہا سے رقم لینے کو ہمارے فقہائے کرام نے رشوت قرار دیا ہے اور اس کا گناہ رشوت کے گناہ کے برابر ہے۔ بلکہ اس میں ایک پہلو بے غیرتی کا بھی ہے کہ یہ عمل اپنی لڑکی کو فروخت کرنے کے مشابہ ہے۔ اور بعض جگہ جہاں یہ رسم پائی جاتی ہے، اسی وجہ سے شوہر اس کے ساتھ زرخرید کنیز جیسا سلوک کرتا ہے۔ لہٰذا یہ رسم شرعی و اخلاقی لحاظ سے انتہائی غلط رسم ہے جو واجب الترک ہے۔

(ذکر وفکر صفحہ ۱۲۸ تا ۱۳۲ از مولانا محمد تقی عثمانی صاحب)

ولیمہ مسنونہ کا طریقہ غیر مسنونہ

ہر انسان کے لئے کسی مناسب عورت سے نکاح کر کے ایک رفیقۂ حیات کا میسر آ جانا بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، جس سے دلی خوشی اور مسرت ہوتی ہے۔ اس مسرت کا حق یہ ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا بھرپور شکر ادا کیا جائے۔ اور اپنی دلی مسرت و شادمانی کا اظہار بھی ہو۔ ولیمہ اس اظہارِ مسرت کی عملی شکل ہے، جس میں یہ حکمت بھی محسوس ہوتی ہے کہ اس کے ذریعہ نکاح کرنے والے مرد اور اس کے گھرانے کی طرف سے خوبصورتی کے ساتھ اس کا اعلان و اظہار ہو جاتا ہے کہ اس رشتہ سے ہم کو اطمینان اور خوشی ہے اور ہم اس کو اللہ تعالیٰ کی قابلِ شکر نعمت سمجھتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں نوبیاہتہ عورت اور اس کے گھر والوں کو بھی اطمینان ہو جاتا ہے اور اس سے باہمی تعلق اور مودت میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات اور ذاتی طرزِ عمل دونوں سے اس کی اہمیت ظاہر فرمائی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر (یعنی ان کے کپڑوں پر یا جسم پر) زردی کا کچھ اثر دیکھا تو ان سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے ایک عورت سے کھجور کی گٹھلی کے وزن کے برابر سونے پر شادی کی ہے (یعنی اس کا مہر اتنا مقرر کیا ہے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ تمہیں مبارک کرے! ولیمہ کی دعوت کرو، اگرچہ ایک بکری ہی ہو۔''

(مشکوٰۃ جلد۲ صفحہ ۷۷)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ''اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ'' کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ ولیمہ ضرور کرو۔ اگر اس کے لئے صرف ایک بکری میسر آئے تو وہی ذبح کرو۔

اس کے علاوہ عملی طور پر بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے نکاح کے وقت ولیمہ فرمایا۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

﴿مَا اَوْلَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَحَدٍ مِنْ نِسَائِهٖ مَا اَوْلَمَ عَلٰى زَيْنَبَ، اَوْلَمَ بِشَاةٍ﴾ (مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۲۷۸)

ترجمہ: ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی کے نکاح پر ایسا ولیمہ نہیں کیا جیسا کہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کے موقع پر کیا کہ ایک بکری کے ذریعہ ولیمہ کیا۔''

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ صرف حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری ذبح کر کے ولیمہ کیا۔ جو بذات خود معمولی درجہ کا ولیمہ تھا۔ لیکن دوسری ازواج مطہرات سے نکاح کرتے وقت جو ولیمہ فرمایا وہ اس سے بھی مختصر اور معمولی تھا۔ جیسا کہ اگلی احادیث سے صاف ظاہر ہو رہا ہے۔ چنانچہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ولیمہ فرمایا اس کے بارے میں روایت ہے:

''حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ خیبر سے واپسی پر ابھی آپ سفر میں ہی تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا اور ان کے ساتھ شب باشی کی پھر (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر) میں نے مسلمانوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ولیمہ کی دعوت دی۔ اور اس ولیمہ میں روٹی گوشت کچھ نہیں تھا۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دستر خوان بچھانے کا حکم فرمایا۔ پھر لوگوں نے اس دستر خوان پر کھجور، پنیر اور مکھن وغیرہ جمع کر دیا (یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ولیمہ تھا)۔'' (مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۲۷۸)

گویا کہ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی طرف سے کسی چیز کا انتظام نہیں کیا، بلکہ ہمراہیوں کے پاس جو کچھ کھانے کی اشیاء تھیں وہ لے آئے، دستر خوان پر رکھ دیں، سب نے ساتھ مل کر ان کو کھا لیا۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ولیمہ ہو گیا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کے وقت صرف ستو اور کھجور کے ذریعے ولیمہ کیا۔

> ”حضرت صفیہ بن شیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے نکاح کے موقع پر صرف دو مد جو کے ذریعہ ولیمہ فرمایا۔“

(مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۲۷۸)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر یہ واضح کر دیا ہے کہ ولیمہ کرنا اگرچہ میری سنت ہے۔ لیکن اس میں سادگی اختیار کرنا بھی میری سنت اور میرا طریقہ ہے۔ اگر کوئی شخص ولیمہ میں سادگی چھوڑ کر تکلفات اختیار کرے گا، تو وہ حقیقت میں میری سنت کو ادا کرنے والا نہیں ہوگا۔

اِک نظر اِدھر بھی!

اب ذرا ہم اپنے گھروں میں ہونے والی شادیوں پر نظر ڈالیں کہ ایسے مواقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت کو کیا حیثیت دی جاتی ہے۔ کیا اس کی ادائیگی ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کے مطابق کرتے ہیں؟ یا سنت کا نام لے کر اپنے من مانے انداز میں اسے انجام دے کر اس سنت کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس ایک سنت پر عمل کرنے کے نام سے ہم کتنے بڑے بڑے گناہوں کے

مرتکب ہوتے ہیں، اس کا مختصر سا جائزہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

فرض سے زیادہ سنت کا اہتمام

وہ حضرات جو اپنی یا اپنی اولاد کی شادی کے موقع پر ولیمہ مسنونہ کا اہتمام کرتے ہیں، وہ ذرا اپنی روزمرہ کی زندگی کا جائزہ لیں کہ شریعت کی جانب سے ان پر جو فرائض و واجبات عائد ہوتے ہیں۔ وہ ان کو بھی ادا کر رہے ہیں یا نہیں؟

کیا وہ نماز، روزہ، زکوۃ اور حج کے فرائض کا بھی اہتمام کرتے ہیں؟

کیا وہ اپنے ماں باپ، بیوی بچوں اور عزیز و اقارب کے حقوقِ واجبہ ادا کر رہے ہیں؟

کیا وہ اپنے پڑوسیوں کے حقوق ادا کر رہے ہیں؟

ان کے علاوہ دوسرے فرائض و واجبات جو ان پر عائد ہو رہے ہیں، ان کو ادا کر رہے ہیں؟

اگر نہیں ادا کر رہے تو ان کو چاہیئے کہ پہلے ان کی ادائیگی کی فکر کریں اس لئے کہ اگر ان فرائض اور حقوقِ واجبہ کو ادا نہیں کیا تو قیامت کے روز ہم سے باز پرس ہوگی کہ ان کی ادائیگی کیوں نہیں کی؟ جب کہ کسی سنت کے ترک ہو جانے پر ایسا مواخذہ نہیں ہوگا۔ چنانچہ اگر ان فرائض کو تو ادا کر دیا، لیکن ولیمہ مسنونہ صحیح طریقے پر ادا نہ ہو سکنے کی وجہ سے چھوڑ دیا، تو قیامت کے دن آپ سے یہ سوال نہیں ہوگا کہ تم نے ولیمہ کیوں نہیں کیا تھا؟

مگر ہمارے طرزِ عمل سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت نے جو فرائض و واجبات ہم پر عائد کئے ہیں وہ تو ضروری نہیں رہے، البتہ یہ سنت فرض ہوگئی ہے خواہ کسی بھی طریقہ سے ہو بس ہونی چاہیئے۔ یہ بات بہت خطرناک ہے کہ شریعت کے کسی بھی فعل و عمل کی حیثیت میں تبدیلی کر لی جائے۔ اس سے بچنا

ضروری ہے۔

قرض لے کر ولیمہ کرنا

ولیمہ کرنا سنت ہے، لیکن اس وقت جب آپ کے اندر ولیمہ کرنے کی وسعت اور گنجائش ہو۔ اگر آپ کے پاس اتنی وسعت اور گنجائش نہیں، آپ ولیمہ نہ کریں۔ اس میں شرعاً ہرگز کوئی قباحت نہیں۔ لیکن موجودہ معاشرے میں ولیمہ کو عزت کا مسئلہ بنا لیا گیا ہے، اپنی عزت بچانے کی خاطر ولیمہ ضرور کرتا ہے، چاہے اس کے لئے ہمیں بھاری قرض ہی لینا پڑے۔ اس لئے کہ اگر ہم نے ولیمہ نہ کیا تو خاندان، کنبہ اور برادری کے لوگ ناک منہ چڑھائیں گے، برا بھلا کہیں گے اور یہ طعنہ دیں گے کہ اگر تم نے ولیمہ نہ کیا تو ہم بھی تمہیں اپنے یہاں نہیں بلائیں گے۔ سسرال والے یہ طعنہ دیں گے کہ کیا کسی بیوہ سے نکاح کیا ہے کہ صرف نکاح کر لیا، ولیمہ کا کھانا بھی نہیں کیا۔

اور جس کی شادی ہو رہی ہے وہ یہ سوچتا ہے کہ شادی کون سی روز روز ہوتی ہے۔ زندگی میں ایک ہی بار تو یہ موقع آتا ہے، لاؤ ذرا دل کی بھڑاس نکال لیں۔ چنانچہ وہ دوسرے اخراجات کے علاوہ ولیمہ کے لئے بھی بھاری اخراجات اپنے سر لے لیتا ہے۔ اور اگر وہ اپنے پاس ان خراجات کی گنجائش نہیں پاتا تو دوسروں سے قرض لے کر ان اخراجات کو پورا کرتا ہے۔ اس طرح ولیمہ کرنے سے نام تو ہو جاتا ہے کہ ماشاء اللہ خوب دعوت ولیمہ کی ہے، چند روز کے لئے واہ واہ ہو جاتی ہے۔ لیکن وہ قرض جو سر پر آگیا ہے، سانپ بن کر ڈستا رہتا ہے۔ اب ہر وقت قرض کا تقاضا کرنے والے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ زندگی کا چین وسکون سب رخصت ہو جاتا ہے۔

یہ سب اس لئے ہوا کہ ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سادہ طریقہ پر ادا نہیں کیا۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قرض لے کر ولیمہ کیا تھا؟ ہرگز نہیں کیا۔ تو ہم قرض لے کر ولیمہ کیوں کرتے ہیں؟ کیا سنت پر عمل کرنے کے لئے کرتے ہیں؟

ہرگز نہیں۔ بلکہ اپنا جی خوش کرنے کے لئے، دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے خاندان اور برادری کو خوش کرنے کے لئے اور نام ونمود کی خاطر ایسا ولیمہ کرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب اس ولیمہ کے اندر ہمارے اپنے مفادات شامل ہوں گے اور اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقصود نہ ہوگی تو پھر اس ولیمہ کے ذریعہ ہمیں پریشانیاں ہی ملیں گی۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے کے ثواب کا حصول تو بہت دور کی بات ہے۔ آج کل کے دور میں ایسے لوگ بہت کم رہ گئے ہیں جن کا مقصد دعوت ولیمہ سے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ثواب حاصل کرنا ہو۔

مختصر ولیمہ

آج کے دور میں جب ولیمہ کی دعوت دی جاتی ہے تو کوشش یہ ہوتی ہے کہ تمام عزیز واقارب، واقف کار، دوست احباب، اڑوس پڑوس اور دور دراز کے تمام واقفین کو بھی دعوت دی جائے۔ ان سب کو دعوت دینے کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ ایک طرف تو خوب نام روشن ہوگا اور واہ واہ ہوگی کہ اتنی بڑی دعوت کی، اتنے ہزار افراد کو بلایا۔ ان کے پاس بڑی دولت ہے۔ حالانکہ اندر کا حال ان کو کیا معلوم، کہ اتنی بڑی دعوت صرف قرض کے بل بوتے پر کی جارہی ہے۔ بلکہ آج کل تو سب ہی کو اس کا اندازہ ہوجاتا ہے کہ یہ سب کچھ رونق کسی کی جوتیوں کا طفیل ہے۔

اور دوسرا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر ان سب کو ہم نے دعوت نہیں دی تو کل کو

یہ طعنہ دیں گے کہ فلاں کو بلایا، ہم کو نہیں بلایا، اگر ہمیں دعوت دیتے تو کیا کمی واقع ہو جاتی۔ بس اس طعنہ سے بچنے کے لئے یہ کوشش کی جاتی ہے کہ کوئی دور کا عزیز یا دوست اور محلہ دار بھی اس دعوت سے نہ رہ جائے۔

لیکن اس سلسلہ میں بھی ہم یہ نہیں دیکھتے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح ولیمہ فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کتنے افراد کو ولیمہ کی ضیافت میں شرکت کی دعوت دیا کرتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل تو یہ تھا کہ موقع پر جتنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جمع ہوتے، بس ان کو کھلا کر ولیمہ کر دیتے۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۷۷)

اس چیز کا تکلف نہیں تھا کہ فلاں شخص کو بھی بلاؤ اور فلاں کو بھی بلاؤ۔ نہ وہاں اس بات کا تصور تھا کہ اگر فلاں کو نہیں بلایا تو وہ ناراض ہو جائے گا۔

اب اگر ہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر عمل کرتے ہوئے ولیمہ میں زیادہ بھیڑ بھاڑ جمع نہ کریں، بلکہ اختصار اور سادگی کے ساتھ بقدر گنجائش چند افراد کو کھانا کھلا کر دعوت ولیمہ کی سنت ادا کر دیں، تو اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ سنت پر عمل کرنے کا ثواب بھی مل جائے گا، اور بہت سی زحمتوں اور تکالیف سے حفاظت بھی ہو جائے گی۔

البتہ ہو سکتا ہے کہ اس صورت میں چند روز خاندان اور برادری کے لوگ آپ کو برا بھلا کہیں۔ بہت سے لوگ طعنہ دیں۔ تو اس کا واحد علاج یہی ہے کہ آپ ان کے کہنے کی پرواہ نہ کریں اور یہ سوچ لیں کہ میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کر رہا ہوں۔ اگر سنت پر عمل کرنے کے نتیجے میں مجھے کوئی طعنہ دے یا کڑوی کسیلی باتیں سنائے تو کوئی پرواہ نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ چین و سکون کی زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو اس کا راستہ صرف یہی ہے کہ شریعت کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو کام آپ اپنے حق میں

بہتر سمجھتے ہیں، وہ کر گزریں۔ کسی کی طعن و تشنیع کی بالکل پرواہ نہ کریں؛ بلکہ ہمت اور حوصلہ کے ساتھ اس فضول طعنہ زنی کا مقابلہ کریں۔

یاد رکھیں! اگر آپ نے اپنے اندر ہمت اور حوصلہ پیدا نہیں کیا تو آپ زندگی میں کوئی کام نہیں کر سکیں گے۔ بلکہ جہاں آپ نے کسی کام کے کرنے کا ارادہ کیا، وہیں لوگوں نے طعنہ دینا شروع کر دیا۔ بس آپ نے فوراً وہ کام ترک کر دیا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کے اندر ہمت اور حوصلہ نہیں ہے۔ آپ اپنی مرضی پر خود عمل نہیں کر سکتے۔ آپ دوسروں کی خواہشات پر چلنے والے ہیں۔ یاد رکھیے! ایسا شخص دنیا میں اپنا کوئی مقام نہیں بنا سکتا۔ نہ کوئی بڑا مرتبہ یا بڑا منصب حاصل کر سکتا ہے دنیوی طور پر بھی کامیاب انسان وہی ہوتا ہے جو اوروں کی مرضی کے تابع ہونے کی بجائے ان کو اپنی مرضی کے تابع کر دے۔

لہٰذا آپ دین شریعت کے معاملہ میں حوصلہ مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دینی امور پر دوسروں کو بھی چلانے کی کوشش کریں اور خلافِ شریعت باتوں میں ان کے پیچھے نہ چلیں۔

اور یہی ہمت اور حوصلہ آپ ولیمہ کی دعوت میں بھی اختیار کریں۔ آپ اگر اپنی وسعت کے مطابق قرض لئے بغیر عزیز و اقارب کو دعوت دے سکتے ہیں، دعوت دیں۔ دعوتِ ولیمہ کرنا سنت ہے، لیکن اس دعوت کے لئے قرض لینے کی ہرگز ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ وہ قرض طوق کی طرح آپ کے گلے میں اٹکا رہے گا۔ لہٰذا قرض لے کر ولیمہ کرنا اور پھر اس کو اتارنے کی فکر میں لگ جانے سے بہتر یہ ہے کہ آپ سادگی سے بقدرِ وسعت ولیمہ کر لیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس طرزِ عمل سے آپ کو ولیمہ کی سنت کا پورا پورا ثواب بھی ملے گا اور سنت کی ادائیگی کی برکت اور مسرت بھی شاملِ حال ہوگی۔

دعوت ولیمہ میں کھانے کی اقسام

دعوت ولیمہ میں دوسری زیادتی یہ کی جاتی ہے کہ بجائے اس کے کہ صرف ایک ہی قسم کا کھانا پکا کر دعوت کر دیں بلکہ یہ کیا جاتا ہے کہ کئی قسم کے کھانے تیار کرائے جاتے ہیں۔ اگر بریانی اور زردہ ہے تو اس کے ساتھ قورمہ، شیر مال اور نان بھی شامل کیا جاتا ہے۔ پھر اس پر بھی اکتفا نہیں کیا جاتا، بلکہ کھیر، یا انڈے کا حلوہ یا کسٹرڈ وغیرہ جیسی بے شمار چیزیں شامل کرنا بھی ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اور پھر قورمہ بھی مرغی کے گوشت کا ہونا ضروری ہے، گائے کا گوشت اپنی شان سے کمتر خیال کیا جاتا ہے۔ چاہے اخراجات کتنے ہی زیادہ ہو جائیں، لیکن قورمہ مرغی کا ہونا ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ اس کا مقصد صرف اپنی بڑائی اور اپنی دولت مندی کا اظہار ہوتا ہے، حالانکہ ان چیزوں سے کوئی شخص کتنا بھی بڑا بننے کی کوشش کرے وہ کبھی بڑا نہیں بن سکتا۔ وقتی طور پر تو لوگ واہ واہ کر لیں گے، آپ کی بڑائی کے گیت گائیں گے، لیکن اس کے آگے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس قسم کی پرتکلف دعوت سے لوگوں کے دلوں میں آپ کی طرف سے حسد پیدا ہو جائے اور لوگ آپ کی دولت دیکھ کر آپ کے دشمن ہو جائیں۔

لہٰذا ان تمام تکلفات کو چھوڑ کر سادگی سے ولیمہ کیجئے اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کیجئے۔ ہاں! اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مالی وسعت عطا فرمائی ہے تو پھر ولیمہ میں ایک دو قسموں کے کھانے کھلانے میں بھی ان شاء اللہ کوئی حرج نہیں ہوگا بشرطیکہ تفاخر اور اپنی دولت مندی اور بڑائی کا اظہار مقصود نہ ہو۔ یاد رکھیے! اسلام کے دو اہم جوہر ہیں، سادگی اور جفاکشی، خود بھی ان کو اپنائیں اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیں۔

دعوتِ ولیمہ کے لئے کارڈ

ولیمہ میں ایک اسراف یہ بھی عام ہے کہ لوگوں کو دعوت دینے کے لئے قیمتی اور نفیس قسم کے کارڈ چھپوائے جاتے ہیں۔ کوشش یہ ہوتی ہے کہ ایسا کارڈ چھپوائیں جو بالکل ممتاز ہو، اس سے پہلے کسی نے اس طرح کا کارڈ نہ چھپوایا ہو۔ اور ہزاروں روپے صرف کارڈوں پر خرچ کر دیئے جاتے ہیں۔ حالانکہ اس سے مقصد صرف دعوتِ ولیمہ کی اطلاع دینا ہوتا ہے اور یہ اطلاع زبانی بھی دی جاسکتی ہے، اس کے لئے کارڈ چھپوانا کوئی ضروری نہیں۔

اور کارڈ پر پہلے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" لکھوایا جاتا ہے اور اس کے نیچے بڑی سرخی میں لکھا جاتا ہے "ولیمہ مسنونہ" لیکن اس پوری دعوت میں جو خرافات اور خلافِ شریعت امور انجام پاتے ہیں، وہ اس لفظ "مسنونہ" کا صراحۃً مذاق اڑانے کے مترادف ہیں۔ کہاں ولیمہ مسنونہ اور کہاں موجودہ دور کی دعوتِ ولیمہ۔

پھر جب وہ کارڈ مدعوئین کے پاس پہنچتے ہیں، تو صرف ایک مرتبہ ان کو پڑھنے سے ان کو دعوت کی اطلاع ہو جاتی ہے اور اس کارڈ کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کارڈ کا کیا مصرف ہے؟

آگے اس کا کوئی مصرف نہیں ہوتا۔ بس اب یہ ردی کی ٹوکری اور پھر کوڑے کرکٹ کے ڈھیر میں اضافہ کا باعث بن جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کارڈ پر تحریر شدہ بسم اللہ اور مبارک ناموں کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ اس بے حرمتی کی وجہ سے تمام داعین اور مدعوئین گناہ گار اور اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق بن جاتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر ہم دعوت دینے کے لئے بجائے کارڈ چھپوانے کے صرف زبانی دعوت دینے پر اکتفا کر لیں اور کارڈ کے چھپوانے میں جو اخراجات آتے ہیں اس

سے کسی غریب، مفلس نادار کی مدد کریں تو ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت اور ثواب کے مستحق ہو جائیں گے۔

البتہ آج کل کا دور چونکہ مشینی دور ہے، ہر شخص مشین کی طرح اپنے کام میں مصروف ہے، اور ہر شخص کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ بذات خود تمام مدعوئین کے پاس جا کر زبانی دعوت دے۔ جب کہ کارڈ کے ذریعے دعوت میں یہ آسانی ہے کہ خود جانے کی ضرورت نہیں، بلکہ کسی بھی ذریعہ سے کارڈ ان تک پہنچ جائے تو اس کو کافی سمجھا جاتا ہے۔ (حقیقت اس کے برعکس ہے۔ کارڈ بذریعہ ڈاک، بلکہ داعی کے علاوہ گھر کے کسی دوسرے فرد سے وصول کرنا بھی توہین تصور کیا جاتا ہے) اس ضرورت کے پیش نظر اگر کارڈ چھپوانا ناگزیر ہو تو پھر سادہ کاغذ پر سادہ عبارت میں دعوت کی تحریر لکھ کر اس کی فوٹو اسٹیٹ کر والیں یا زیادہ مقدار ہے تو طباعت کروالیں، لیکن اس کے لئے قیمتی قسم کا کارڈ اور لفافہ استعمال کرنے کی قطعی ضرورت نہیں، اور نہ اس پر "بسم اللہ" تحریر کی جائے۔ بلکہ صرف "۷۸۶" لکھنے پر اکتفا کرلیں۔

ولیمہ کی سنت اور ویڈیو فلم کی لعنت

اوپر جن خرابیوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ تو ایسی ہیں جو طویل عرصے سے ہمارے معاشرے میں رائج ہیں اور اب ہم ذرا ان برائیوں کی طرف آتے ہیں جن کا رواج گزشتہ چند سالوں سے پڑا ہے۔ ان میں سرفہرست "ویڈیو فلم" ہے۔

ویڈیو فلم ہماری ہر تقریب کا لازمی جزو بن چکی ہے۔ آج کے دور میں شاید ہی کوئی دعوت ہوگی جو اس لعنت سے پاک ہو۔ ورنہ ہر دعوت چاہے وہ ولیمہ ہو یا عقیقہ، نکاح ہو یا کوئی دوسری دعوت، اور چاہے وہ کسی رئیس اور مالدار گھرانے میں ہو، یا کسی غریب اور مزدور کے گھر میں، کوئی بھی اس نحوست سے خالی نہیں۔ آئیے

ہم ذرا اس کی برائیوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

ویڈیو فلم بنانے کے لئے کسی فلم میکر کو بلایا جاتا ہے جو پوری تقریب کی فلم تیار کرتا ہے۔ اس کیساتھ دو تین ہیلپر ہوتے ہیں جو سرچ لائٹ اور تار وغیرہ اٹھانے کا کام سرانجام دیتے ہیں۔ عام طور پر یہ سب بالکل اجنبی اور غیر محرم لوگ ہوتے ہیں ان کو اس دعوت میں ہر جگہ جانے کی عام اجازت ہوتی ہے چاہے وہ مردانہ حصہ ہو یا زنانہ حصہ ہو، اور صرف اجازت ہی نہیں ہوتی، بلکہ انہیں ان تمام حصوں میں جانے کی باقاعدہ ہدایت کی جاتی ہے۔ کہ فلاں کی ویڈیو بھی آنی چاہیئے، فلاں جگہ ابھی باقی ہے۔ حتیٰ کہ مردانہ زنانہ حصوں کا کوئی کونہ اور کوئی فرد ایسا باقی نہیں رہتا، جس کی تصویر اس فلم میں نہ آئی ہو۔ اور صرف ایک مرتبہ ہی نہیں، بلکہ مختلف پوز میں کئی کئی شاٹس لئے جاتے ہیں، تا کہ ہر شخص کی فلم، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، پوری طرح تمام زاویوں کے ساتھ آ جائے۔

ظاہر ہے کہ اس طرح آزادی کے ساتھ اجنبی مردوں کا عورتوں کے درمیان گھومنا پھرنا بہت ہی زیادہ بے غیرتی اور بے حیائی کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے اور اپنے آپ کو اور تمام خاندان والوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور اس صورت میں فتنہ اور برائی کا اندیشہ اور زیادہ قوی ہو جاتا ہے جب نوجوان لڑکیاں مکمل میک اپ اور زیب و زینت کے ساتھ دعوت میں آئی ہوں۔ یہ بے غیرتی اور بے شرمی اس وقت اپنی انتہاء کو پہنچ جاتی ہے جب نوجوان لڑکیاں فلم میکر سے یہ مطالبہ کرتی ہیں کہ ان کی تصویر فلم میں بالکل نمایاں اور واضح صورت میں آئے چاہے اس کیلئے کئی پوز دینے پڑیں، تا کہ پوری فلم میں ان کا حسن و جمال، ان کا لباس، ان کا زیور، ان کا بناؤ سنگھار سب سے نمایاں ہو۔

اس کا مقصد صرف اپنی نمائش ہوتی ہے تا کہ بعد میں جب لوگ یہ فلم دیکھیں تو پوری فلم میں ہم ہی نظر آئیں اور لوگوں کی نظریں سوال کریں کہ یہ خاتون

کون ہیں، جو حسن و جمال میں دنیا کی حور معلوم ہو رہی ہے؟

یہ تو فلم کی تیاری کی کیفیت تھی۔ فلم کی تیاری کے بعد اب وہ فلم ویڈیو کیسٹ میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئی۔ اب آپ جب چاہیں اس فلم کو وی سی آر کے ذریعے دیکھ سکتے ہیں اور اس کی نقلیں بھی بنوا سکتے ہیں۔ پھر اسے اپنے پرائے، محرم و غیر محرم سب دیکھتے ہیں۔ دعوت کے دوران تو زنانہ حصہ میں جانے پر جوتے پڑنے کا ڈر تھا لیکن کیسٹ نے یہ مسئلہ بھی حل کر دیا، اب اطمینان سے گھر بیٹھے سب کو دیکھئے۔ اب عزت کو کوئی خطرہ نہیں۔

اب وہ ویڈیو کیسٹ تمام عزیز و اقارب تمام دوست احباب اور تمام پڑوسیوں کے گھر پر چکر لگاتی ہے اور اس کی پوری نمائش کی جاتی ہے اس بات کا کوئی سوال نہیں ہوتا کہ دیکھنے والے محرم ہیں یا غیر محرم، ہر شخص اس سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

بعض اوقات انسان سے بے خیالی میں کوئی ناشائستہ حرکت سرزد ہو جاتی ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ مجھے کسی نے نہیں دیکھا۔ لیکن یہ ویڈیو فلم انسان کی ہر حرکت محفوظ کر لیتی ہے، چاہے وہ حرکت شائستہ ہو یا ناشائستہ، اور انجانے میں کی ہو یا جان بوجھ کر اب وہ حرکت محفوظ ہو گئی اور سینکڑوں انسان اس کو بغور دیکھیں گے کہ کونسا شخص کیا حرکت کرتا ہوا نظر آ رہا ہے۔

موجودہ دور کی دعوتوں میں کسی شریف عورت کا شرکت کرنا انتہائی مشکل ہو گیا ہے۔ اس لئے کہ ویڈیو فلم کے رواج سے پہلے یہ سوچ کر شرکت کر لیتی تھی کہ عورتوں کا حصہ الگ ہوتا تھا کوئی بے پردگی نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے شرکت میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن ویڈیو فلم نے اس پردے کو بالکل چاک کر کے رکھ دیا ہے۔ نوجوان لڑکیوں کو تو چھوڑ دیئے، اگر کوئی ساٹھ سالہ بوڑھی عورت دعوت کے دوران کسی کونے میں خاموشی سے پان چباتی نظر آئے گی تو وہ فلم میکر اس کو بھی

نہیں بخشے گا۔ اب اس عورت کو کیا پتہ کہ میری ہر حرکت محفوظ ہو رہی ہے اور یہ حرکت بعد میں سینکڑوں غیر محرم دیکھیں گے۔

مخلوط اجتماع اور بے پردگی

کچھ عرصہ پہلے تک تو دعوت ولیمہ یا دوسری دعوتوں میں مرد اور عورت کے مخلوط اجتماع کا تصور بھی نہیں تھا۔ بلکہ مردوں اور عورتوں کے علیحدہ علیحدہ حصے ہوتے تھے۔ لیکن اب کچھ عرصہ سے یہ چیز بھی پھیلتی جا رہی ہے کہ مردوں اور عورتوں کا اختلاط بھی عام ہوتا جا رہا ہے، جو قطعاً حرام اور ناجائز ہے، اور صریحاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت کے ساتھ ایک مذاق ہے۔ اس کی سزا انسان کو آخرت میں تو ملے گی ہی اکثر اوقات دنیا میں بھی اس کا وبال آجاتا ہے۔

کھڑے ہو کر کھانا کھانا

آج ہم مغرب کی اندھی تقلید میں انسانیت کی تعریف سے نکل کر حیوانیت کی حدود میں داخل ہو چکے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے اور ہم سب کو ہدایت دے، جس کا بڑا مظاہرہ "ولیمہ مسنونہ" کے موقع پر اکثر ہوتا ہے جب جانوروں کی طرح کھڑے ہو کر، چلتے پھرتے، چھینا جھپٹی کرتے ہوئے کھانا کھایا جاتا ہے۔ اس مقدس سنت کے ساتھ استہزاء اور مذاق کرتے ہیں، بلکہ ہم تو جانوروں سے بھی گئے گزرے ہو گئے، کہ ان کے اندر آپس میں ایسی چھینا جھپٹی اور دھکم پیل نہیں ہوتی جیسی ہمارے درمیان ہوتی ہے، کہ ایک پر ایک چڑھا جا رہا ہے دھکم پیل ہو رہی ہے ہر ایک کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ سب سے پہلے کھانے کی میز تک میں پہنچوں، کہیں بعد میں ختم نہ ہو جائے۔ چنانچہ جس وقت کھانے کا اعلان ہوتا ہے کہ "کھانا تیار ہے، معزز حاضرین تشریف لے چلیں۔"

اس وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو ان معزز مہمانوں کو شاید آج کئی روز بعد کھانا میسر آیا ہے، یا یہ معزز حاضرین کسی گاؤں جنگل کے باشندے ہیں، جو کھانے کے آداب سے بالکل ناواقف اور جاہل ہیں، انہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ جب کھانے پر بلایا جائے تو کس ادب اور احترام کے ساتھ کھانے کی میز تک جانا چاہئے۔

عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ اکثریت بلکہ تقریباً تمام مدعوئین ایسے ہوتے ہیں جنہیں اس وقت ہاتھ دھونے کی سنت کا خیال تک نہیں آتا۔ اور اگر خیال آتا بھی ہے تو یہ سوچ کر اس کو دور کر دیا جاتا ہے کہ ہاتھ دھونے تک تو جگہ پر ہو جائے گی اور پھر سیکنڈ شفٹ کا انتظار کرنا پڑے گا۔ چلو، ایک معمولی سنت چھوڑ دیتے ہیں کیا حرج ہے؟

اس سلسلے میں یہ بھونڈی دلیل بھی دی جاتی ہے کہ کھڑے ہو کر کھانا کھلانے والے شاید یہ سوچ کر کھڑے ہونے کا انتظام کرتے ہوں کہ اس میں کرسیوں کے کرائے کی بچت ہو جاتی ہے۔ حالانکہ دوسرے لوازمات بلکہ فضولیات پر جو لاکھوں روپے بے دریغ خرچ کئے جاتے ہیں، اس کے مقابلے میں کرسیوں کے کرائے کی کوئی حیثیت نہیں۔ صرف چند سو روپوں کی بچت کر کے ایک حقیقی ضرورت کے انتظام کو نظر انداز کر دینا کہاں کی عقل مندی ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیاری سنت چھوٹ رہی ہے، جو اپنی جگہ ایک بہت بڑا نقصان ہے۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ کھڑے ہو کر کھانا کھلانے میں وقت کی بچت ہے۔ کیوں کہ تھوڑے وقت میں زیادہ افراد کھانے سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی ویسی ہی بھونڈی دلیل ہے۔ فضولیات میں تو بے دریغ وقت برباد کیا جائے لیکن جہاں اتباعِ سنت کا موقع آئے، وہاں تھوڑا سا وقت زیادہ لگ جانے کو وقت کا ضیاع قرار دے دیا جائے۔

بعض حضرات بیٹھ کر کھانا کھلانے میں یہ عذر بھی پیش کرتے ہیں کہ ہمارے مدعوئین کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ کھانا کھڑے ہوکر کھایا جائے۔ اس کے بارے میں عرض ہے کہ یہ عذر داری درست نہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مغربی تہذیب کے چند دلدادہ افراد کے علاوہ مدعوئین کی اکثریت کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ بیٹھ کر کھانے کا انتظام ہو۔ ان کی اس حقیقت کا اظہار اس وقت ہو جاتا ہے جب بڑے بوڑھوں کے لئے تھوڑا بہت بیٹھنے کا انتظام کیا جاتا ہے تو وہ نشستیں بہت تیزی سے پُر ہو جاتی ہیں، اور بڑے بوڑھے بیچارے دیکھتے رہ جاتے ہیں اور لوگوں کی خواہش معلوم کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ تجربۃً آدھا انتظام بیٹھ کر کیا جائے اور آدھا انتظام کھڑے ہوکر کیا جائے۔ اس وقت دیکھئے گا کہ لوگ کس تیزی سے نشستوں پر براجمان ہو جاتے ہیں اور دوسرے لوگ جن کو نشست نہیں ملے گی وہ بادلِ ناخواستہ کھڑے ہوکر برداشت کرلیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ من گھڑت عذر داریاں ہیں، جن کے پیچھے مغرب کی اندھی تقلید پوشیدہ ہیں، جو لوگ کھڑے ہوکر کھانے کا انتظام کرتے ہیں، وہ صرف اپنے آپ کو ماڈرن، تہذیب یافتہ اور ترقی یافتہ کہلوانے کی ایک گھٹیا کوشش کرتے ہیں، حالانکہ یہ لوگ اپنے اس کردار کی وجہ سے ان مسلمانوں کی نظروں میں گر جاتے ہیں، جو اسلام کو اپنا شیوہ بنائے ہوئے ہیں۔ جو مسلمان مغربیت کے دلدادہ ہیں اور مغربی تہذیب ہی کو اپنی منزل اور اپنا قبلہ کعبہ بنائے ہوئے ہیں ان کی نظروں میں بھی محض ظاہری طور پر تھوڑی سی عزت افزائی ہو جاتی ہے، لیکن حقیقت میں وہ لوگ بھی درپردہ اس کو مغربیت کی نقالی ہی کا نام دیتے ہیں یہ ہماری بڑی بدقسمتی ہے کہ جھوٹی عزت کے لئے دونوں جہانوں کے بادشاہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں سے انحراف کر کے اللہ کے دشمنوں کا اتباع کیا جائے۔ لہٰذا ایک سنت پر عمل کرنے کے لئے کفار اور مشرکین کی نقالی ایسی

ہے جیسے آگ جلانے کے لئے پانی چھڑکنا۔

بہر حال! اگر آپ قرابت داری یا دوستی کا پاس رکھتے ہوئے کسی دعوت میں شریک ہو گئے اور اس دعوت میں کھڑے ہو کر کھانے کا انتظام ہو اور آپ اس لعنت سے بچنا چاہتے ہیں تو اس کے بہت سے سہل طریقے ہیں۔ مثلاً ایک طریقہ جو بہت ہی آسان ہے وہ یہ کہ آپ کو قریب میں کہیں بھی کرسی نظر آئے، آپ فوراً کھینچ کر کھانے کی میز کے ساتھ لگا کر تشریف فرما ہو جائیں اور آرام سے بیٹھ کر کھانا تناول کرنا شروع کر دیں اور اگر قریب میں کرسی نظر نہ آئے تو پھر آپ پلیٹ میں کھانا نکال کر بیٹھنے والے ہال میں، جہاں کرسیاں لگی ہوئی ہوں، تشریف لے جائیں۔ وہاں ایک کرسی کو بطور میز استعمال کریں اور دوسری کرسی پر آرام سے بیٹھ کر تنہا کھانا تناول کر لیں۔

تقریبات میں کھڑے ہو کر کھانے پینے کے متعلق احادیث

کھڑے ہو کر کھانے پینے کے متعلق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات یہ ہیں:

❶ ﴿عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ: نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الشُّرْبِ قَائِمًا وَعَنِ الْاَکْلِ قَائِمًا﴾

(مجمع الزوائد جلد ۵ صفحہ ۱۵، رقم ۷۹۳)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پینے اور کھڑے ہو کر کھانے سے منع کیا ہے“

❷ ﴿عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ

وَسَلَّمَ اَنَّهُ نَهٰى اَنْ يَّشْرَبَ الرَّجُلُ قَائِمًا قَالَ قَتَادَةُ فَقُلْنَا فَالْاَكْلُ فَقَالَ ذَاكَ اَشَرُّ اَوْ اَخْبَثُ﴾ (مسلم شریف جلد ۲ صفحہ ۱۷۳)

ترجمہ: ’’حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع کیا کہ آدمی کھڑے ہوکر پیئے حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کھڑے ہوکر کھانا کھانے کا حکم دریافت کیا۔ تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ کھڑے ہوکر کھانا کھڑے ہوکر پینے سے زیادہ برا اور زیادہ بدتر ہے۔‘‘

ان احادیث طیبہ کی روشنی میں واضح ہوا کہ کھڑے ہوکر کھانے پینے کا جو طریقہ چل نکلا ہے، یہ غیر اسلامی ہے، سنت کے خلاف ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح تعلیمات کے خلاف ہے۔ درحقیقت یہ طریقہ دشمنان اسلام، کافروں اور مغرب زدہ لوگوں کا چلا ہوا ہے، اس سے مکمل طور پر بچنا لازم ہے۔ احادیث بالا میں کھڑے ہوکر کھانے پینے کی صاف صاف ممانعت ہے، شرافت انسانی اور تہذیب اسلامی کے مطابق کھانا کھانے کا صحیح طریقہ وہ ہے جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا ہے کہ اطمینان سے فرش پر بیٹھ کر، دستر خوان بچھا کر انکسار و تواضع کے ساتھ کھانا کھایا جائے۔

لہٰذا کھانا کھلانے کا ایسا انتظام کرنا چاہیئے جو ان تمام قباحتوں سے پاک ہو۔ اور سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ دستر خوان بچھا کر سب لوگ زمین پر بیٹھ کر کھانا کھائیں۔ اس سے بیٹھ کر کھانا کھانے کی سنت بھی زندہ ہوگی۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو جس میز کے گرد مہمان بیٹھے ہیں اس پر کھانا لگا دیا جائے اور مہمان خود اس میں سے حسب ضرورت نکال کر تناول فرمائیں، اس طرح تمام مہمان سکون و اطمینان

کے ساتھ کھانا کھا کر واپس جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

دولہا کو چند ہدایات

ہر مسلمان کو چاہیے کہ اپنی شادی یا اپنے بھائی یا بیٹے کی شادی سے پہلے اسلامی ہدایات اور تعلیمات و احکامات معلوم کرے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کے متعلق ہمیں کیا ہدایات و تعلیمات دی ہیں۔ اس کے لئے چند کتابیں ہم بتاتے ہیں جن کا مطالعہ ہر مسلمان دولہا کو اس کے والد یا سرپرست کو شادی کے موقع سے پہلے تو خصوصاً کرنا چاہئے اور بعد میں بھی یہ کتابیں مطالعہ میں رکھنی چاہئیں۔ کتابیں درج ذیل ہیں:

1. تحفۃ الزوجین یا تحفۂ زوجین .... (حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب)
2. اسلامی شادی .... (حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب)
3. اصلاح خواتین .... (حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب)
4. اسلام اور تربیت اولاد .... (مولانا حبیب اللہ مختار صاحب)
5. اسلامی شادی .... (مولانا حبیب اللہ مختار صاحب)
6. اسلامی دلہن .... (مولانا نصیر حسین نقشبندی غفوری)
7. تحفۂ خواتین.............. (مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی صاحب)
8. تحفۂ دلہن .... (از مؤلف)

ان سب ہدایات میں سے سب سے اہم ہدایت یہ ہے کہ دولہا کوشش کرے کہ شادی کی تقریب سادی ہو۔ جتنی سادگی سے شادی ہوگی اور جتنا کم سے کم خرچہ ہوگا، وہ شادی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کے موافق برکت والی ہوگی جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُ مُؤْنَةً﴾

(مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۲۶۸)

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلا شبہ برکت کے اعتبار سے سب سے بڑا نکاح وہ ہے جس میں کم سے کم خرچہ ہو۔"

اس لئے اگر دولہا چاہتا ہے کہ اس کے نکاح میں برکت ہو، اور یہ نکاح دنیا و آخرت کی بھلائی کا ذریعہ اور باعث سکون و اطمینان ہو اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا سبب ہو تو اس کو چاہیئے کہ کم سے کم خرچہ کرے۔

دور رسالت میں شادیاں اس طرح ہوتی تھیں کہ لوگوں کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ بیٹھے بیٹھے اور باتوں باتوں میں (بغیر کسی اہتمام کے) نکاح ہو جایا کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح کے سلسلے میں گزرا (صفحہ ۸۳ پر)۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو مدینہ منورہ کے سب سے بڑے مالدار تھے) اپنا نکاح اس طرح کر لیتے ہیں کہ وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کو اطلاع دینا یہ نکاح کی محفل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور خیر و برکت شریک کرانا ضروری نہیں سمجھتے۔ مگر نکاح کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تشریف لاتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے کپڑوں پر پیلا سا نشان دیکھ کر دریافت کرتے ہیں کہ یہ رنگ کیسا ہے؟

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرتے ہیں کہ میرا نکاح ہوا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں برکت کی دعا دے کر ولیمہ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ یہ واقعہ حدیث کی تمام مستند کتابوں (صحاح ستہ) میں موجود ہے۔ اسی طرح بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باتوں باتوں

میں کردیا۔ (مشکوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۷۸)

اسلامی شریعت کے مطابق نکاح کے لئے دو چیزیں لازمی ہیں، اول گواہوں کی موجودگی اور دوسرے ایجاب و قبول۔ یہ دو باتیں نکاح کے ارکان شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ دو مزید اور باتوں کا اہتمام بھی ضروری ہے، ایک عورت کا مہر اور دوسرے نکاح کا اعلان۔

یعنی نکاح اگرچہ دو گواہوں کی موجودگی میں منعقد ضرور ہو جاتا ہے مگر اس کا اعلان عام ہو جانا معاشرتی اعتبار سے ایک اچھی چیز ہے تاکہ کسی شبہ کا موقع باقی نہ رہے۔ اب رہا ولیمہ تو یہ شرعاً مسنون ہے، فرض یا واجب نہیں۔ اور ولیمہ میں گوشت روٹی بریانی کا ہونا کوئی ضروری نہیں بلکہ چند قریبی احباب یا خاص خاص لوگوں کو کوئی بھی چیز کھلا دینا یا شربت وغیرہ پلا دینا بھی کافی ہو جائے گا، جیسا کہ پہلے گزرا۔

دوسری نصیحت

دوسری اہم بات جو دولہا اور اس کے گھر والوں کو خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے یہ ہے کہ نظامِ فطرت کے مطابق اور اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے آئین و قانون کے موافق اسلام نے مالیات کی فراہمی، مکان اور مکان کے تمام لوازمات، گھر کی ضرورت کی چیزوں کی ذمہ داری، نکاح کے لئے مال خرچ کرنا، ولیمہ کرنا اور عورت کا نان نفقہ وغیرہ برداشت کرنا سب کچھ مرد کے ذمہ رکھا ہے۔ عورت پر مال خرچ کرنا ہر حال میں مرد ہی پر فرض ہے، خواہ وہ عورت خود کتنی ہی مالدار کیوں نہ ہو۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں صاف صاف ارشاد فرمایا ہے کہ مرد عورت پر اپنا مال خرچ کرتا ہے، اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر بالادستی

عطا فرمائی ہے (یعنی اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے)۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ﴾ (سورۃ النساء آیت: ۳۴)

ترجمہ: "مرد عورتوں پر بالا دست ہیں، کیونکہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ اور اس وجہ سے بھی کہ مردوں نے اپنا مال (عورتوں پر) خرچ کیا ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں مردوں اور عورتوں کے لئے جو حدود ہیں اور ان پر جو فرائض عائد ہوتے ہیں ان پر بڑے بلیغ اور معنی خیز انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ مردوں کی یہ ذمہ داری بتائی کہ اخراجات سے متعلق جن میں عورت کے حقوق بھی شامل ہیں، ان سب میں مال کی فراہمی مرد کا ذمہ ہے، خواہ وہ خوراک سے متعلق ہوں یا پوشاک سے یا گھریلو اشیاء و سامان برتن وغیرہ سے۔ اسی بناء پر مرد کو گھر کا نگران اور رکھوالا مقرر کیا گیا ہے۔

عورتوں کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے شوہروں کی اطاعت گزاری کریں، ان کی غیر موجودگی میں ان کے مال و اسباب اور ان کے دیگر حقوق کی دیکھ بھال کریں۔ چنانچہ اسی آیت کے دوسرے حصہ میں ایسی اطاعت گزار عورتوں کو قرآن حکیم نیک عورتوں کے خطاب سے نوازتا ہے۔ "فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ الخ" نیک عورتیں شوہروں کی اطاعت کرنے والی ہیں۔

اسلامی قانون اور فقہ کی مشہور کتاب "ہدایہ" میں اسی بات کو وضاحت کے ساتھ اس طرح پیش کیا گیا ہے:

﴿اَلنَّفَقَةُ وَاجِبَةٌ لِلزَّوْجَةِ عَلٰی زَوْجِهَا مُسْلِمَةً كَانَتْ اَوْ كَافِرَةً اِذَا اَسْلَمَتْ نَفْسَهَا اِلٰی مَنْزِلِهٖ، فَعَلَيْهِ نَفَقَتُهَا وَكِسْوَتُهَا وَسُكْنَاهَا﴾

(ہدایہ اولین صفحہ ۴۱۷)

ترجمہ: "بیوی کا خرچہ اس کے شوہر پر واجب ہے، خواہ عورت مسلمہ ہو یا غیر مسلمہ جب کہ وہ اپنے آپ کو شوہر کے حوالے کر کے اس کے گھر آجائے تو اسی وقت شوہر پر بیوی کا خرچہ، اس کی پوشاک، اور اس کے لیے رہنے کی جگہ فراہم کرنا واجب ہے۔"

رہنے کے مکان کے ساتھ مکان کی ضروری چیزوں کی فراہمی بھی شوہر کے ذمہ واجب ہے، ان چیزوں کی فراہمی پر لڑکی یا اس کے سرپرستوں کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ ان چیزوں کا مطالبہ چاہے زبان سے ہو یا معاشرہ کے رواج کی وجہ سے ہو، ہر دو وجہ شرمناک اور قابلِ ملامت فعل ہے۔

لہٰذا اب عورت پر مال کا بوجھ ڈالنا کہ وہ گھر میں بستر بھی لائے، باورچی خانہ کے برتن بھی لائے، فرنیچر بھی لائے، واشنگ مشین بھی لائے، شوہر کی ماں کو ہار بھی پہنائے، شوہر کی پانچ سو آدمیوں کے ساتھ دعوت بھی کرے، شوہر کی بہن کو انگوٹھی بھی دے، شوہر کو نکاح کا جوڑا، گھڑی، پرفیوم کا سیٹ بھی دے۔ یہ نظامِ فطرت کو بدلنا اور انسانی فطرت کو مسخ کرنا ہے، اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون کی کھلم کھلا خلاف ورزی بلکہ قانونِ خداوندی سے بغاوت کے مترادف ہے، جو فسادِ معاشرت اور فسادِ تمدن کا باعث ہے۔ اور جو لوگ قانونِ خداوندی اور قانونِ فطرت سے بغاوت کریں وہ اپنے انجامِ بد کو ضرور پہنچ کر رہیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ حقوق العباد کی پامالی یا معمولی تصرف کو بھی برداشت نہیں کرتا۔ نیز یہ بری رسم غیروں کی تقلید کرنا بھی ہے، اور مردانگی اور اس کی شرافت کے بھی خلاف ہے کہ اللہ نے اس کو فوقیت دی ہے، اب یہ دولہا بیوی کے والد سے ایک ایک چیز کی بھیک مانگتا ہے اور اس بھیک میں ملے ہوئے بستر و پلنگ پر یہ دولہا سوئے، اور اس پر فخر کرے کہ میں خوش قسمت ہوں کہ میں اپنی تعلیم کی وجہ سے بھیک مانگنے اور اپنی بولی نیلام میں لگوانے اور اپنے سسر کو قرض کے بوجھ تلے دبانے

میں سب سے زیادہ کامیاب رہا۔ اگر میری تعلیم کم ہوتی تو بولی کم لگتی، زیادہ تعلیم کی وجہ سے زیادہ بولی لگی ہے۔ (ماخوذ از مجلہ نیک نیت زمانی قصور صفحہ ۴۴)

ازدواجی زندگی کا آغاز

دولہا کی طرف سے دلہن کو پہلی رات کی نصیحت

عام طور پر ہر مرد کی زندگی میں سہاگ رات کا موقع کم از کم ایک بار تو ضرور آتا ہے، اور اس رات کا اثر پوری آئندہ زندگی پر پڑتا ہے، لہٰذا اس رات میں ایسا طرزِ عمل اختیار کریں جو آنے والی زندگی پر اچھے اثرات مرتب کر سکے۔ یوں بھی ایک مقولہ مشہور ہے، "پہلا تاثر آخری تاثر ہوتا ہے" لہٰذا اپنی بیوی کو اپنا پہلا تاثر ایسا دیں کہ وہ پہلی ہی رات میں آپ کی دین داری، محبت اور قابلیت کی قائل ہو جائے۔

ہم آپ کو ایک بہت ہی قیمتی نصیحت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ اگر آپ نے اس نصیحت پر عمل کیا تو گھروں میں ہونے والے ساس بہو کے جھگڑے ان شاء اللہ ختم ہو جائیں گے اور اس نصیحت کی اہمیت اس وقت اور بھی بڑھ جائے گی کہ جب آپ اپنی زوجہ کو اپنی والدہ اور بہنوں کے ساتھ رکھنا چاہیں یعنی ایک ہی گھر میں رکھنا چاہتے ہیں۔

تو جس طرح آپ دلہن کو پہلی بار دیکھ کر اس سے دلجوئی کی بات کریں گے یا اس کے زیور اور کپڑوں کی تعریف کریں گے وہاں تحمل اور باتوں سے اس کو یہ نصیحت بھی ضرور کریں کہ جس طرح تم زیور اور کپڑوں سے آراستہ و پیراستہ ہو کر خوش ہو رہی ہو اس سے زیادہ میں خوش ہوں گا جب تم میری نصیحت پر دل و جان سے عمل کرو گی کیونکہ تمہاری خوبیاں تمہارا سب سے بڑا زیور ہوں گی۔ وہ اہم نصیحت یہ ہے کہ۔

اگر کبھی میری والدہ یا بہنیں یا دوسری بھابیاں تم سے کسی معاملے میں ایسا برتاؤ کریں جو تمہارے نزدیک نامناسب یا برا ہو یا واقعی ان سے تمہارے معاملے میں کوئی غلطی یا زیادتی بھی ہو جائے تو اس پر چھوٹی بن کر اللہ پاک کو راضی کرنے کے لئے اور عالم آخرت میں اس پر بہت زیادہ اجر پانے کے لئے صبر کر لینا اور مجھ سے شکایت نہ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ تم بار بار مجھ سے کہو کہ آپ کی والدہ نے میرے ساتھ یہ برتاؤ کیا ہے۔ یا آپ کی بہن نے مجھے ایسا کہا ہے یا آپ کی بھابھی تو مجھ سے سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتیں یا آپ کے بھائی بہن کے بچوں نے میری فلاں چیز خراب کر دی مگر نہ آپ کی بھابھیوں نے روکا نہ آپ کی بہنوں نے یا میرے پکائے ہوئے کھانے میں آپ کی امی جان یا بہنوں نے دس عیب نکالے وغیرہ وغیرہ۔

یاد رکھنا! اگر تم نے اس طرح کی باتیں کیں تو اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوگا کہ میرا دل تم سے ہی برا ہو جائے گا اور خدا نہ کرے اگر میں نے تمہاری باتیں سن کر اور ان کو سو فیصد صحیح سمجھ کر اپنی والدہ محترمہ کی شان میں گستاخی کر دی تو ہم دونوں کی دنیا اور آخرت دونوں برباد ہو جائیں گے۔

اس لئے یاد رکھنا کہ مرد تھکے ماندے اپنے کام سے گھر میں سکون حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں۔ اگر بیویاں ساس اور نند کے جھگڑوں کی تفصیلات ان کو بتلانے لگیں تو ان کی کیا کیفیت ہوگی۔ لہٰذا تم اس سے بچنا۔ ان شاء اللہ تم خود ہی اس کے فوائد کا مشاہدہ کرو گی۔

اور دولہا صاحب! آپ اپنی والدہ صاحبہ اور بہنوں سے بھی یہ عرض کر دیں کہ باہمی شکایات آپ کو ہرگز نہ جتائیں، بلکہ انہیں خود ہی حسنِ تدبیر اور صبر و تحمل کے ساتھ نمٹا دیا کریں۔ نیز اگر آپ کی بیوی آپ سے ساس، نند کے متعلق کوئی بات کہے تو آپ اسے فوراً درس دیں کہ تم ہی اس معاملے کو صبر اور حسنِ تدبیر سے

خود ہی ختم کرلو، اس لئے کہ میں نے اپنی امی سے بھی کہہ دیا ہے کہ گھریلو جھگڑوں سے متعلق میری بیوی کی کوئی بات مجھے نہ بتلائیں۔ اس لئے کہ بسا اوقات بیوی یہ سمجھتی ہے کہ پتہ نہیں ماں کیا کیا کہہ کر ان کے کان بھرے گی لہٰذا اس سے پہلے ہی اپنے حقائق کو پیش کر دوں۔ اور ماں اس انتظار میں رہتی ہے کہ میرا بیٹا کام سے آتے ہی پہلے میرے پاس آجائے، ورنہ پتہ نہیں بہو، اس کو کیا پٹی پڑھا دے گی اس لئے اس کا حل یہی ہے کہ ان دونوں سے کہہ دیا جائے آپس میں صلح صفائی کر کے معاملہ رفع دفع کرلیں، مرد کو بیچ میں ملوث نہ کریں، کئی مرتبہ اس کا یہ نقصان دیکھنے میں آیا ہے کہ مرد تھکا ہوا اپنی ذہنی پریشانیوں اور جھمیلوں کے ساتھ گھر واپس آیا، ماں صاحبہ نے کچھ سنائی، بہن نے کچھ سنائی، بیوی نے کچھ سنائی۔ اس نے غصہ میں آکر یا تو بیوی صاحبہ کو ایسے نامناسب الفاظ کہہ دیئے جس سے زندگی بھر پورے گھر کو پچھتانا پڑا، یا والدہ صاحبہ کو کچھ ایسے نامناسب کلمات کہہ دیئے کہ انہوں نے آہ بھری کہ ہائے! اے اللہ! جس طرح ان دونوں میاں بیوی نے مجھے ستا رکھا ہے، تو بھی ان کو اس کا مزہ چکھا۔ تو پھر اس طرح والدہ کی بددعا سے دونوں میاں بیوی کی زندگی بھی برباد ہوگی اور آنے والی نئی نسل پر بھی اس کے برے اثرات پڑیں گے۔

لہٰذا جناب دولہا صاحب! آپ اس بات کو طے کرلیں کہ عورتوں کی ایسی باتیں بالکل نہیں سنیں گے، عورتوں کی تو دیکھی ہوئی باتیں بھی اس قابل نہیں کہ ان کو صحیح کہا جائے چہ جائیکہ سنی ہوئی باتیں۔ اگرچہ یہ خود ناقصات العقل ہیں، لیکن بڑے بڑے پکے خان مردوں کی عقلیں اڑا لے جاتی ہیں۔ حکیم، فلاسفر، شاعر، علامہ جو بھی ان ناوانوں کی باتوں میں آئے گا، وہ ہمیشہ کے لئے پچھتائے گا۔

اکبر بھی دبے نہ تھے دشمن کی فوج سے
لیکن شہید ہو گئے عورت کی نوج سے

ان کی ایک دوسرے کے خلاف باتیں بالکل نہ سنیں۔ اور اگر غلطی سے سن لیں تو اس کا کوئی اثر نہ لیں، بلکہ عورت کو درگزر کے فوائد اور فضائل بتائیں اور سمجھائیں کہ آج تم نبھاؤ گی تو کل تمہاری آنے والی نسل نبھائے گی، اور یہ معمولی باتیں ہیں، ان کو سوچو نہیں، ذہن سے نکال ڈالو، دنیا میں رہتے ہے تو یہ صدمات آتے رہتے ہیں۔ اصل سکون آخرت میں ہے دنیا تو پریشانیوں کا نام ہے۔ اگر اس میں تھوڑی سی راحت اور سکون مل جانے تو یہ بھی بڑی نعمت ہے۔

تو بیوی صاحبہ! اپنی ساس اور نندوں سے نبھانا، یہ کمال ہے۔ ہم تو تم کو سکون پہنچاتے ہیں، اگر ان سے واقعی کوئی تکلیف بھی پہنچ گئی ہے تو صبر کرلو۔ دنیا میں مکمل راحت و خیریت تو مل ہی نہیں سکتی۔

اور اگر بھائی بہنوں کے بچوں نے جھگڑا کیا تو وہ بھی تو ہمارے ہی بچے ہیں۔ اگر ہمارے اپنے بچے آپس میں جھگڑنے لگیں تو کیا کسی بچہ کو لاوارث ہوسٹل یا یتیم خانہ میں ڈال دیں گے؟ جس طرح ہم اپنے بچوں کو سمجھاتے ہیں، اسی طرح انہیں بھی تم پیار سے تاقی سونیت دے کر سمجھاؤ، اللہ کا نام لے کر، اپنے کھانے پینے کی چیزوں پر سات مرتبہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" پڑھ کر دم کر دو۔ یہ بہت مجرب نسخہ ہے۔ بچہ اگر بہت تیز ہو، غصہ بہت زیادہ آتا ہو، بار بار اس پر دم کریں۔ اسی طرح "یا لطیف" سات مرتبہ پڑھ کر پانی پر دم کر کے پلائیں۔

اور کیا بچوں کی وجہ سے ہم بھی بچے بن جائیں؟ ہمیں تو سمجھداری، ہوشیاری والا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ تم تو بڑی بھابھی ہو تمہیں زیادہ خیال رکھنا چاہیے۔ تم تو چھوٹی بھابیوں کے ساتھ ماں کی طرح رہو۔ کیا ماں کسی بچی کو اس کے غلط اخلاق کی وجہ سے پھینک دیتی ہے؟

اگر تم چھوٹی بھابھی ہو تو تم چھوٹی بہنوں کی طرح رہو، وہ تمہاری بڑی بہنیں

ہیں۔ کیا چھوٹی بہن کے لئے بڑی بہن کا ادب و احترام باعث عار ہے؟ چھوٹی بہن کو بڑی بہن کوئی بات کہے تو کیا وہ برا مان جائے گی؟ لہٰذا تمہیں بھی چاہیے کہ آپ ان کے ساتھ ادب والا معاملہ کرو۔ اگر انہوں نے تمہیں ڈانٹ دیا تو سمجھنا کہ تمہیں بڑی بہن نے ڈانٹا۔ اور دنیا کے تمام مذاہب اس پر متفق ہیں کہ چھوٹی کو مان کر ادب کے ساتھ چلنا چاہیے لہٰذا تم صبر کرلو اور محبت کے ساتھ رہو، اللہ تعالیٰ تمہیں عزت دے گا، اس کے بدلے تمہاری اولاد نیک بنے گی۔ بہر حال ان تدبیروں سے شوہر بیوی کو سمجھائے اور اس کی بات سن کر جذبات میں بالکل نہ آئے، بلکہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "میں تو کہتا ہوں ایسے موقعوں پر مردوں کو چاہیے کہ عورتوں کو سنا دیں کہ تم سچ بھی کہو گی تب بھی ہم جھوٹ سمجھیں گے۔" (تحفۂ زوجین صفحہ ۸۲)

لہٰذا بیوی سے سنی ہوئی بات پر والدہ یا چھوٹے بھائی بہنوں کو کچھ نہ کہیے اور والدہ اور بہنوں کی ناجائز شکایتوں کی وجہ سے بغیر تحقیق کے بیوی پر بھی ظلم نہ کیجیے۔

برائے مہربانی، اللہ کے واسطے، بیوی سے سنی ہوئی باتوں کی وجہ سے اپنی والدہ کو کبھی کچھ نہ کہیے گا کہ والدہ کی آہ نکلنے سے دنیا و آخرت دونوں برباد ہونے کا اندیشہ ہے۔ والدہ کی واقعی غلطی سامنے آ بھی جائے تو پیار و محبت سے سمجھانے کی کوشش کریں، بڑی بہن کے ذریعے سمجھایئے، بیوی سے والدہ کو ہدیے دلوایئے۔ حدیث میں آتا ہے "تَهَادَوْا تَحَابُّوا" (مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۴۰۳)

"یعنی ہدیہ لیا دیا کرو، اس سے آپس میں محبت بڑھے گی۔"

سہاگ رات

ایک ضروری وضاحت اس عنوان سے متعلق کرنا بھی ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ

نئے بننے والے دولہا ہول گھبراہٹ کے شکار ہرگز نہ ہوں۔ شادی سے قبل ناپختہ عالم یا غیر تجربہ کار دوستوں سے اس موضوع پر نہ خود کوئی بات کریں، نہ ان کی کہی ہوئی باتوں پر توجہ دیں، بلکہ صرف یہ دو کام کریں۔

❶ معتبر مفتی حضرات سے وقت لے کر ان کی خدمت میں جائیں۔ ایک تو نمبر وار مسائل نوٹ کر لیں اور وہاں پوچھ لیں تاکہ زوجہ کے ساتھ کے معمولات معاملات میں شرعی اور مسنون طریقہ کار آپ کے سامنے آجائے اور نکاح سے کچھ قبل بزرگ علماء حضرات کی اس موضوع پر لکھی ہوئی کوئی مستند کتاب مطالعہ میں رکھیں اور مشکل مقام پر نشان لگا کر رکھ لیں پھر جا کر ان سے سمجھ لیں۔

❷ دوسرا کام یہ کریں کہ اللہ تعالیٰ سے ہر معاملے میں آسانی کی دعائیں کرنے کے ساتھ اپنی کسی سنجیدہ سوچ والے شادی شدہ قریبی باعتماد دوست یا قریبی رشتہ دار سے ضرورتاً کچھ تجربہ کی باتیں معلوم کر لیں اور بس ....۔

اور ان کے پاس بھی بار بار نہ جائیں اور ایک دو بار سنجیدگی اور سلیقے کے ساتھ کسی اہم معاملہ پہ راہنمائی حاصل کر لیں اور بات ختم۔ اور ایک سے زائد افراد کے پاس تو یہ موضوع لے کر ہرگز نہ جائیں ورنہ سب اپنی اپنی ہانکیں گے اور سوائے آپ کا ذہن خراب اور دل تشویش زدہ ہونے کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ انگریزی کی مشہور مثل ہے۔

(Too many cooks spoil the dish) (یعنی بہت سارے باورچی پکوان کو بگاڑ دیتے ہیں)۔

دوسرا بڑا نقصان بہت سوں سے مشورہ کرنے کا یہ ہوگا کہ پھر ان سب کو مذاق سوجھے گا اور کرید کی عادت والے تو خاص طور پہ اس مرحلہ اور موقع کے آجانے کا انتظار کریں گے کہ ارے یہ فلاں کی شادی ہوئی یا نہیں، ذرا اس سے ملنے چلتے ہیں۔ پتہ نہیں کیا گزری، چلو باتیں کر لیں ذرا دل لگی رہے گی وغیرہ،

نکاح سے دو ہفتے قبل بڑا گھبرایا ہوا، حیران پریشان تھا۔ اب آپ بتایئے کئی لوگوں کے سامنے طفلِ مکتب بن کر جانے کا کیا فائدہ ہوا؟ خود اپنا ہی ذہن الجھایا ......

بس بہتر طریقہ وہی ہے جو ہم نے بتایا کہ ضروری کتابیں پڑھ لیں اور ضرورت کی وجہ سے اپنے پاس رکھ لیں، مشکل مقام پر نشان لگا لیں اور محقق مفتی صاحب کے پاس جا کر مکمل مسئلہ سمجھ لیں اور کسی ایک سلجھے مزاج والے دوست (خواہ وہ رشتہ دار ہی ہوں) سے رابطہ رکھیں۔ اور کوئی ضروری بات ان سے سمجھ لیں۔

صرف اتنا کام کر لینے سے بھی آپ کے دل کا ہول یا انجانی سی پریشانی یا انوکھی سی گھبراہٹ خاصی کم بلکہ ختم ہو جائے گی، اور آپ ہونے والی منکوحہ کے لئے خوب دعائیں بھی کریں، اس سے خود بخود من جانب اللہ اس کے دل میں بھی آپ کی محبت پیدا ہوگی۔

دراصل ایک غم دولہا میاں کو یہ کھائے جاتا ہے کہ اگر پہلے دن میں بیوی سے مطلوبہ طریقہ پر خواہش پوری کرنے والا کام انجام نہ دے سکا، یا کوئی اور اونے پونے بات ہوگئی تو گڑ بڑ ہوگی۔ وہ اپنی سہیلی وغیرہ سے ایسے ایسے کہہ دے گی اور کہیں میری کوئی بات نہ کھل جائے وغیرہ، ..... تو یہ خواہ مخواہ کی گھبراہٹ کسی کام کی نہیں۔ کیا کوئی صرف ایک دن کے لئے آپ کا جائزہ لینے آ رہا ہے کہ آپ کتنے پانی میں ہیں۔ اسے آخر ساری عمر کا ساتھ ہے۔ اور کیا شریعت نے یہ بھی فرض اور واجب قرار دیا ہے کہ پہلی ہی رات وظیفہ زوجیت بھی ادا کیا جائے؟ بعض تھکن یا بیسیوں دوسرے اعذار کی وجہ سے یہ بات یوں بھی تو ٹل سکتی ہے، لہٰذا اس میں بالکل گھبرانے کی بات نہیں۔ یہ ایک ایسا فطری اور آسان عمل ہے کہ جتنا اس کے بارے میں آزاد رہیں گے اتنا ہی سہل ہوگا۔

ساس بہو میں محبت پیدا کرنے کا آسان نسخہ

اس کی بہت ہی آسان تدبیر یہ ہے کہ اپنی بیوی کے ذریعے اپنی والدہ کو ان کی پسند کے موافق ہدیے دلوائیے۔ جو چیز آپ والدہ کے لئے لائیں وہ بیٹے خود انہیں دینے کے بیوی کے ہاتھوں دلوائیں۔ اور جب بھی آپ کی اہلیہ اپنے میکے جائے تو اسے تاکید کریں کہ وہ واپسی پر اپنی ساس، اور نندوں اور بھابیوں اور ان کے بچوں کے لئے کچھ نہ کچھ تحفہ ضرور لے کر آئے، چاہے معمولی ہی کیوں نہ ہو مثلاً ساس کے لئے دو روپے کا پان، نندوں کے لئے پانچ روپے کا عطر جیسے اور بچوں کے لئے دس روپے کی ٹافیاں۔ اور اپنے ہاتھوں سے ان کی خدمت میں پیش کرے۔ یقیناً اس طرز پر ہدیہ دینے سے آپس میں محبت بڑھے گی اور دعائیں الگ ملیں گی۔

کیا شوہر مجازی خدا ہوتا ہے؟

شوہر کے مجازی خدا ہونے کا تصور بھی معاشرے میں عام ہے اور اسے غالباً شرعی حکم تصور کیا جاتا ہے۔ شریعت میں اس تصور کی کیا حیثیت ہے، اس کی وضاحت درج ذیل سوال و جواب سے بخوبی ہو جائے گی۔

سوال: ہفت روزہ میں "فقہی مسائل" کے کالم میں ایک عورت نے لکھا ہے کہ:

"اس کا شوہر بدصورت ہونے کی وجہ سے اسے ناپسند ہے۔ لہٰذا اس شخص کے ساتھ رہنے میں لغزش ہو سکتی ہے اور وہ خلع چاہتی ہے۔ جب کہ اس عورت کے والدین کہتے ہیں کہ شوہر کو بدصورت کہنا گناہ ہوتا ہے۔" اسے جواباً بتایا گیا کہ "شوہر کو خدا سمجھ لینے کا تصور ہندو عورتوں کا ہے، ورنہ اسلام میں نکاح طرفین کی خوشی سے ہوتا ہے اور اگر وہ عورت چاہے تو لغزش سے بچنے کے لئے خلع لے سکتی

ہے، کیونکہ نکاح کا مقصد ہی معاشرتی برائی سے بچنا ہے۔'' اب سوال یہ ہے کہ کیا واقعی شوہر کو مجازی خدا سمجھنا ہندوؤں کا طریقہ ہے؟ اگر ایسا ہے تو میں نے اب تک اپنی اطاعت گزار بیوی پر خود کو مجازی خدا اور بحیثیت مرد حاکم سمجھ کر ظلم کئے ہیں، کیا میں گنہگار ہوا ہوں؟ یا اپنی لاعلمی کی وجہ سے بے قصور ہوں؟ یا مجھے اپنی بیوی سے معافی مانگنی ہوگی کہ خدا مجھ کو معاف کر دے یا میں حق پر ہوں اور یہ بات غلط ہے کہ شوہر کو مجازی خدا سمجھنا ہندوؤں کا طریقہ ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر حاکم بنایا ہے۔ مگر نہ وہ حقیقی خدا ہے اور نہ مجازی خدا۔ حاکم کی حیثیت سے اسے بیوی پر ظلم و ستم توڑنے کی اجازت نہیں، نہ اس کی تحقیر و تذلیل ہی روا ہے۔

جو شوہر اپنی بیویوں پر زیادتی کرتے ہیں وہ بدترین قسم کے ظالم ہیں۔ آپ کو اپنی بیوی سے حسن سلوک کے ساتھ پیش آنا چاہئے اور جو ظلم و زیادتی کر چکے ہیں اس کی تلافی کرنی چاہئے۔

شوہر کو خدائی منصب پر فائز سمجھنا ہندوؤں کا طریقہ ہو تو ہو اسلام کا طریقہ بہر حال نہیں۔ البتہ عورت کو اپنے شوہر کی عزت و احترام کا یہاں تک احتیاطی حکم ہے کہ اس کا نام لے کر بھی نہ پکارے اور کسی بھی جائز حکم کو مسترد نہ کرے۔

اگر شوہر سے عورت کا دل نہ ملتا ہو، خواہ شوہر کی بدصورتی کی وجہ سے خواہ اس کی بدخلقی کی وجہ سے، خواہ اس کی بدچلنی کی وجہ سے، خواہ کسی اور وجہ سے، تو اس کو خلع لینے کی اجازت ہے۔

شوہر کے مجازی خدا ہونے کے شرعی حکم ہونے کی غلط فہمی غالباً اس حدیث سے پیدا ہوئی ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ (مشکوٰۃ جلد۲ صفحہ۲۸۱)

لیکن مذکورہ بالا سوال و جواب سے بخوبی واضح ہو گیا کہ اس تصور کا اسلامی شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔

بیوی کو شرعی احکام پر عمل کرنے سے نہ روکیں

اب ذرا ہم دو ضروری نصیحتیں ایسے افراد کو بھی کرنا چاہتے ہیں جو مکمل دیندار نہیں ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مکمل دین دار بنائے اور ہر معاملے میں جائز و ناجائز اور حرام و حلال، غلط و صحیح اور سنت و بدعت کا خیال رکھنے والا بنائے آمین!

1 آپ کی بیوی جب کہ الحمدللہ صحیح عقائد کی پابند ہے افعال، بدعات اور جہالت پر مبنی شرکیہ رسموں سے اجتناب کئے ہوئے ہے، اس کو دینی تعلیم ہی ایسی ملی ہے کہ جس خوش نصیب کو مل جائے تو کیا کہنے! تو پھر آپ صرف اس بنا پر کہ آپ اس کے شوہر ہیں، اس پر ایسے احکام کیوں لگاتے ہیں کہ "میری والدہ کے یہاں کونڈے ہوتے ہیں، تم بھی ضرور اس میں شامل ہوگی" بلکہ ساری کھیر اس دن تم سے ہی پکوائیں گے یا "محلے میں فلاں جگہ چالیسویں کی دعوت ہے۔ میں تو مصروف ہوں، تمہیں وہاں میری نمائندگی کے لئے ضرور جانا ہوگا" وغیرہ وغیرہ۔ جو چیزیں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ثابت نہیں (بلکہ بلا شبہ دین میں اضافہ ہیں) ان کے اختیار کرنے پر زوجہ کو کیوں مجبور کرتے ہیں؟ کیوں اس کو اس بھنور میں پھنساتے ہیں کہ وہ شوہر کی فرمائش یا حکم کو اللہ پاک کے حکم اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لائی ہوئی شریعت کے احکام سے متضاد پائے اور آزادی سے دینی پابندی نباہنے والی زندگی اختیار نہ کر سکے؟ آپ کو تو خوش ہو جانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فضول بکھیڑوں اور جہالت کی رسموں سے بچنے والی زوجہ صالحہ عطا فرمائی۔

۲ اگر وہ مکمل پردہ کرتی ہے اور حتی الامکان اس معاملہ میں احتیاط کرتی ہے حتی کہ کرسچن (عیسائی) نرس اور جنٹلمین کے سامنے بھی سر کے بال اور کلائیاں نہیں کھولتی (اور یہی حکم شرعی ہے) تو آپ کو کیا تکلیف ہے کہ اس پر ناراضگی کے بم برسائیں؟ اگر وہ محلے کے اپنے گھرانوں کی عورتوں سے میل جول نہیں رکھنا چاہتی جو کہ دین سے دوری یا غلط عقائد کی حامل ہیں، اور جن سے بچنا شرعاً مطلوب بھی ہے تو کیوں آپ صرف اس بنا پر کہ، ان کی دل شکنی ہوگی کہ ہماری مجلس میں اور ہماری تقریبات میں فلاں لوگ نہیں آتے، اپنی زوجہ کو ان غلط لوگوں کی غلط محافل میں بھیجنے پر اصرار کرتے ہیں؟

کسی کی دل شکنی سے بچنے کے لئے کیا اپنی ایمان شکنی کرنا صحیح ہے؟ فیصلہ ہم آپ پر چھوڑتے ہیں۔

۳ اگر وہ آپ کے بھائیوں (اپنے دیور، جیٹھ) اور اپنے اور آپ کے چچازادوں، پھوپھی، خالہ اور ماموں کے بیٹوں اور اپنے اور آپ کے خالوؤں اور پھوپھاؤں سے اور آپ کے بہنوئیوں اور ماموؤں سے مکمل طور پر پردہ کرتی ہے اور آپ کے دوستوں کے سامنے بھی نہیں آتی اور ایسی تقاریب میں جانے سے بھی گریز کرتی ہے جہاں ان سے اختلاط یا میل جول ہو تو آپ کیوں اس کو تماشائی شے بنا کر سب کے سامنے لا رہے ہیں؟ کیا اس لئے کہ وہ بھی تو اپنی اپنی بیویاں سامنے لاتے ہیں!؟ تو حضور عاجزانہ عرض یہ ہے کہ وہ اپنی والیوں کے انظارے اس لئے کرا رہے ہیں کہ بدلہ میں دوسروں کی بیویاں دیکھیں۔

تو یاد رکھیے! ان سب گندی ہوئی اور حرام حرکتوں کا انجام سوائے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور دنیا میں مختلف پریشانیوں اور بلاؤں کے نازل ہونے اور موت کے بعد جہنم میں جلنے کے سوا کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے! آمین جب وہ اپنے والدین کے پاس سے رخصت ہو کر آئی اور مکمل شرعی برقع اوڑھے ہوئے

تھی۔ یعنی صرف رکی نہیں بلکہ حتی الامکان شرع کی پابندی کے ساتھ تھی، تو آپ کیوں اس کو مجبور کر رہے ہیں کہ میرے ساتھ جب گاڑی یا موٹر سائیکل پر کہیں جانا ہو تو چہرہ کھولو یہ برقع اتار دو تم یوں شامیانہ اوڑھا کر تمہیں لے جاؤں گا۔

ہمارے بزرگ حضرت مفتی ولی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ''ارے نادانو! تم اپنی گھر والیوں کو کیوں نہیں چھپاتے؟ تمہارے لئے اس کو چھپانے ہی میں فائدہ ہے۔ تمہاری گھر والی تمہارے گھر کی زینت ہے، یا گھر گھر کی زینت ہے، اس کو چھپالو، کیوں سب کے سامنے لاتے ہو، کتنی بری بات ہے کہ مسلمان اپنی بیوی کو بے پردہ پھرائے اور بجلی، چپڑاسی، افسر سب اس کو دیکھ کر لذت حاصل کریں۔ وہ ایک کی نہیں بلکہ ان ہزاروں کی آنکھوں کی زینت بن رہی ہے، اب ہر ایک اس سے لذت حاصل کرے گا۔''

ذرا سوچئے، غور کیجئے۔ اگر آپ اپنی بیوی کو بے پردہ گھمائیں گے تو (بالفرض) سو آدمی اس عورت کو دیکھ کر گناہ گار ہوئے اور وہ سو آنکھیں اللہ کے غضب کی مستحق بنیں۔ آپ اس کا سبب بنے۔ اس طرح جنہیں بھلائی کا پھیلانے والا اور برائی مٹانے والا ہونا چاہئے تھا، برائی کے فروغ کا سبب بنے۔ اور اگر خدانخواستہ کوئی بدطینت دست درازی کی جسارت کر بیٹھا تو جو صورت حال پیدا ہوگی، وہ محتاج بیان نہیں، لیکن قصور تو بہر حال آپ کا ہی ہے، اور نقصان بھی، گھر کے اندر اگر آپ کی بیوی کا اپنے دیور، جیٹھ وغیرہ سے آزادانہ میل جول ہوا تو وہ الگ ٹھنڈی آہیں بھریں گے۔ آپ سے حسد کریں گے اور اپنی بیویوں سے جھگڑا۔ تو آپ کی بے احتیاطی ان کی بدنظری اور گناہ کا ہی سبب نہیں۔ بلکہ گھریلو ناچاقیوں کا بھی سبب بنے گی۔ لہٰذا میرے پیارے بھائی اس کی نوبت آنے سے پہلے ہی صحیح قدم اٹھا لو۔

❹ اگر وہ ایسی مجالس اور تقریبات میں نہیں جاتی جہاں تصویر، فوٹو وغیرہ کا اہتمام

ہو کہ یہ سب بالکل ناجائز اور حرام ہے تو آپ صرف اس بنا پر کہ لوگ روٹھ جائیں گے، میرے دوست کیا کہیں گے، اس کو جانے پر مجبور کیوں کرتے ہیں؟ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے فرمایا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے "کہ ارے کبھی تم تو روٹھو، تم بھی تو بہادری سے کہہ دو صاف صاف کہ ہم اس لئے نہیں آرہے کہ اگر ہم وہاں آئے تو اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم روٹھیں گے۔ اس لئے ہم ایسی دعوت میں نہیں آئیں گے۔"

بیوی کو دین دار بنانے کے لئے خود دین داری نہ چھوڑیئے

ہمیں یہ اعتراف ہے اور یہ بالکل حق بات ہے کہ بے شک اپنے صالح ہونے کا اہم جزو یہ بھی ہے کہ دوسروں کو اور بالخصوص اپنے ماتحتوں کو دیندار بنانے کی بھی بھرپور کوشش کی جائے۔ یعنی دوسروں کو نیک بنانے کی فکر اور کوشش بھی اپنی صالحیت کا جزو ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ دوسروں کو دینداری سکھلانے میں اپنی دینداری ہاتھ سے نہ چھوڑ دیں۔ یعنی طعنہ دے کر، یا چڑ دلا کر یا بات چھپا کر کہنے سے بات بنتی نہیں نیز کوئی کوتاہی اپنی بیوی میں دیکھی، کئی بار اور ایک ہوا کہ فلاں برائی پر وہ قائم ہے یا صرف اپنے ہی مزاج کے خلاف کوئی بات بار بار اس میں دیکھی، تو ایک دم چراغ پا ہونے کی ضرورت نہیں، برا کہیں نہ گالی دیں، نہ کوئی اگلے پچھلے مردے اکھیڑیں، بلکہ تحمل کے ساتھ مہذب الفاظ میں سمجھائیں، وہ بھی بعد میں جب آپ کا غصہ دور ہو جائے۔ کیونکہ غصہ میں آپ اعتدال پر رہ نہیں سکیں گے، تو اس کی اصل عذر و معذرت کی کوئی اہمیت آپ کی نگاہ میں ہوگی اور کیا معلوم آپ کسی پچھلی بات پر بھرے بیٹھے تھے اور بہانہ اس کو بنا لیا۔ لہذا ہم گزارش کرتے ہیں کہ دین کا کوئی حکم بیوی پر نافذ کرنے یا اس کو سمجھانے کی

خاطر کوئی ایسا کام نہ کر بیٹھیں جو خلاف شرع یا خلاف تقویٰ ہو۔ ہمارے بزرگوں نے تو عدالت کے قاضی اور فتویٰ کے مسند پر بیٹھے ہوئے مفتی اور یا حاکم وقت کے لئے غصہ کی حالت میں کوئی فیصلہ کرنے کو منع قرار دیا ہے۔ آپ سے ہماری ایک گزارش یہ بھی ہے کہ جب آپ مفتی حضرات سے یا بزرگ علماء صاحبان سے شرعی حدود سے متعلق کوئی مسئلہ یا فتویٰ معلوم کر کے آئیں یا کسی دینی کتاب میں آپ کو کوئی اہم قابل عمل یا واجب العمل بات مل گئی تو انہی بزرگوں سے جن سے آپ کا رابطہ ہے اس کو گھر میں گھر والوں پر نافذ کرنے کا طریقہ بھی پوچھیے، اندھا دھند نہ چلئے۔ آپ کا مزاج اگر بہت دینی اور بہت زیادہ حلال و حرام کی فکر رکھنے والا ہے تو یہ بہت مبارک اور شرعاً مطلوب بھی ہے، لیکن جن ذرائع یا راستوں سے آپ کا ایسا ذہن بنا ہے کیا آپ نے وہی سب ذرائع بیوی کو مہیا کئے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر جب وہ کسی مسئلے پر عمل کو نہ کرنے کی راہ تلاش کر رہی ہے تو اس پر برسنا یا طعنہ دینا کہاں کی عقل مندی ہے؟

آپ کے چار ماہ لگانے سے جو دینی ذہن بنا، بیوی نے تو چار ماہ نہیں لگائے۔ آپ یہ چاہیں کہ جیسے چار ماہ میں خود اعمال کے پابند ہو گئے، وہ بھی ہو جائے، یہ ایک دن میں نہیں ہوگا، لہٰذا اسے آہستہ آہستہ دین پر لانے کی کوشش کیجیے، منوانا یا منوانا نہیں بلکہ ذہن بنانا اصل کام ہے۔ آپ اس کے دل کی زمین پر ایسی محنت کریں کہ زمین خود کہے کہ مجھ میں شرعی احکام کے بیج بو دو تاکہ ایمانیات کی جڑ اور عبادات کا تنا اور فرائض، واجبات اور اعمال صالحہ کا درخت تیار ہو، پھر اس میں اخلاقیات کے پھل آئیں اور ان میں اخلاص کا رس ہو۔ تو حضرت صرف وہ ایک بیوی جس کی کسی وجہ سے دین سے دوری پر رو رہے ہیں، صرف وہ ہی نہیں آپ کی نسلیں بھی اس دینداری سے فائدے اٹھائیں گی اور اگر پہلی ہی بار میں جھٹک بیج والا ماحول آپ نے بنایا تو پیٹ بھی ضائع ہوئی اور وہ

چڑچڑے پن کی وجہ سے آپ سے اور معاذ اللہ جس دین کی طرف آپ بلا رہے ہیں، اس سے بھی دور ہوئی اور اکثر ایسے لوگ بعد میں خود بھی بہت پچھتاتے ہیں کہ ہائے! کاش فلاں وقت صرف جوش جذبے کی بجائے کسی صالح مصلح سے مشورہ کر کے اس کے نفاذ کا طریقہ بھی سمجھ لیا ہوتا!!

بیوی سے سدا نبھانے کے لئے تین سنہری اصول

اور اگر شادی ہو چکی ہے اور دیکھا نہیں تھا، یا دیکھا تھا مگر اندازہ غلط نکلا تو اس وقت اگر نبھا سکتا ہے تو بہت ہی اچھا ہے اور اگرا وادہ بھی ہو گئی ہو تو حتی الامکان پوری کوشش کرے کہ نبھائے اور اس کے نبھانے کے لئے یہ تین تدبیریں اختیار کریں۔

1. اپنی نگاہوں کی خوب حفاظت کریں، اکثر ایسا ہوتا ہے جب آدمی اپنی نگاہ کی حفاظت نہیں کرتا تو اس کی بیوی چاہے کتنی بھی خوبصورت ہو، لیکن اس کا دل بھی پاک دامن نہیں رہتا، شیطان ہمیشہ اس کو اپنے جال میں پھنسائے رکھتا ہے۔

اور یہ بیوٹی پارلر کے کرشمے اور میک اپ والی ہر عورت کو اپنی بیوی سے زیادہ حسین سمجھ کر اپنے آپ کو زندگی بھر پریشان رکھتا ہے۔ اس لئے اس مرض سے بچنے کی خوب دعائیں مانگیں۔ یہ بہت ہی برا مرض ہے، روحانیت کو تباہ کر دیتا ہے، بندے کو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ذلیل کر دیتا ہے۔ اور چچا زاد ماموں زاد بہنیں، بھابھیاں اور خاندان کی جتنی نامحرم عورتیں ہیں، ان سے بھی بطور خاص اپنی نگاہ کی خوب حفاظت کریں۔

2. یہ سوچیں کہ میری قسمت میں یہی لکھی ہوئی تھی، سب جوڑے مقدر ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے لکھے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ اب جو اللہ میاں نے لکھ دیا، اس پہ بندے کو راضی رہنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلہ پر راضی رہنا، اور اس پہ شکر

کرنا یہ بندہ کا بڑا کمال اور بڑا اعزاز ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے، اپنے شکرگزار بندوں میں شامل فرمائے۔ (آمین)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مؤمن کی وہ گھڑی بڑی منحوس ہے جس گھڑی میں وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے، مثلاً کسی نامحرم عورت کو دیکھتا ہے، اپنی حلال بیوی کو چھوڑ کر کسی کے حسن حرام پر نظر ڈالتا ہے بلکہ مؤمن کی شان یہ ہے کہ اگر کہیں اچانک نظر پڑ بھی جائے تو فوراً نظر ہٹا کر یہ کہتا ہے کہ میری بیوی سے بڑھ کر دنیا میں کوئی حسین نہیں ہے، پوری کائنات میں اس کا مثل نہیں ہے۔ لہٰذا میں اللہ پاک کی رضا پر راضی ہوں۔

۳ کبھی بھی کسی سے امید نہ رکھیں (چاہے وہ ماں باپ ہوں یا بیوی یا اولاد یا قریبی دوست وغیرہ) سوائے اللہ تعالیٰ کے کیوں کہ انسان کو جب بھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے (جو زیادہ تر اپنوں ہی سے پہنچتی ہے، اور غیروں سے تکلیف پہنچنا تو کوئی غیر معمولی بات نہیں۔) اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ اس کی کسی سے وابستہ امید پوری نہیں ہوتی۔ جب انسان کسی سے، مثلاً اپنی اولاد سے یہ امید رکھتا ہے کہ وہ میرا کہنا مانے گی اور میری خدمت کرے گی، اور وہ اولاد نافرمان ہو جائے، یا فرماں بردار ہو، مگر مزاج کے فرق کی وجہ سے اپنی مرضی کے فیصلے کرے تو تکلیف پہنچنا تو لازمی ہے۔ یہی معاملہ شوہر، بیوی کا بھی ہے۔ لہٰذا اپنی بیوی سے کوئی امید نہ رکھیں، ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کو کوئی تکلیف پہنچے گی ہی نہیں اور اللہ نہ کرے اگر کوئی تکلیف پہنچی بھی تو اس کا اثر بھی جلدی زائل ہو جائے گا۔

اپنے ذہن کا معیار بدلیے

بیوی کی محبت کا معیار کیا ہے؟ کبھی آپ نے سوچا کہ جس لڑکی کو آپ اپنی بیوی بنا کر لائے ہیں، وہ آپ کے پسند کے معیار پر پورا اترے گی؟ اگر نہیں تو یہ

آپ اس سے محبت نہیں کریں گے، اس کے حقوق ادا نہیں کریں گے؟ اس کو خوش رکھنے کی کوشش نہیں کریں گے؟ ہرگز نہیں! کیوں کہ ایسا کرنے سے آپ کی ازدواجی زندگی اجیرن ہو جائے گی۔ اور سکون بھی نصیب نہ ہوگا لہٰذا اپنی بیوی کو اپنے معیار کے مطابق ڈھالنے سے پہلے اپنی سوچ تبدیل کریں۔

ایک تو وہ معیار ہے جو آپ نے اپنے ذہن میں طے کیا ہوا ہے، یا آپ نے اپنے گھر میں، دوستوں میں دیکھا اور اسی کے اظہار، اسی کے اقرار، اسی کے نتائج کو آپ محبت کا مدار و محور سمجھتے ہیں۔ اگر وہ اس معیار پر نہیں اترتی تو فوراً یہ فیصلہ ہو جاتا ہے کہ یہ مجھ سے محبت نہیں کرتی۔ لہٰذا اس غلطی سے بچیے اور اپنی سوچ کو بدل دیجیے، ان شاء اللہ تعالیٰ آج ہی سے آپ کو آپ کی اسی بیوی سے وہ محبت ملے گی جس کے آپ مستحق ہیں۔

بیوی کی محبت کا معیار

سوال: میری شادی میری کزن سے ہوئی ہے۔ شادی سے پہلے میں اپنی بیوی سے محبت کرتا تھا۔ اس کی وجہ صرف اور صرف اس کا باپردہ اور باکردار ہونا تھا۔ ہمارے درمیان شادی سے پہلے کوئی بات نہیں ہوئی تھی، لیکن شادی سے پہلے وہ بھی مجھے بہت پسند کرتی تھی۔ یہ بات ہم دونوں جانتے تھے۔ شادی ہمارے والدین نے اپنی پسند اور خوشی سے طے کی تھی۔ شادی کے بعد جب میری بیوی گھر میں آئی تو مجھے بے حد خوشی ہوئی، لیکن شادی کے بعد میری بیوی کا رویہ میرے ساتھ ایک محبت کرنے والی بیوی کا نہیں رہا ہے۔ ہماری شادی کو ۷ سال ہونے والے ہیں۔ شادی کے بعد سے آج تک میری بیوی کا رویہ میرے ساتھ کبھی بھی ایک دوست، ایک محبت اور الفت رکھنے والی بیوی کا نہیں رہا، بلکہ مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ میرے ساتھ کسی مجبوری میں رہ رہی ہے اور اس کو مجھ سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ نہ

میری کسی خوشی اور کسی غم میں اپنے دل اور چاہت کے ساتھ شریک ہوتی ہے۔

ہر انسان جب پریشان ہوتا ہے تو یہ چاہتا ہے کہ کم از کم اس کی بیوی اس کے غم اور پریشانی میں اس کا ساتھ دے۔ وہ گھر میں آئے تو اس کا خوش دلی سے استقبال کرے۔ میرے ساتھ معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے، بلکہ وہ تو میرے سلام کا بھی جواب نہیں دیتی۔ ہمارے درمیان کسی بھی قسم کی بات چیت نہ ہونے کے برابر ہے۔ وہ میرے تمام کام ایک مشین کی طرح انجام دیتی ہے، کھانے کا وقت ہوا تو کھانا لگا دیا اور اسی طرح کے دوسرے تمام کام ایک مشین کی طرح انجام دیتی ہے اور جلد از جلد مجھ سے جان چھڑانا چاہتی ہے۔

انسان شادی اس لئے کرتا ہے کہ جہاں اسے محبت کرنے والا دوست ملے گا وہاں اس سے اپنے تمام فطری تقاضے بھی پورے کرسکے گا۔ میری بیوی کی صحت اچھی ہے لیکن اس کے دل میں میرے لئے محبت بالکل نہیں ہے۔ اگر جنسی خواہش نہ ہو تو انسان محبت سے تو پیش آسکتا ہے۔

جناب مولانا صاحب ..... میری بیوی میرے ساتھ رہنا تو چاہتی ہے لیکن ایک بیوی کی طرح نہیں بلکہ ایک خادم کی طرح۔ میں حساس آدمی ہوں اور اس مسئلے پر بہت سوچتا ہوں اور رات بھر جاگتا رہتا ہوں لیکن کوئی حل نظر نہیں آتا۔

جناب مولانا صاحب .. میں خود بھی پردے کا بڑا قائل ہوں، میں نے اپنی جائز اور حلال آمدنی سے اپنی اور بیوی بچوں کی ضروریات کا پورا خیال رکھا ہے اور خاص کر اپنی بیوی کی تمام جائز ضروریات کو بڑے اچھے طریقے سے پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ جناب کسی کو سمجھنے کے لئے ۷ سال کا عرصہ بہت ہوتا ہے لیکن جب کسی کو آپ سے محبت ہی نہ ہو تو آپ کو کس طرح سمجھ میں آئے گا۔ اگر کوئی تکلیف ہو تو اس کے بارے میں بات کی جائے تو معلوم ہو کہ اس کو مجھ

سے کیا تکلیف ہے۔ میں نے جب بھی اپنی بیوی سے معلوم کیا کہ تم کو میری ذات سے کوئی تکلیف یا شکایت ہے تو بتاؤ، اس کا ہر بار یہی جواب ہوتا ہے کہ آپ دوسری شادی کر لیں۔ ایک عورت خود یہ کہے کہ تم دوسری شادی کر لو تو اس سے میں کیا سمجھوں۔؟

جناب مولانا صاحب ...... سارا دن کاروباری مصروفیات کے بعد جب گھر پہ آتا ہوں تو گھر آ کر اپنی بیوی کے رویے کی وجہ سے اور بھی پریشان ہو جاتا ہوں اور ساری رات جاگتا رہتا ہوں، جس کی وجہ سے اب میں ذہنی طور پہ کمزور ہوتا جا رہا ہوں۔

جناب مولانا صاحب ...... شریعت کے حوالہ سے میری رہنمائی فرمائیں اور مجھے کوئی وظیفہ بھی بتائیں کہ مجھے گھریلو سکون نصیب ہو اور میری بیوی مجھ سے محبت کرنے لگے اور اپنے بچوں پہ بھی توجہ دے، میرے لئے پہلے آپ استخارہ بھی کریں اور دعا بھی کریں۔

جناب مولانا صاحب مجھے امید ہے کہ آپ اپنے بیٹے کی طرح میری رہنمائی فرمائیں گے اور جلد از جلد مجھے اس پریشانی کا کوئی حل بھی بتائیں گے۔

جواب: وہ آپ نے اپنی چاہت کی شادی کی، اس کے باوجود وہ آپ کے بلند ترین "معیار" پہ پوری نہیں اتری۔ اس پہ قصور اس غریب کا نہیں، بلکہ آنجناب کے بلند معیار کا ہے۔ چونکہ وہ عورت ذات ہے، آپ کے معیار کی بلندیوں کو چھونے سے قاصر ہے، اس لئے آپ کو شکایت ہے، اس مسکین کو کوئی شکایت نہیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ آپ اپنے معیار کو ذرا نیچا کیجئے۔

1 کون بیوی ہوگی جس کو اپنے میاں کے رنج و خوشی سے کوئی تعلق نہ ہو؟ مگر اس کا اظہار ہر شخص کے اپنے پیمانے سے ہوتا ہے، کوئی ڈھول کی طرح اظہار کرتا ہے، کوئی ہارمونیم کی نہایت ہلکی سی آواز میں اور کوئی سب کچھ اپنے نہاں خانۂ دل

میں چھپا لیتا ہے۔ کسی کو خبر ہی نہیں کہ اس کے دل پر کیا گزر رہی ہے۔ اب ہارمونیم کی نہایت خفیف اور سریلی آواز کو ڈھول کی آواز میں کیسے تبدیل کیا جائے۔

❷ آپ گھر تشریف لاتے ہیں تو آپ کا جو پرجوش استقبال نہیں ہوتا، کچھ معلوم ہے کہ وہ بے چاری گھر گرہستی کے کاموں میں کتنی مصروف رہتی؟ ذرا ایک دن کا چارج خود لے کر اس کا تجربہ کر لیجیے۔

❸ وہ آپ کے تمام کام مشین کی طرح انجام دیتی ہے اور چالو مشین کی آپ کے دل میں کوئی قدر و قیمت نہیں، کھانا پکانے کے لئے ایک خانساماں رکھیے، گھر کی صفائی وغیرہ کے لئے ایک خادم رکھیے، کپڑے دھونے کے لئے ایک لانڈری رکھیے، بچوں کی نگہداشت کے لئے ایک انا رکھیے، اور گھر کی نگرانی کے لئے ایک چوکیدار مقرر کیجیے۔ ان تمام ملازمین کی فوج کے باوجود گھر کا نظم و نسق ایسا نہیں چلے گا جیسا کہ وہ ''مشین'' چلا رہی ہے، لیکن آپ کے ذہنی معیار میں اس کی ان خدمات کی کوئی قیمت نہیں۔

❹ سات سال کا عرصہ واقعی بہت ہوتا ہے، لیکن افسوس کہ آپ نے اپنے بلند معیار کی بلندیوں سے نیچے اتر کر بیگم کے پوشیدہ کمالات کو، جن کو حق تعالیٰ نے حیا کی چادر سے ڈھانک رکھا ہے، کبھی جھانکا ہی نہیں، آپ کبھی عرشِ معلی سے نیچے اترتے تو اس فرشی مخلوق کو سمجھتے۔

❺ آپ چاہے کتنی شادیاں رچالیں، جب تک اپنے ذہنی عرشِ معلی سے نیچے نہیں تشریف لائیں گے، نہ آپ کو زندگی گزارنے کا ڈھنگ آئے گا نہ آپ کو ذہنی تسکین ہوگی۔

❻ آپ کو کسی وظیفہ یا کسی تعویذ گنڈے کی ضرورت نہیں، البتہ کسی اللہ کے بندے کی صحبت میں رہ کر انسان بننے کی ضرورت ہے۔ جب آپ کی انسانی نگاہ

جوہر شناس کھلے گی تب آپ کو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتنی بڑی نعمت اس بیوی کی شکل میں دے رکھی ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اور تمام مسلمان زوجین کے مابین محبت اور ایسی الفت عطا فرمائے، جس سے وہ دونوں مل کر خود بھی پورے دین پر عمل کریں اور اس کو پورے عالم میں پھیلانے کا ذریعہ بنیں۔ آپ بھی آمین کہہ دیجئے۔

ہرصورت میں مردوں کو اپنی بیبیوں کی قدر کرنی چاہیے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دو وجوہات کی بناء پر مردوں کو اپنی بیبیوں کی قدر کرنا چاہیے۔

ایک تو یہ کہ بیوی ہونے کی وجہ سے وہ ان کے ہاتھ میں قید ہیں اور یہ بات جوانمردی کے خلاف ہے کہ جو ہر طرح اپنے بس میں ہو، اس کو تکلیف پہنچائی جائے۔ دوسرے دین کی وجہ سے کیونکہ آپ بھی مسلمان ہیں وہ بھی مسلمان ہیں، جیسے تم دین کے کام کرتے ہو، وہ بھی کرتی ہیں اور یہ کسی کو معلوم نہیں کہ دین کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون زیادہ مقبول ہے، یہ کوئی بات ضروری نہیں کہ عورت مرد سے ہمیشہ گھٹی ہوئی ہو۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا مرتبہ مرد کے برابر، بلکہ اس سے زیادہ ہو۔ بس عورتوں کو حقیر و ذلیل نہ سمجھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ بے کس اور مجبور اور شکستہ دل کا تھوڑا سا عمل بھی مقبول فرما لیتے ہیں اور اس کے درجات بڑھا دیتے ہیں۔ (کمالات اشرفیہ صفحہ ۱۲۳)

عورتوں کی دو صفتیں قابل تعریف ہیں

فرمایا عورتیں رحم اور تعریف کی قابل ہیں۔ ان میں دو صفتیں تو ایسی ہیں کہ مردوں سے بھی کہیں بڑھی ہوئی ہیں "خدمت گزاری" اور "عفت۔" عفت تو اس وجہ سے ہے کہ مرد چاہے افعال سے پاک ہوں، لیکن وسوسوں سے کوئی شاید ہی خالی

ہو اور شریف عورتوں میں سے شاید ہی کوئی ایسی نکلے جس کے دل میں کبھی وسوسہ بھی آیا ہو۔ اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ﴾ (سورۃ النور آیت: ۲۳)

(کمالات اشرفیہ صفحہ ۲۰۶)

اپنی بیوی سے محبت کیجئے

بعض میاں بیوی جب ان کا مزاج نہیں مل پاتا تو شوہر یہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ اب گزارہ مشکل ہے، یہ میرے ساتھ نہیں چل سکتی، یا یہ کہ یہ محبت کے قابل ہی نہیں، یا بیوی کے تمام عیوب کے بڑے عنوان بنا کر بڑے بڑے حروف سے اپنی پیشانی پر لکھ دیتے ہیں کہ یہ ایسی ہے، یہ ویسی ہے وغیرہ وغیرہ۔

ان شوہروں کی خدمت میں گزارش سے پہلے ہم ان کے لئے دل سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ایسے تمام میاں بیوی کے گناہ معاف فرما کر ان دونوں میں عداوت و نفرت کے جذبات ختم فرما کر محبت و شفقت کے جذبات پیدا فرمائے۔ آمین!

قارئین سے گزارش ہے کہ آپ بھی اس دعا پر آمین کہئے اور ہو سکے تو دو رکعت نفل پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر ایسے تمام شادی شدہ جوڑوں کے لئے اور رشتہ داروں اور دوست و احباب کے لئے ضرور دعا کیجئے۔ اللہ تعالیٰ ہر گھر میں میاں بیوی کے دلوں میں محبت پیدا فرمائے کیونکہ دین و دنیا کی تمام خوبیوں اور کامرانیوں کے حاصل کرنے کا یہ ایک بہترین ذریعہ ہے۔ اب آیئے ان گزارشات کی طرف جو ہم ان میاں بیوی کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔

اللہ کی دین

یہ سوچ کر اللہ تعالیٰ کے یہاں جوڑا مقدر ہے۔ لہٰذا یہ بیوی جو میرے گھر

میں ہے، اللہ تعالیٰ کے دست کرم سے عطا ہوتی ہے۔ اور جو بھلائی ان کا دست کرم عطا کرے، اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا جو بیوی اللہ تعالیٰ نے دی ہے، اس کو ساری دنیا کی عورتوں سے زیادہ حسین سمجھئے۔ ''مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ''۔ جس میں مالک راضی اس میں ہم راضی۔

حرام سے بچنے کا واحد ذریعہ

اس بات پر یقین رکھیے کہ اللہ پاک نے حلال طریقے پر جو بیوی عطا کی ہے۔ یہ سب سے زیادہ حسین ہے اور مجھے حرام کاریوں سے بچانے کا واحد ذریعہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی بیوی سے محبت کرنا بھی صدقہ ہے۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایک شخص اپنی خواہش پوری کرتا ہے اور اس کو صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اگر یہ زنا کرے تو گناہ نہ ہوتا؟ لہٰذا جس نے حرام کو چھوڑ کر حلال اپنایا تو اس کو ثواب ملنا قریب مصلحت بھی ہے۔

(مشکوٰۃ جلد ا صفحہ ۱۹۸)

بہر حال بیوی جیسی بھی ملی، یہی حرام سے بچانے کا سبب ہے، اس پر ہی قناعت کریں اور یہ بھی سوچیں کہ اگر آپ کی بیٹی معمولی شکل و صورت کی ہو اور مزاج کی بھی تیز ہو اور داماد حسین ہو تو کیا آپ چاہیں گے کہ داماد اس کی پٹائی کرے؟ بات بات پر طعنے دے کر اس کو نفسیاتی مریضہ بنا دے؟

اس کے برعکس اگر آپ کا داماد آپ کی بیٹی کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور اس کی کسی کمی کی شکایت نہ کرے تو آپ کی نظر میں وہ داماد سب سے زیادہ محبوب نہ ہوگا؟

تو غور کریں کہ آپ کی بیوی بھی کسی کی بیٹی ہے، کسی کی آنکھوں کا نور ہے،

ایسے ہی صفت میں آپ کو نہیں ملی کسی ماں باپ نے اپنے جگر کا ٹکڑا پیش کیا ہے۔ مگر اس جگر کے ٹکڑے پر جیسا رحم کرنا چاہیے آپ ویسا نہیں کرتے لہٰذا اللہ تعالیٰ کی رضا کے واسطے ان سے اچھا سلوک کریں۔ کیا ان کے ماں باپ کا دل نہیں دکھے گا اگر ان کی بیٹی کی کسی فطری کمزوری یا معمولی خطا پر اس کے ساتھ بدسلوکی کی جائے؟

صبر کا صلہ

اللہ پاک بھی ایسے لوگوں کو اپنا دوست بنا لیتے ہیں جو اپنی بیوی کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے ہیں۔ جس زمین والے نے اپنی بیوی کی تلخ مزاجی، ترش روئی، بداخلاقی یا حسن کی کمی کو برداشت کیا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو آسمان والے نے اس کو اتنا نوازا کہ اس کو اپنا قرب عطا فرمایا۔

چنانچہ کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت شاہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی بیوی بڑی تلخ مزاج تھی۔ ایک شخص خراسان سے حضرت شاہ صاحب سے بیعت کرنے آیا اور گھر میں پوچھا کہ حضرت کہاں ہیں؟

ان کی گھر والی نے جواب دیا کہ ”کیا حضرت حضرت کرتا ہے۔ رات دن تو میرے ساتھ رہتا ہے، جانتی ہوں وہ تو بڑے حضرت ہیں۔“ (محاورہ میں کہتے ہیں کہ ان سے ذرا ہوشیار رہنا، یہ بڑے حضرت ہیں، چکر باز ہیں۔)

وہ بے چارا رونے لگا محلہ والوں سے کہا کہ میں ہزاروں میل دور سے چل کر آیا ہوں، بیوی بتاتی ہے کہ بزرگ نہیں ہیں۔

لوگوں نے کہا کہ بے وقوف اس کی سند مت لے، ان کی بیوی شاید ہی کسی کو اچھائی کی سند دے، جنگل میں جا کر ان کی کرامات دیکھ!

جب یہ شخص جنگل گیا تو حضرت شاہ صاحب شیر پر بیٹھے چلے آ رہے تھے اور ہاتھ میں چابک کے بجائے سانپ تھا۔ حضرت سمجھ گئے کہ یہ گھر سے بیوی کی جلی کٹی سن کر آیا ہے۔

فرمایا کہ اس بیوی کی تلخی برداشت کر رہا ہوں، اسی کی برکت سے یہ نر شیر میری بیگاری کر رہا ہے۔ میں اسے اللہ تعالیٰ کی بندی سمجھ کر اس کے ساتھ زندگی کی راہ طے کر رہا ہوں۔ اگر میں طلاق دیتا ہوں تو کسی اور مسلمان بھائی کو ستائے گی، اس لئے نباہ رہا ہوں۔ میں اس کو اپنی بیوی کم، اللہ تعالیٰ کی بندی زیادہ سمجھ کر اس سے اچھے اخلاق سے پیش آتا ہوں۔ اگر میں صبر نہ کرتا اور اس کی ایذاؤں کو نہ برداشت کرتا تو یہ نر شیر میری خدمت کہاں کرتا؟ اس کی پیٹھ پر بیٹھا ہوں اور لکڑیاں بھی لادے ہوئے ہوں۔ مجھے یہ کرامت اس عورت کی تکلیفوں پر صبر کرنے سے ملی ہے۔

لہٰذا آپ سے گزارش ہے کہ اپنی بیوی سے محبت کیجئے اور یاد رکھیے محبت کا جواب ضرور محبت ہی سے دیا جاتا ہے۔ ہر انسان (خواہ وہ ظاہری طور پر دوسروں سے نفرت ہی کرتا ہوا نظر آتا ہو) کے اندر محبت کی تڑپ اور پیار کی طلب ضرور موجود ہوتی ہے۔ جو شخص شفقت اور محبت کا پیاسا ہوتا ہے، وہ جب محبت پا لیتا ہے تو وہ اپنے آپ کو اہم شخصیت اور قابل فخر انسان محسوس کرنے لگتا ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ اس کا وجود کوئی بے کار شے نہیں جو پاؤں تلے روندی جاتی ہو، وہ راستے کا پتھر نہیں جسے ہر کوئی ٹھوکر مار سکے، نہ وہ ٹوٹا ہوا پتہ ہے جس کا کوئی ٹھکانہ نہ ہو اور نہ بے زبان جانور جسے کوئی جدھر چاہے ہنکا لے جائے۔

اگر بیوی کو شوہر سے پیار نہیں ملتا اور وہ محسوس کرتی ہے کہ اس کے دل میں بھی اس کے لئے جگہ نہیں، نہ شوہر کے رویے میں اس کو اپنی وقعت و عزت کی کوئی جھلک نظر آتی ہے تو اس کم نصیب عورت کے دل میں احساس محرومی کا ایسا

خلا پیدا ہو جاتا ہے جو محض پراگندہ خیالات اور بیمار جذبات سے پُر ہوتا ہے۔ رات دن وہ انہی میں گھری رہتی ہے جو اس کی زندگی اجیرن کر دیتے ہیں۔ اب اگر وہ تحصیلی چڑچڑی، بدمزاج، نافرمان، بے حیا، بے وفا اور زبان دراز بن جاتی ہے تو اس پر کوئی تعجب کی بات نہیں ہونا چاہیے۔ ایسی عورت چاہے ماں کے گھر سے یہ جذبات جہیز میں لائی ہو یا شوہر کے گھر میں آنے کے بعد یہ جذبات پیدا ہوئے ہوں۔ اس کا اصل سبب دونوں صورتوں میں یہی ہوگا کہ اسے نظر انداز کیا گیا ہے یا وہ محبت اور اپنائیت سے محروم رہی ہے۔

ایسے لوگ محبت کے ٹھکرائے ہوئے پیار کے بھوکے انسان ہوتے ہیں جن کی نشوونما اور تربیت غلط طریقہ اور تغافل پر ہوتی ہے۔ ایسی نفرت کی ابتداء ماں کی گود اور گھر کے ماحول سے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ اس قماش کے انسان ایسے خاندان میں پیدا ہوتے ہیں جہاں سب کچھ ہوتا ہے مگر خوف خدا نہیں ہوتا۔

لہٰذا مسلمان شوہر کو ہمیشہ یہ سوچنا چاہیے کہ اس کی شریکِ حیات بھی آخر انسان تو ہے۔ اس کا بھی دل ہے، احساسات ہیں، آپ کی تھوڑی سے توجہ، محبت اور پیار، اس کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے خوش مزاجی، اس کی آرائش و زیبائش کی داد و تحسین، اس کے کھانے پکانے اور سلیقہ اور ذائقہ کی تعریف سے اس بے چاری حرماں نصیب کی خزاں رسیدہ زندگی میں بہار بھی آسکتی ہے جب کہ آپ کا کچھ نقصان بھی نہیں۔

شوہر بیوی کی دل جوئی کرتا رہے تو ہر بار شوہر صاحب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتنا اجر و ثواب ملے، اگر ہمارے کسی عمل سے کسی مسلمان کا دل خوش ہو جائے، ہمارے چند بولوں سے کسی کی زندگی میں بہار آجائے تو ہمارے لئے دنیا و آخرت میں کتنی خوشی کی بات ہوگی اور پھر وہ اگر ہمارے رشتہ دار بھی ہوں تو غور کیجیے کہ دنیا ہی میں اس پر کتنا اجر و ثواب ملے گا۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحیح

بخاری میں ایک مستقل باب باندھا ہے "بَابُ اِدْخَالِ السُّرُوْرِ فِیْ قَلْبِ الْمُؤْمِنِ" "یعنی مومن کے دل میں سرور وخوشی داخل کرنا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرعاً بھی یہ بہت ہی اہم ہے بالخصوص بیوی کی تو تمام تر خوشیاں شوہر ہی سے وابستہ ہیں۔

آپ ایک بار تجربہ کے طور پر ہی بیوی سے محبت کا اظہار کر کے تو دیکھیے، بدلہ میں آپ اس کو خود سے کچھ بڑھ کر ہی پائیں گے، اس لئے کہ عورت کی فطرت ہی ایسی ہے کہ جب اسے تھوڑی سی محبت دی جائے تو وہ پوری محبت کا اظہار کرتی ہے۔ اس کی طرف سے کبھی اظہار نہ ہونا یا کم ہونا اس کی دلیل نہیں کہ اسے محبت ہی نہیں، بلکہ بعض اوقات فطری اور طبعی حیا کے باعث وہ ابتداءً اظہار نہیں کر پاتی ..... آپ ہی ابتداء کریں اور اس محبت میں ترقی کی دعا بھی کرتے رہیں۔

یاد رکھیے! یہ معمولی بات نہیں ہے، خوب سمجھ لیں، بزرگوں نے ارشاد فرمایا ہے کہ اپنی بیوی سے محبت میں بڑھتے جانا شوہر کے تقویٰ میں ترقی کی دلیل ہے کیونکہ یہ قلب کے خیالات اور اعضاء کے استعمال کے اعتبار سے پاکیزہ کردار والا شخص ہے، جس کی کل رغبت اپنی رفیقہ حیات ہی پر ہے۔

اور ہم حرف آخر کے طور پر جناب سے یہ پوچھتے ہیں کہ چلیں، اگر بالفرض وہ کچھ روکھے پھیکے مزاج ہی کی سہی، اور مانا کہ اس کی طرف سے واقعی ناگوار طرز عمل سامنے آکر تن جان کو جلا کر راکھ کر دیتا ہے، مگر صاحب بہادر! یہ تو فرمایئے کہ کیا یہ صحیح ہے کہ آپ صرف اس نسبت کو سوچ کر کہ میری بیوی ہے، میرے تابع ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو میرے تحت میں دیا ہے، اس پر برسنا شروع کر دیں؟

کیا ... اس کا اللہ کی بندی اور حضرت آدم علیہ السلام کی بیٹی اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امتی اور کسی ماں باپ کے دل کی کلی ہونا اور آپ کے دل کے خیالات بھٹکنے سے حفاظت کا ذریعہ اور آپ کی شرمگاہ کے لئے حرام سے حفاظت کا قلعہ ہونا اور آپ کے ننھے منے بچوں کی ماں ہونا، یہ تمام نسبتیں کچھ

اہمیت نہیں رکھتیں؟ ...... اگر آپ اس کو کسی نرم سے نرم جواب یا پیشانی پر بل یا کھانے میں نمک تیز یا چائے میں چینی کم پر "صرف میری بیوی ہے" کی نسبت سے اس پر غصہ اتارنے کو بہت بڑی وجہ جواز سمجھ رہے ہیں، تو جو نسبتیں ہم نے اوپر ذکر کی ہیں ان نسبتوں کی رعایت رکھتے ہوئے اس پر رحم بھی تو کیجیے۔

"احسان" اور ازدواجی زندگی

ڈاکٹر محمد عبدالحئی صاحب عارفی رحمہ اللہ تعالیٰ ہمارے زمانے کی ان درخشاں شخصیتوں میں سے تھے جو عمر بھر شہرت اور نام و نمود سے دامن بچا کر زندگی گزارتی ہیں لیکن ان کی سیرت و کردار کی خوشبو خود بخود دلوں کو کھینچتی اور ماحول کو معطر کرتی ہے۔ وہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ اور تصوف و سلوک میں ان کے خلیفہ مجاز تھے۔ چنانچہ لوگ اپنے اعمال و اخلاق کی اصلاح کے لئے ان سے رجوع کرتے اور ان کی ہدایات سے فیض یاب ہوتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک صاحب حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوئے اور اپنا حال بیان کرتے ہوئے کہنے لگے کہ "الحمدللہ، مجھے احسان کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔" ("احسان" ایک قرآنی اصطلاح ہے جس کی تشریح حدیث میں یہ کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس دھیان کے ساتھ کی جائے جیسے عبادت کرنے والا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے، یا کم از کم اس دھیان کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہے ہیں)۔ ان صاحب کا مطلب یہ تھا کہ عبادت کی ادائیگی کے دوران بحمداللہ مجھے یہ دھیان حاصل ہو گیا ہے جسے حدیث کی اصطلاح میں "احسان" کہا جاتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں انہیں مبارک باد دی اور فرمایا کہ

"احسان" واقعی بڑی نعمت ہے جس کے حاصل ہونے پر شکر ادا کرنا چاہئے۔ لیکن میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں کہ احسان کا یہ درجہ صرف نماز ہی میں حاصل ہوا ہے یا جب آپ اپنے بیوی بچوں سے یا دوست احباب سے کوئی معاملہ کرتے ہیں، اس وقت بھی یہ دھیان باقی رہتا ہے؟

اس پر وہ صاحب کہنے لگے: ہم نے تو یہی سنا تھا کہ احسان کا تعلق نماز اور دوسری عبادتوں کے ساتھ ہے، لہٰذا میں نے تو اس کی مشق نماز ہی میں کی ہے۔ اور بفضلہ تعالیٰ نماز کی حد تک یہ مشق کامیاب رہی ہے، لیکن نماز سے باہر زندگی کے عام معاملات میں کبھی احسان کی مشق کا خیال ہی نہیں آیا۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے اسی غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے آپ سے یہ سوال کیا تھا۔ بے شک نماز اور دوسری عبادتوں میں یہ دھیان مطلوب ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے، لیکن اس دھیان کی ضرورت صرف نماز ہی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ زندگی کے ہر کام میں اس کی ضرورت ہے۔ انسان کو لوگوں کے ساتھ زندگی گزارتے اور مختلف معاملات انجام دیتے ہوئے بھی یہ دھیان رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں، خاص طور پر میاں بیوی کا تعلق ایسا ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے لئے دم دم کے ساتھی ہوتے ہیں۔ ان کی رفاقت میں بے شمار اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں، بہت سی ناگواریاں بھی پیش آتی ہیں۔ ایسے مواقع بھی آتے ہیں جب انسان کا نفس ان ناگواریوں کے جواب میں ناانصافیوں پر ابھارتا ہے۔ ایسے موقع پر اس دھیان کی ضرورت کہیں زیادہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ اگر یہ احساس ایسے وقت دل میں جاگزیں نہ ہو تو عموماً اس کا نتیجہ ناانصافی اور حق تلفی کی صورت میں نکلتا ہے۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عمر کبھی اپنی ازواج مطہرات

کے ساتھ طبعی غصے اور ڈانٹ ڈپٹ کا معاملہ نہیں فرمایا اور اس سنت پر عمل کی کوشش میں، میں نے بھی یہ مشق کی ہے کہ میں اپنے گھر والوں پر غصہ نہ اتاروں۔ چنانچہ میں اللہ تعالیٰ کے شکر کے طور پر کہتا ہوں کہ "آج مجھے اپنی اہلیہ کے ساتھ رفاقت کو کیاون سال ہو چکے ہیں، لیکن اس عرصے میں الحمدللہ، میں نے کبھی ان سے لہجہ بدل کر بھی بات نہیں کی۔"

بعد میں ایک مرتبہ ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ نے از خود حضرت کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ "تمام عمر مجھے یاد نہیں ہے کہ ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے کبھی ناگواری کے لہجے میں بات کی ہو اور نہ مجھے یہ یاد ہے کہ کبھی انہوں نے مجھ سے براہ راست اپنا کوئی کام کرنے کو کہا ہو، میں خود ہی اپنے شوق سے ان کے کام کرنے کی کوشش کرتی تھی، لیکن وہ مجھ سے نہیں کہتے تھے۔"

ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ باتیں آج مجھے اس لئے یاد آگئیں کہ میں نے پچھلے ہفتے خطبہ نکاح کے پیغام کی تشریح کرتے ہوئے یہ عرض کیا تھا کہ پرمسرت اور خوشگوار ازدواجی زندگی کے لئے "تقویٰ" ضروری ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ عمل جو ہوا میں اڑنے اور پانی پر چلنے سے ہزاروں درجہ اونچے درجے کی کرامت ہے، درحقیقت اسی "تقویٰ" کا نتیجہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی عملی تصویر تھی کہ:

"تم میں سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے لئے بہتر ہوں۔" (مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۲۸۲)

بے شک قرآن کریم نے مردوں کو عورتوں پر "قوام" (نگران) قرار دیا ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات اور اپنے عمل سے یہ بات واضح فرمادی ہے کہ نگراں ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مرد ہر وقت عورت پر حکم چلایا کرے، بیوی کے ساتھ خادمہ جیسا معاملہ کرے، یا اسے اپنی آمریت کے

شکنجے میں کس کر رکھے۔ حقیقت یہ ہے کہ خود قرآن کریم نے ہی ایک دوسری جگہ میاں بیوی کے رشتے کو مودت (دوستی) اور محبت سے تعبیر فرمایا ہے، نیز اسی آیت میں شوہر کے لئے بیوی کو "سکون کا ذریعہ" قرار دیا ہے۔ (سورۃ الروم آیت ۲۱)

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میاں بیوی کے درمیان اصل رشتہ دوستی اور محبت کا ہے اور دونوں ایک دوسرے کے لئے سکون اور راحت کا ذریعہ ہیں، لیکن اسلام ہی کی ایک تعلیم یہ بھی ہے کہ جب بھی کوئی اجتماعی کام کیا جائے تو لوگوں کو چاہئے کہ وہ کسی کو اپنا امیر بنالیں، تاکہ کام نظم وضبط کے ساتھ انجام پائے۔ یہاں تک کہ اگر دو شخص کسی سفر پر جا رہے ہوں تب بھی مستحسن یہ قرار دیا گیا ہے کہ وہ اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنالیں، خواہ وہ دونوں آپس میں دوست ہی کیوں نہ ہوں۔ اب جس شخص کو بھی امیر بنایا جائے، وہ ہر وقت دوسرے پر حکم چلانے کے لئے نہیں، بلکہ سفر کے معاملات کی ذمہ داری اٹھانے کے لئے امیر بنایا گیا ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے ساتھی یا ساتھیوں کی خبر گیری کرے، سفر کا ایسا انتظام کرے جو سب کی راحت و آرام کے لئے ضروری ہو اور جب وہ یہ فرائض انجام دے تو دوسروں کا کام یہ ہے کہ وہ ان کاموں میں اس کی اطاعت اور اس کے ساتھ تعاون کریں۔

جب اسلام نے ایک معمولی سے سفر کے لئے بھی یہ تعلیم دی ہے تو زندگی کا طویل سفر اس تعلیم سے خالی کیسے رہ سکتا تھا۔

لہٰذا جب میاں بیوی اپنی زندگی کا مشترک سفر شروع کر رہے ہوں تو ان میں سے شوہر کو اس سفر کا امیر یا نگراں بنایا جاتا ہے، کیونکہ اس سفر کی ذمہ داریاں اٹھانے کے لئے جو جسمانی قوت اور جو صفات درکار ہیں وہ قدرتی طور پر مرد میں زیادہ رکھی گئی ہیں۔ لیکن اس انتظام سے یہ حقیقت نہیں بدل جاتی کہ دونوں کے درمیان اصل تعلق دوستی، محبت اور الفت کا تعلق ہے اور ان میں سے کسی کو یہ حق

نہیں ہے کہ وہ دوسرے کے ساتھ ایک نوکر کا برتاؤ کرے، یا شوہر اپنے امارت کے منصب کی بنیاد پر یہ سمجھے کہ بیوی اس کے ہر حکم کی تعمیل کے لئے پیدا ہوئی ہے، یا اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ بیوی سے اپنی ہر جائز یا ناجائز خواہش کی تکمیل کرائے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو جو قوت اور جو صفات عطا کی ہیں ان کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے اس منصب کو جائز حدود میں رہتے ہوئے بیوی کی دلداری میں استعمال کرے اور اس کی جائز خواہشات کو حتیٰ الامکان پورا کرے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بیوی کو جو مقام بخشا ہے اور اسے جو حقوق عطا کئے ہیں، ان کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی خداداد صلاحیتیں اپنے شریک زندگی کے ساتھ تعاون اور اسے خوش رکھنے میں صرف کرے۔ اگر دونوں یہ کام کریں تو نہ صرف یہ کہ گھر دنیا ہی میں جنت بن جائے، بلکہ ان کا یہ طرز عمل مستقل عبادت کے حکم میں ہے، جو آخرت کی حقیقی جنت کا وسیلہ بھی ہے۔ اسی لئے دونوں کو نکاح کے خطبے میں ''تقویٰ'' اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اسی لئے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''احسان'' کا موقع صرف نماز ہی نہیں، بلکہ میاں بیوی کے تعلقات بھی ہیں۔ (ذکر و فکر صفحہ ۲۰۲ تا ۲۰۴ از مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب)

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے ارشادات ہم نے ہدیہ قارئین کر دیئے۔ امید ہے کہ کامیاب ازدواجی زندگی کا راز آپ کی سمجھ میں آگیا ہوگا۔ اور آپ ہمیں اور حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم کو بھی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں گے۔

چھوٹی ہوئی سنت زندہ کیجیے......

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر تشریف لاتے تھے تو آپ کے لبوں پر مسکراہٹ ہوتی تھی۔ سوچنے کی

بات ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کا کتنا غم تھا اور مشاغل کی کتنی کثرت تھی کہ وفود کا استقبال کرنا، ان کو اسلام کی دعوت دینا، مسلمانوں کے آپس کے معاملات طے کرانا، ایک جہاد ختم ہوا، ابھی تلوار بھی رکھنے نہ پائے تھے کہ دوسرے جہاد کا حکم ہو گیا۔ لیکن اس کے باوجود آپ گھر تشریف لاتے تو مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ داخل ہوتے۔ (دو حقوق احسن صفحہ ۳۶)

مولانا حکیم اختر صاحب مدظلہم فرماتے ہیں کہ اپنی بیوی کے پاس مسکراتے ہوئے آنا، یہ سنت آج چھوٹی ہوئی ہے۔ جو بے دین ہیں وہ فرعون بن کر آتے ہیں بڑی بڑی مونچھیں تان کر کے، آنکھیں لال کر کے تاکہ ذرا رعب رہے، ایسا نہ ہو کہ مجھ سے کچھ کہہ دے، اس لئے اس پر رعب جمانے کے لئے نمرود و فرعون بن کر آتے ہیں۔ اور جو دین دار ہیں وہ گویا بایزید بسطامی اور خواجہ معین الدین چشتی اور بابا فرید الدین عطار بن کر آتے ہیں، مراقبہ میں آنکھیں بند کئے ہوئے، گویا عرش پر رہتے ہیں، زمین کی بات تو جانتے ہی نہیں۔ بیوی کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھیں گے ہی نہیں، بات بات پر جھڑکیں گے، وہ بے چاری بات کرنا چاہتی ہے، یہ تسبیح لئے بیٹھے ہیں۔ دن بھر وہ بے چاری آپ کی منتظر رہی اور آپ گھر آتے ہی تسبیح لے کر بیٹھ گئے یا باتوں میں یا کاروبار کی فکر میں لگ گئے یا سوالات کا انبار لگا دیا کہ یہ کام کر لیا، میں نے کہا تھا..... یہ ہو گیا؟.. اس کا کیا ہوا؟..... کیوں نہیں ہوا؟..... کیا کرتی رہی اتنی دیر سے؟..... وغیرہ وغیرہ۔

یہ دونوں رویے خلاف سنت ہیں۔ گھر میں اپنی بیوی کے پاس جائیں تو مسکراتے ہوئے جائیں، اس سے باتیں کریں، خیر خیریت دریافت کریں، اس کے کاموں میں ہاتھ بٹا کر سنت زندہ کریں اور اللہ تعالیٰ کو خوش کریں۔ تسبیحات اور نوافل سے زیادہ ثواب اس وقت یہ ہے کہ اس کا حق ادا کیا جائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "سب سے زیادہ اچھے اخلاق والا وہ ہے جس

کے اخلاق بیوی کے ساتھ اچھے ہوں۔" (کنز العمال جلد ۲۱ صفحہ ۵۵)

اور دوسری روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں:

﴿اِنَّ مِنْ اَکْمَلِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا وَّاَلْطَفُھُمْ بِاَھْلِہٖ﴾ (مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۲۸۲)

ترجمہ: "مومنین میں کامل ترین ایمان والا وہ ہے جو اخلاق میں بہترین ہو اور اپنے گھر والوں کے حق میں نرم ترین ہو۔"

ہم دوستوں میں تو خوب ہنسیں، خوب بیٹھے گپیں سنائیں اور بیوی کے پاس جا کر سنجیدہ بزرگ بن جائیں، منہ سکیڑے ہوئے جیسے ہنسنا جانتے ہی نہیں۔ وہ بے چاری تعجب میں ہے کہ یا اللہ! میں دن بھر منتظر رہی کہ رات کو یہ آئیں گے تو ہنسنے بولنے کا موقع مل جائے گا اور یہ صاحب بہادر پتھر کا بت بنے ہوئے ہیں! نیکی اور بزرگی کا معیار، آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی روشنی میں ملاحظہ فرما لیا۔ یہ نہیں کہ دفتروں اور دکانوں میں، دوستوں کے مجمع میں اور قومی جلسوں میں، مدرسوں اور مساجد میں کون کیسا نظر آتا ہے، بلکہ یہ کہ بیوی کے ساتھ نرم برتاؤ کس کا ہے؟ گھر کے اندر صبر وتحمل کا ثبوت کون دیتا ہے؟ جلوت میں نہیں خلوت میں کون کیسا ہے؟ جہاں کوئی نہیں دیکھتا، صرف گھر والے ہیں۔ اس لئے نیکی کا یہ معیار بتایا گیا کہ اپنی رفیقۂ حیات کے ساتھ خلوت کے حقوق میں کون کیسا ہے، اپنی شریک حیات کے معاملہ میں کیسا ہے، اور حق یہ ہے کہ انسان کی اصلی سیرت کا، اندرونی کردار کا، نفس کی گہرائیوں کی پیمائش کا اس سے زیادہ سچا تھا پیمانہ کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔

یہ مسکرانا، ہنسنا بولنا، اس کی کوتاہیوں پر صبر کرنا، غلطیوں کو معاف کرنا، غصہ کو برداشت کرنا، اس کی تکلیف وراحت کی باتیں سننا، دلجوئی کی باتوں سے اس کو خوش کرنا، اس کو شرعی پردہ کے ساتھ کسی پاکیزہ تفریح کے لئے لے کر جانا، اس کو

جیب خرچ اپنی وسعت کے اعتبار سے دے کر اس کا حساب نہ لینا کہ جہاں چاہے وہ خرچ کردے وہ اس کی ملکیت ہے، یہ سب نیکی عبادات میں داخل ہے۔ رات بھر نفلیں پڑھنا اور بیوی سے بات نہ کرنا اور اپنا بستر الگ کرنا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی سنت کے خلاف ہے۔ اپنے ہاتھ سے بیوی کو کھلانے اور اس کو خوش کرنے کی خاطر کوئی چیز خریدنے میں بھی ثواب ملتا ہے، لہٰذا یہ طریقے زندہ کیجئے۔

بیوی کو تھوڑا بہت تو روٹھنے کا حق ہے

میرے محترم! آپ نے کبھی اس حقیقت پر غور کیا کہ آپ کا بچہ کبھی یونہی بلا تکلیف روتا ہے تاکہ آپ اور زیادہ اس سے لاڈ کریں، یا آپ خود اپنے کسی قریبی دوست کے سامنے یونہی، یا کسی درجہ میں واقعی روٹھ کر دکھاتے ہیں، تاکہ اس محبوب دوست کا رخ اور زیادہ میری طرف ہو جائے۔ یا یہ خوشی میں کہے کہ آؤ باہر کھانا کھالیں یا فلاں روز چھٹی ہے چلو اپنی نئی گاڑی میں تمہیں گھمانے پھرانے لے جائیں گے، یا چلو آج تمہاری بات مان کر شب جمعہ میں چلتے ہیں، یا تمہیں دین کے لئے چلتے ہیں، وغیرہ۔ وہ آپ کے روٹھنے پر صرف طعنہ دے کر ہٹ نہیں جاتے، کہ کیا منہ پھلائے بیٹھے ہو بات نہیں کرتے، نہ کرو مجھے کون سی ضرورت پڑی ہے تمہاری خوشامد کرنے کی وغیرہ۔

بلکہ وہ آپ کی توقع کے مطابق آپ پر توجہ دیتا ہے، ناراضگی کی وجہ معلوم کرتا ہے، اسے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے اور آپ کی فرمائش پوری کرتا ہے۔ تو صاحب اگر آپ کی رفیقہ حیات کبھی روٹھے اور کچھ خاموش ہو تو کیا آپ کا اس سے اتنا ہی تعلق ہے کہ کچھ کڑوی کسیلی سنا کر کہیں باہر جا بیٹھیں؟ نہیں، بلکہ معلوم کیجئے کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ آخر اب اس کے ناز کون اٹھائے گا؟

غور کیجئے! جب یہ بچی تھی، تو ہر وقت روتا دیکھ کر ماں باپ اپنا سب کام کاج چھوڑ کر اس کو اٹھاتے تھے۔ جب ذرا بڑی ہوگئی اور کبھی اس کی طبیعت کبھی تنگ ہوئی تو قریبی سہیلیاں اس کے دل کا راز جان کر اس کو تسلی دیتی تھیں۔ اب یہ سارے رشتے ناطے چھوڑ کر آپ کے اور صرف آپ کے پاس آئی ہے۔ اگر وہ کوئی بات منوانے یا اپنی طرف آپ کو مزید متوجہ کرنے کے لئے یا صرف اپنے وجود کی آپ کے قلب و نظر میں مزید اہمیت اجاگر کرانے کے لئے کبھی روٹھتی ہے تو آپ ہرگز برا نہ مانیں۔ اتنا تو اسے حق ہے۔ آخر اب وہ کس کے سامنے یہ چھوٹا موٹا نخرہ کرے؟ گھر والوں کو تو وہ چھوڑ آئی ہے۔ گال تھپتھپانے والا باپ اور بال سنوارنے والی ماں تو اب ساتھ نہیں، سہیلیاں تو اب بہت دور ہیں کس کے سامنے اپنی قدر جتائے، روٹھے تو اس کو کون منائے؟ آخر وہ کس پر ناز کرے؟

اب آپ ہی اس کا سب کچھ ہیں۔ ہمارے بزرگ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں کہ ان کو (بیویوں کو) تھوڑا سا ناز کا حق بھی شریعت نے دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

اے عائشہ! جب تو مجھ سے روٹھ جاتی ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ آج کل تم مجھ سے روٹھی ہوئی ہے۔ حضرت اماں جان عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، میرے روٹھنے کا علم آپ کو کیسے ہوتا ہے۔

فرمایا کہ جب تو روٹھ جاتی ہے تو کہتی ہے "وربّ ابراھیم" ابراہیم کے رب کی قسم۔ اس زمانہ میں میرا نام نہیں لیتی اور جب خوش رہتی ہے تو کہتی ہے "وربّ محمد" محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی قسم۔" (مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۴۸۰)

دیکھئے پیغمبر ہو کر اتنی عزت و آبرو والے ہو کر آپ نے برداشت کیا، ذرا ناراضگی بھی نہیں ہوئی۔ بیویوں کو تھوڑا سا ناز کا بھی حق ہے۔ بعض لوگ خود تو

صرف حاکم سمجھتے ہیں کہ میں بیوی پر حاکم ہوں "اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ" (سورۃ النساء آیت:۳۴) کی آیت کو دلیل بنا کر اپنی بے تکی حکومت قائم رکھتے ہیں۔

لیکن فرمایا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے کہ "بے شک عورتوں پر آپ کی حکومت ہے لیکن شریعت کے معاملہ میں۔ اگر وہ شریعت کے خلاف کوئی کام کرنا چاہے کہ ٹی وی لے کر آؤ، وی سی آر لے آؤ، تصویریں لگاؤ، مجھے سینما دکھاؤ تو وہاں آپ حکومت چلائیں کہ ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ لیکن اگر وہ کہہ دے کہ ایک مرنڈا پلا دو تو پھر یہ مت کہو کہ اس وقت موڈ ٹھیک نہیں ہے، دفتر میں آج افسر سے لڑائی ہوگئی تھی۔ ان کی محبت کے جو حقوق ہیں ان کو ضرور پورا کرو۔ اس میں ذرا بھی کوتاہی نہ کرو۔ بیوی کے منہ میں ایک لقمہ ڈالنا بھی سنت ہے۔ بیوی سے آپ کا ایک تعلق حاکمیت کا ہے تو دوسرا محبت کا ہے اور اس کا آپ سے تعلق ایک طرف محکومیت کا ہے تو دوسری طرف محبوبیت کا بھی تو ہے۔ محبت کے حقوق بھی ادا کرو۔ گھر کی زندگی نہایت سکون اور چین کی ہو جائے گی اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خوش ہوں گے۔"

بیوی کو شاگرد نہ سمجھیے

انسان کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے یہ صفت رکھی ہے کہ اسے ہر عمر میں کسی ایسے شخص کی ضرورت ہوتی ہے جسے وہ پسند کرے اور اسے بھی پسند کیا جائے۔ ماں بچے کو پیار میں زور سے تھپڑ مارے، گال کھینچے، چھوٹا بچہ اپنے باپ کی داڑھی پکڑ کر زور سے کھینچے، ماں کے کان کی بالیاں یا سر کے بال نوچے، لیکن نہ ماں برا مانتی ہے نہ باپ اور نہ بچہ۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ جو محبوب ہوتا ہے اس کی دی ہوئی پیار بھری تکلیف چاہے جتنی کڑوی ہو، بری معلوم نہیں ہوتی اور اس بات پر دنیا کے تمام اہلِ علم حضرات متفق ہیں کہ محبوبیت میں جو مقام بیوی کو حاصل ہے

وہ کسی اور کو حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا ہماری گزارش ہے کہ اپنی بیویوں سے خوب محبت بلکہ عشق کیجئے۔ یقین رکھیے کہ یہ آپ کو اللہ تعالیٰ سے ہرگز دور نہیں کرے گا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے کون قریب ہوگا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ شاہد ہے کہ آپ اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے کتنی محبت فرماتے تھے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے دنیا میں تین چیزیں پسند ہیں، نماز، خوشبو اور عورتیں (یعنی اپنی بیویاں)۔ (کنزالعمال جلد۷ صفحہ ۱، رقم ۱۸۹۰۹)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اپنی بیویوں سے محبت کرنا بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنت ہے۔ اس سنت کو زندہ کیجئے، اس کے لئے بعض نفسیاتی تدابیر کارگر ثابت ہوسکتی ہیں، جنہیں ماہرین نفسیات نے مرتب کیا ہے، ان میں سے کچھ تو ہم نے اس کتاب کے مختلف مضامین میں تحریر کردی ہیں، یہاں پر اسی سلسلے میں ہم ایک اصول نقل کرتے ہیں امید ہے کہ آپ اس پر عمل کریں گے۔

بعض شوہر حضرات کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ جب بھی اپنی شریک زندگی میں کوئی کوتاہی محسوس کرتے ہیں تو فوراً انہیں سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کسی درجے میں یہ بات تو ٹھیک ہے، لیکن اسے اپنی عادت بنا لینا درست نہیں، کیونکہ آپ اپنی بیوی کے شوہر بھی ہیں، صرف اس کے مصلح نہیں ہیں کہ ذرا سی کوئی خامی دیکھی تو فوراً استاد بن کر سمجھانا شروع کر دیا، کیونکہ اکثر بیویاں اس بات سے تنگ ہو جاتی ہیں اور پھر آپ کے مابین شوہر بیوی والا رشتہ کمزور پڑ جاتا ہے اور استاد شاگرد والا معاملہ شروع ہو جاتا ہے، جو کسی بھی طرح مناسب نہیں۔ اسی طرح بعض بیویاں، اگر انہیں بار بار سمجھایا جائے، بے شک پیار سے ہی، لیکن جب وہ محسوس کرتی ہیں کہ جو غلطی انہوں نے جان بوجھ کر آپ کی توجہ حاصل کرنے کے

لئے کی تھی یا خواہ مخواہ ناز اٹھوانے کے لئے روٹھی تھی، تو یہ مقصد تو حاصل نہیں ہوا، الٹا کچھ خشک نصیحتیں سننے کو مل گئیں، تو وہ واقعی بوریت کا شکار ہو جاتی ہیں اور یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتی ہیں کہ یا تو آپ احمق ہیں جو ان کے جذبات کو نہ سمجھ سکے، یا پھر آپ کو ان سے محبت ہی نہیں ہے۔

لہٰذا ایسا وقت آنے سے پہلے ہی اپنی سوچ کا زاویہ بدلیئے اور کبھی کبھی ان کے روٹھنے پر ان کے ناز اٹھایئے، دل لگی کی باتیں کیجیے، انہیں ہنسایئے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنی بیوی کے مزاج اور موڈ کو پہچاننے والے بنیئے کہ کس وقت وہ کیا چاہتی ہے۔ اگر کبھی وہ آپ کی ہر بات یا نصیحت کا الٹا جواب دے تو بالکل غصہ میں نہ آیئے کہ میں تو اتنے پیار سے سمجھا رہا ہوں اور یہ بے وقوف میری بات کا الٹا جواب دے رہی ہے۔ بلکہ سمجھنے کی کوشش کیجیے کہ اس وقت وہ کیا تقاضا کر رہی ہے، اس کی آنکھوں میں دیکھ کر اس کے دل کی کیفیت کو بھانپ لیجیے۔ آیا وہ یہ چاہتی ہے کہ آج آپ اس سے کسی بات پر ہار مان لیں، یا یہ کہ واقعی غلطی کرنے کے باوجود وہ یہ چاہ رہی ہے کہ آپ اس پر خاص توجہ دیں، اس کی غلطی کو یکسر نظر انداز کر دیں۔ یا اس وقت وہ کسی شرارت کے موڈ میں ہے، آپ سے کھیلنا چاہتی ہے۔ وغیرہ۔

ہمارے خیال میں آپ کامیاب ترین شوہر ہوں گے اگر آپ نے اپنی بیوی کے مزاج کو پہچاننا سیکھ لیا اور آپ کو اس کے مزاج کے موافق اس کو چلانا آ گیا۔

نرم لہجہ اور میٹھی زبان

شوہر کے لئے انتہائی ضروری ہے کہ نرم لہجہ اور میٹھی زبان کا حامل ہو۔ بغیر میٹھی زبان اور نرم لہجہ کے پیار و محبت محض ایک سراب ہے۔ جس گھر میں میاں بیوی نرم لہجہ اور میٹھی زبان استعمال کرنے کے عادی ہوں وہاں پیار و محبت کی

فراوانی ہوتی ہے جس کی جھلک گھر کے ہر فرد میں دکھائی دیتی ہے۔ آپ اس آسان نسخہ کا تجربہ کر کے دیکھیے، ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کی تمام پریشانیاں کافور ہو جائیں گی۔ بیوی آپ سے دلی محبت کرنے لگے گی، بچوں کے درمیان محبت و شفقت کا جذبہ بڑھے گا، اور وہ گھر کے باہر بھی یہی زبان استعمال کریں گے۔ کتنا ہی اہم معاملہ ہو کوشش کریں کہ آپ کا نرم لہجہ چھوٹنے نہ پائے۔ دیکھیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ﴾

(سورۂ طٰہٰ آیت نمبر ۴۴)

ترجمہ: ''سو کہو اس سے بات نرم شاید وہ سوچے یا ڈرے''

اس آیت میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون کی ہدایت کے لئے بھیجنے کا حکم ایک خاص ہدایت کے ساتھ دیا گیا ہے۔ اس کی تفسیر میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فریق مخالف کتنا ہی سرکش اور غلط سے غلط عقائد و خیالات کا حامل ہو، اصلاح و ہدایت کا فریضہ انجام دینے والوں پر لازم ہے کہ اس کے ساتھ بھی ہمدردانہ و خیر خواہانہ انداز میں نرم بات کریں۔ اس کے نتیجے میں یہ ہوسکتا ہے کہ مخاطب کچھ غور و فکر پر مجبور ہو جائے اور اس کے دل میں خدا کا خوف پیدا ہو جائے۔

فرعون جو خدائی کا دعویدار جابر اور ظالم ہے، جو اپنی ذات کی حفاظت کے لئے بنی اسرائیل کے ہزارہا بچوں کے قتل کا مجرم ہے، اس کی طرف بھی اللہ تعالیٰ اپنے خاص پیغمبروں (یعنی موسیٰ اور ہارون علیہما السلام) کو بھیجتے ہیں تو یہ ہدایت نامہ دے کر بھیجتے ہیں کہ اس سے نرم بات کریں، تا کہ اس کو غور و فکر کا موقع ملے۔ اور حکم باوجود اس کے ہے کہ اگر چہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ فرعون اپنی سرکشی اور گمراہی سے باز آنے والا نہیں ہے، مگر اپنے پیغمبروں کو تبلیغ و اصلاح کا ایک اہم

اصول سکھانے کے لئے یہ حکم دیا۔ (ماخوذ از معارف القرآن جلد ۶ صفحہ ۱۰۹،۱۱۰)

اسی طرح ایک مرتبہ خلیفہ مامون الرشید کو کسی شخص نے سخت کلامی سے نصیحت کی۔

انہوں نے فرمایا کہ نرمی سے کہو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے تم سے بہتر یعنی حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام کو میرے سے زیادہ برے یعنی فرعون کی طرف بھیجا تھا تو فرمایا تھا کہ "فقولا لہ قولا لینا" یعنی تم اس سے نرم گفتگو کرنا۔

یاد رکھیے! بیوی کے لئے شوہر کی اطاعت حاصل کرنا ممکن اور بہت ہی آسان ہو سکتی ہے اگر شوہر صاحب نرم لہجہ سے بات کرنے کے عادی ہو جائیں۔

یہ نرم لہجہ بیوی میں خدمت، ایثار، محبت، خلوص اور تمام مقدس جذبات پیدا کر سکتا ہے، صداقت، دیانت، شرافت پیدا کرنے کا آسان ذریعہ ہے۔

بڑی سے بڑی تادیبی کاروائی بعض اوقات اتنی مفید نہیں ہوتی جتنا وضاحت کے ساتھ نہایت ہی خوشگوار اور نرم لہجہ میں سمجھا دینے سے خاطر خواہ نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

یاد رکھیے! بیوی اور بچوں کی غلطی پر چیخ و پکار اور غیظ و غضب اس برائی یا غلطی کا سدباب نہیں کر سکتا۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا گھر خوشیوں اور مسرتوں کا گہوارہ ہو۔ تو برائے مہربانی آج ہی سے آپ اپنا لہجہ نرم اور زبان میٹھی بنائیے۔ اپنے خاص دوستوں سے کہہ دیجیے کہ اگر میرا لہجہ سخت ہو یا میری زبان دل خراش معلوم ہو تو مجھے بعد میں بتا دینا، پھر ان کے بتانے کے بعد اپنی اصلاح کی کوشش کیجیے۔ اپنے گھر کے ایک فرد اور مسلم معاشرہ کے ایک رکن ہونے کی حیثیت سے آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ اپنے گھر والوں اور اپنے ماتحتوں کے لئے اپنا لہجہ نہایت ہی پرسکون اور پرمسرت رکھیں۔

یاد رکھیے! مسلسل ناکامیوں اور پریشانیوں سے اپنا لہجہ نہ بدلیے، اپنا مزاج چڑچڑے پن والا نہ بنائیے، حالات تو آدمی پر ہی آتے ہیں۔ کہتے ہیں ؎

دریں دنیا کسے بے غم نہ باشد　　　اگر باشد بنی آدم نہ باشد

ترجمہ: ''اس دنیا میں کوئی ایسا نہیں جسے کوئی غم نہ ہو، اور اگر کوئی ایسا ہے تو پھر وہ بنی آدم نہ ہوگا۔''

لہٰذا ناکامیوں و پریشانیوں سے مایوس نہیں ہونا چاہیے اور برے حالات کے اندر آپے سے باہر نہیں ہونا چاہیے۔ خوش خلقی، تبسم، نرمی، امداد باہمی، تسامح، چشم پوشی، یہ سب انسانی کردار کے قیمتی ہیرے ہیں۔ ان کو کسی بھی حال میں چھوڑنا ایک مسلمان کی شان نہیں، بلکہ کتنا ہی پریشان ہو، لیکن نرمی اور خوش اخلاقی کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیے۔

ناکام ہونا کوئی کم قسمتی نہیں۔ ناکامی میں نرم لہجہ اور میٹھی زبان چھوڑ دینا یہ ہے کم قسمتی، ہزاروں ناکامیوں میں گھرے ہوئے انسانوں کو کامیاب ہوتے ہوئے ہم اور آپ سب ہی زندگی میں دیکھتے ہیں۔

جب کسی وقت کوئی بھی کسی قسم کی شکست، ناکامی، حوصلہ شکنی اپنا سر نکالے تو آپ بشاشت و ہمت کے ساتھ اس کا مقابلہ کیجیے منہ بسور کر نہ بیٹھ جائیں، اس لئے کہ ناکامیوں کو کامیابی، صبر اور جرأت سے بدلتے رہنا ہی اصل کامیابی ہے۔ جس نے ناکامی کا منہ ہی نہ دیکھا ہو وہ شاید کامیابی کی لذت سے پوری طرح شناسا اور واقف نہیں ہوسکتا ناکامی زینہ ہے کامیابی کا۔

''جسے مرنا نہیں آتا اسے جینا نہیں آتا''

جسے مرنے سے ذرا بھی خوف نہ ہوگا وہ جینے کی لذت حاصل کر لیتا ہے، اور جس کو ہر وقت مرنے کا خوف سوار رہتا ہے وہ جی تو رہا ہے لیکن مردہ سے بدتر ہے، جس نے ایک مرتبہ نرم لہجہ اور میٹھی زبان والا گر سیکھ لیا شکست کو کامرانی اور

شادمانی میں تبدیل کرنے کا طریقہ سیکھ لیا اور ناگوار حالات میں بھی اس پر ہمت کے ساتھ عمل کر کے دکھلایا تو اس کے لئے ہر ناکامی خستگی بچوں کا ایک کھیل بن جاتی ہے، جس میں سب کھلاڑی مل جل کر باہم مشورے سے ہر پریشانی کو راحت سمجھنے لگتے ہیں ۔

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا، سوجِ حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں، زندگی دشوار ہو جائے

اس لئے فیصلہ کرلیں کہ اگر آپ زندگی کے کسی شعبہ میں بھی ہوں، ہر حال میں نرمی اختیار کریں گے۔

مثل مشہور ہے اس کو اپنے کمرہ کی دیوار پر لکھ کر لگا دیں کہ:

"گڑ نہ دے تو گڑ جیسی بات تو کرے۔"

اگر تم کسی کو فائدہ نہ پہنچا سکو تو کم از کم شیریں کلامی سے تو پیش آؤ۔

اگر شیریں کلامی سے بھی محروم ہو تو دل آزار کلمات کہنے ہی سے باز رہو۔

اس پر عمل کرنے کے لئے ایک سوچ

صرف ہر شخص اتنا ہی سوچ لے کہ وہ سلوک اور وہ الفاظ جو میں بیوی کے لئے استعمال کرنا چاہتا ہوں اگر وہ مجھ کو کہے یا یہی سلوک کوئی دوسرا میرے ساتھ کرے تو کیا میں اس سے رنجیدہ خاطر نہ ہوں گا؟ اگر یہ مشکل ہو تو یہ سوچ لے میں بیوی ہوتا تو میں اپنے لئے کیا پسند کرتا؟ یہ مختصر سوچ ان شاء اللہ تعالیٰ جاہل سے جاہل انسان کے لئے بھی کسی دوسرے معلم اخلاق کی ضرورت باقی نہیں چھوڑتی۔ اگر اس سوچ کے ساتھ سچے دل سے اخلاق فاضلہ کے لئے دعا مانگی جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور پوری ہوگی۔

یاد رکھیے! زبان دیکھنے میں تو گوشت کا بے ضرر لوتھڑا ہے، لیکن تلوار سے

زیادہ تیز ہے۔ جس کے لگائے ہوئے زخموں کو عمر بھر نہیں بھرا جا سکتا ؎

زبان اپنی حد میں ہے بے شک زبان
بڑھے ایک نقطہ تو پھر ہے زیاں

عربی کے اس شاعر پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے شعر کیا حقیقت ہی کہہ گئے اللہ تعالیٰ ہم سب کے لئے اس شعر کو ہدایت کا ذریعہ بنادے۔ (آمین) فرمایا ؎

جَرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الْتِيَامٌ   وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ

کہ نیزوں کے زخم بھرے جا سکتے ہیں لیکن جو زخم زبان سے لگے وہ بھرے نہیں جاتے۔ تلوار اور نیزے تو محض جسم کو زخمی کرتے ہیں۔ زبان کے تیر روح پر لگتے ہیں۔

یاد رکھیے! بات چیت کرنے کا سلیقہ بھی ایک بہت بڑا فن ہے، یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ اشخاص جو سب سے زیادہ باتونی ہوتے ہیں، وہی سب سے اچھی گفتگو کرنے والے ہوتے ہیں، دوسروں کی بات کو تحمل اور صبر سے سننا بھی اتنا ہی مشکل ہے جتنا اچھی گفتگو کرنا۔ لہٰذا اگر بیوی کبھی کوئی بات آپ سے کہنا چاہتی ہے تو خاموشی کے ساتھ اس کو سنیئے، اس کے دل کے جذبات خیالات احساسات کا بھی خیال رکھیئے۔

ایک مسلمان مرد کے اندر یہ ایک ایسا جاذب وصف اور ایک ایسی دلکش خوبی ہے کہ اس سے اچھے سے اچھے اور بڑے سے بڑے لوگ بھی متاثر ہوتے ہیں کہاوت مشہور ہے کہ "زبان شیریں تو ملک گیری" میٹھی اور شیریں زبان سے تو انسان ہاتھی کو بھی ایک بال سے باندھ سکتا ہے۔ یاد رکھیئے! نرم لہجہ اور میٹھی زبان ایک ایسا جادو ہے جو ہمیشہ اپنے سامنے والے پر اثر انداز ہوتا ہے۔ میٹھی زبان عیوب پر پردہ ڈال دیتی ہے، بدزبانی دنیا بھر کی خوبیوں پر پانی پھیر دیتی ہے۔

آپ کے نرم لہجے اور میٹھی زبان اختیار کرنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ بیوی آپ

کے دور ہونے پر بھی آپ کی کہی ہوئی باتوں کا رس اپنے کانوں میں گھلا ہوا پائے گی۔ آپ کے تسلی والے بول، شفیق انداز میں بات کے طریقے کو یاد کر کے آپ کی آمد کا انتظار کرے گی کہ جو مجھے یوں چاہتے ہیں کہ میں اپنے آپ کو بھول گئی ان کی ہی یاد مجھ پر غالب آگئی... اس کو اپنا منتظر بنائیے! اپنے دیر سے آنے پر اس کو اپنے لئے فکر مند پائیے!

آپ وقت بتا گئے ہوں دن کے اختتام تک آجانے کا اور کبھی آپ کو دیر ہو جائے تو اس کو دن گزارنا مشکل اور بوجھ معلوم ہو اور اس کو گھڑی کی سوئیوں سے شکوہ ہونے لگے، اس کو اپنے ساتھ اپنے آس پاس کی ہر شے دن کے اختتام کا انتظار کرتی ہوئی لگے۔ ہائے اللہ! دن اتنا لمبا ہو گیا کہ اب تک میرے سرتاج گھر نہیں آئے، کب جلدی شام ہو کہ میرے شوہر عافیت کے ساتھ گھر لوٹ آئیں۔

ورنہ آپ کے کسی لمبے سفر پر وہ دو رکعت شکرانے کے پڑھے گی، کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کچھ دن گھر میں سکون ہوگا، اور بچے بھی خوش ہوں گے کہ ابا جلدی کسی سفر پر چلے جائیں (یا آخرت کے سفر پر ہی روانہ ہو جائیں)!!

لہٰذا یاد رکھیئے اس سارے خیر کے انجام والے کام کے لئے پہلا قدم آپ کو اٹھانا ہوگا۔ آپ اچھا سلوک اور نرم رویہ اختیار کر کے دیکھیں اس کے فوائد جواباً آپ کو خود ملیں گے۔

بیوی سے مناظرانہ روش کے بجائے داعیانہ اسلوب اختیار کیجئے

ایک اصول یاد رکھیئے! دنیا میں بہت ہی کم ایسے رشتے ہوتے ہیں جن میں مزاج کی ہم آہنگی ہوتی ہے، لہٰذا چھوٹی چھوٹی باتوں کو لے کر بیٹھ جانا اور ان کی بنیاد پر کوئی بڑا فیصلہ کر دینا ایک مسلمان کی شان کے خلاف ہے۔

لہٰذا اپنے پرانے غم بھول جایئے اور نئے سرے سے اپنی زندگی گزارنا سیکھیں، اور بیوی کو ہر بات مناظرہ کرتے ہوئے نہ سمجھایئے۔ جب آپ کے ذہن میں بیوی کے متعلق تکلیف دہ چیزیں بیٹھی ہوئی ہوں گی تو غیر محسوس طریقے سے آپ کا انداز مناظرہ کا ہو جائے گا۔ اور آپ سمجھیں گے کہ میں سمجھا سمجھا کر تھک گیا، مگر یہ میری بات سنتی ہی نہیں تو مانے گی کیا؟ پھر آپ کسی نہ کسی چیز کا سہارا لیں گے کہ یار میری شادی میری قوم میں ہوتی تو اچھا رہتا ..... یار میری شادی فلاں جگہ ہوتی تو اچھا رہتا ..... کاش میری والدہ یہاں نہ کرتی تو اچھا ہوتا ...... وغیرہ وغیرہ۔

لہٰذا یاد رکھیئے! جو بات بھی بیوی کو کہنا چاہیں نرمی سے کہیئے، واعیانہ لہجے میں کہیئے۔ وہ شوہر بہت ہی کامیاب شوہر ہے جو اپنی بیوی کو اپنا مصلح ہونا سمجھا دے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ اصلاح کے لئے کہہ رہا ہوں، طعنہ دینے کے لئے نہیں۔ داعی بن کر کہہ رہا ہوں، مناظر بن کر نہیں۔ گھر بنانے کے لئے کہہ رہا ہوں توڑنے کے لئے نہیں۔ اس کے لئے شوہر کو چاہیئے کہ وہ یقین رکھے کہ دعوت و اصلاح کے لئے ہمدردی، خیر خواہی، برداشت بہت ہی اہم چیز ہے۔

شوہر صاحب کو خیال رہے کہ اصلاح کا کام دماغ نچوڑنے، ہڈیاں جلانے، اور ہڈیوں کا گودا گھلانے کا کام ہے، زہرہ گداز اور جگر پاش مرحلے سے گزارتی ہے۔

دعوت کے اجزائے ترکیبی میں ضبطِ نفس، فراخ حوصلگی، صبر و ثبات، قوتِ برداشت، سلامتی ذہن و فکر اور جگر سوزی، امت کا غم، تہجد میں اٹھ کر دعائیں مانگنا، ہر فرض نماز کے بعد دعا مانگنا، زبان میں مٹھاس اور نرمی پیدا کرنا وغیرہ امور شامل ہیں۔

یاد رکھیئے! داعی شوہر کبھی تھڑدلا نہیں ہوتا، داعی شوہر کبھی بے حوصلہ نہیں ہوتا،

داعی شوہر کبھی کم نگاہ نہیں ہوتا، داعی شوہر طالب جاہ نہیں ہوتا۔ داعی شوہر دعوت دینے کے بعد اور ہر طریقے سے بیوی کو سمجھانے کے بعد نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیتا ہے۔ داعی شوہر مایوس نہیں ہوتا، بلکہ ہدایت کے لئے مستقل دعائیں مانگتا رہتا ہے۔ داعی کو زندگی کا ہر لمحہ پلِ صراط پر سے گزر کر بسر کرنا ہوتا ہے، ذرا سا افراط اور معمولی سی تفریط داعی کو غیر متوازن بنا کر اپنے مدعو اور مقصد سے بہت دور لے جاتی ہے۔

یاد رکھیے! داعی اپنی منزل کہکشاں سے ہو کر نہیں، کانٹوں اور پتھروں سے گزر کر حاصل کرتا ہے۔

جس بیوی کی اصلاح مطلوب ہے اس کو جھڑکا نہیں جاتا، جھڑکا نہیں جاتا، اسے ٹوکا نہیں جاتا، اسے طعنے نہیں دیئے جاتے، اسے ذلیل نہیں کیا جاتا، اس سے پرانی غلطیاں یاد نہیں کروائی جاتیں۔ اسے پاس بٹھایا جاتا ہے، موقع دیکھ کر دلیل اور پیار سے سمجھایا جاتا ہے، اس کے اچھے کاموں پر تعریف کی جاتی ہے۔

یاد رکھیے! قیامت کے روز شوہر کو اس کا اجر تو ضرور ملے گا کہ اس نے اپنے حسن کلام، ذاتی ایثار، اچھے کردار "قول حسن" اور نرم گفتگو سے بیوی کو کتنا دیندار بنایا، گھریلو زندگی صحیح گزارنے کا طریقہ سکھایا، بچوں کو دینی اور اخلاقی تربیت سکھلائی۔ لیکن اس کا کوئی بدلہ نہیں دیا جائے گا کہ شوہر نے اصلاح کرنے کے لئے اپنے تند مزاج، غصیلے انداز، اور کڑوے الفاظ سے کتنی مرتبہ بیوی کو دھتکارا اور دور بھگایا تھا اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے، آمین۔

غور کیجئے! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کتنی ذمہ داریاں تھیں۔ اپنی تمام مصروفیات کے باوجود ایک وقت میں نو یا گیارہ گھروں کو چلا کر دکھایا، اور پوری زندگی میں کہیں آنچ بھی نہ آنے دی۔

کسی وقت کوئی نئے مسلمانوں کا وفد آ رہا ہے اس کا استقبال، کسی وقت کہیں

سفر کی تیاری، کسی وقت دعوت کے لئے لشکروں اور جماعتوں کو بھیجنا، کسی وقت کسی
کی کوئی ذاتی پریشانی، کسی وقت دو مسلمانوں میں صلح کروانا، کسی وقت خود سفر میں
تشریف لے جانا، کسی وقت اپنی عبادات کا اہتمام ان سب کے باوجود گھروں کو
چلانا۔ "صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم تسلیماً کثیراً۔"

تو ہماری یہ کتنی کم قسمتی ہوگی کہ ہم تھوڑے سے دیندار اور داعی ہو کر ایک گھر
کو نہ چلا سکیں، ہائے افسوس! ہائے افسوس! آج ہم مسلمانوں سے معاملات والا
دین، خصوصاً گھریلو زندگی کا دین تو ہم سے اوجھل ہی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو
پورے پورے دین پر سو فیصد عمل کرنے والا اور اس کو پھیلانے والا بنائے، آمین،
یا رب العالمین!

بیوی کی تعریف بھی کرنی چاہیئے

جس کے ساتھ تعلق ہو اس سے محبت ہو ہی جاتی ہے۔ نیز جس کی خوبیوں
کا استحضار ہو، اس کی محبت بھی دل میں آتی ہے۔ لہذا اپنی بیوی کی خوبیوں پر نظر
رکھیں خود بخود اس کی محبت دل میں پیدا ہوگی۔ اس کی تعریف کیجیے، اس کے دل
میں آپ کی محبت پیدا ہوگی۔ اسی وجہ سے ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ
فرماتے تھے!

"جس کے دل میں یہ احساس ہو کہ یہ بیوی کھانے پکانے کی جو خدمت
انجام دے رہی ہے، یہ اس کا حسن سلوک اور حسن معاملہ ہے جو وہ میرے ساتھ کر
رہی ہے، تو وہ اس کے کھانے پکانے کی تعریف کرے گا، اس کی ہمت بندھائے
گا، اس کا حوصلہ بڑھائے گا۔

لیکن جو شخص اپنی بیوی کو نوکرانی یا خادمہ سمجھتا ہو اور کھانا پکانا اس کی ذمہ
داری سمجھتا ہو، ایسا شخص کبھی اچھے کھانے پکنے پر بھی اپنی بیوی کی تعریف نہیں

کرے گا اور نمک کی زیادتی یا کمی کی کی پر ہی گھر میں قیامت برپا کر دے گا اور لمبا چوڑا جھگڑا شروع کر دے گا۔"

عورت فطری طور پر نرم دل ہوتی ہے۔ تھوڑی سی تعریف پر پھولے نہیں سماتی۔ آئندہ اس کام کو (جس کی تعریف ہوئی ہے) اور اچھا کر کے دکھاتی ہے۔ لہٰذا ہر چیز مثبت انداز میں بیوی کو سکھایئے جتنا کام ہو، اس پر اس کی تعریف کریں، جو عیب یا کوتاہی باقی رہ گئی، اس طرح سمجھائیں کہ آئندہ ایسا نہ ہو۔ اور آج سے ہی معمول بنالیں کہ چھوٹے چھوٹے کام پر، بیوی کے چائے پکانے پر، پانی کا گلاس پیش کرنے پر اس کو "جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا" (اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا بہترین اجر عطا فرمائے) کہیے، دل و زبان سے شکر گزار بنیے، پھر دیکھیے بیوی بھی آپ کی کیسی قدر دان بنتی ہے۔ دنیا ہی میں حور کا نمونہ آپ کے سامنے آجائے گا۔ ایسے ہی میاں بیوی کا گھر دنیا ہی میں جنت کا نمونہ بن جاتا ہے۔

یاد رکھیے! انسان فطری طور پر یہ چاہتا ہے کہ اس کے اچھے کاموں کی حوصلہ افزائی کی جائے اور حوصلہ افزائی کی خواہش زیادہ جب ہی ابھرتی ہے جب کہ اس کی جانب حوصلہ شکنی کی جا رہی ہو۔ خصوصاً دیورانی، جیٹھانی، نند وغیرہ مسلسل اس کے کاموں میں رخنہ ڈال رہی ہوں اور ذرا ذرا سی بات پر اس کی پکڑ کی جاتی ہو، یہ ایک ظلم کے مترادف ہے۔ جس کے کام کی ستائش نہیں کی جاتی، اور اس کو شاباش نہیں کہا جاتا، یا ایک لفظ شکریہ کا ادا نہیں کیا جاتا، اس کی دل شکنی کی جاتی ہو، وہ اکثر ہمت ہار بیٹھتا ہے اور اس کی تمام صلاحیتیں سلب ہو جاتی ہیں۔

بیوی کے کاموں کی تعریف کیجیے اور حوصلہ افزائی کیجیے تو ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کو دوسری طرف سے پورا تعاون حاصل ہوگا۔

ایک چھپا ہوا ظلم

ہمارے ہاں گھر کی خاتون والدہ یا بیوی خواہ کتنا ہی عمدگی سے بہتر سے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کریں پھر بھی ان کی دل شکنی یہ کہہ کر کی جاتی ہے کہ یہ تو عورت کے فرائض میں داخل ہے۔ اگر ہر شوہر اور اس کے بچے یہ سوچیں کہ بیوی یا ماں کی یہ بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کے کپڑے دھوئے، استری کرے اور ان کے لئے عمدہ عمدہ کھانا پکا کر کھلائے۔ ان کو توانا اور تندرست بنا کے رکھے یا وہ یہ سمجھتے رہیں کہ ان کا گھر خود بخود صاف ستھرا ہوتا رہتا ہے، تمام کوڑا کرکٹ، گندگیاں جو وہ پھیلاتے رہتے ہیں اپنے آپ سمٹ کر جھاڑ بہور لی جاتی ہیں، صاف ستھرے کپڑے خود بخود دھل کر اور الماریوں میں سلیقے سے تہہ ہو کر سج جاتے ہیں۔ اور یہ تمام گھر کی زیبائش و آرائش، آرام سب قدرتی طور پر بغیر کسی خوش سلیقہ، ہنرمند خاتون کے ہاتھ لگائے بغیر انجام پاتے رہتے ہیں۔ تو یہ کفران نعمت اور ناشکری ہے۔ اس سے خود بھی بچیئے اور دوسروں کو بھی بچائیے۔

یاد رکھیئے! یہ عورت ہی ہے جس کی ذات سے تمام امور خانہ داری کے تقاضے پورے ہوتے ہیں، اور خاندان کا وجود برقرار رہتا ہے۔ اگر اس کے حق میں چند حروف شکر گزاری اور احسان مندی کے زبان سے ادا کئے جائیں تو اس کی حوصلہ شکنی ہزاروں فتنوں اور گھریلو ہنگاموں بلکہ ذہنی امراض کا سبب بنتی ہے۔ آج اکثر جو گھروں میں افراتفری اور اداسی کا ماحول نظر آرہا ہے، اس میں اس ناشکری، احسان فراموشی اور حوصلہ شکنی کا کس حد تک عنصر شامل حال ہے، آپ خود ہی فیصلہ فرمائیں۔

فرض کریں کہ آپ کسی محکمہ میں ملازم ہیں اور دیانت داری اور محنت سے کام کرتے ہیں اور آپ کی محنت اور کارکردگی کی کوئی نہ تعریف کرتا ہے اور نہ سیدھے

منہ بات کرتا ہے، تو کیا آپ کی حوصلہ شکنی نہ ہوگی؟ اس صورت میں کیا آپ بدستور دیانت داری اور محنت سے کام کرتے رہیں گے؟ یقیناً آپ کے لئے ایسا ممکن نہ ہوگا، بلکہ آپ اس ملازمت ہی کو خیر باد کہنے کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنے لگیں گے۔ اسی تناظر میں آپ ذرا اپنے گھر کی خواتین کو دیکھیں۔ آپ تو اس ملازمت کو آسانی سے خیر باد کہہ کر قطع تعلق کر سکتے ہیں، لیکن آپ کی شریک حیات، یا آپ کی ماں، آپ کی بے رخی اور آپ کے ناشکرے پن سے دل شکستہ ہو کر کیا اسی طرح آسانی سے آپ سے چھٹکارا حاصل کر سکتی ہے، شاید کبھی نہیں۔

بہر حال! آپ کی بدسلوکی سے بد اخلاقی سے، اس احسان فراموشی اور ناشکری سے ان بے چاریوں کو مایوس ہونے سے کون روک سکتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ انسان تو کام کی زیادتی سے اتنا نہیں تھکتا جتنا حوصلہ شکنی سے تھکتا ہے۔ اس کا سارا جوش ولولہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہے، اور اس کے تمام اعصاب ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔

صنف نازک ہونے کے باعث عورت اس سے زیادہ متاثر ہوتی ہے۔ نہ صرف یہ کہ وہ تھکان محسوس کرتی ہے بلکہ اعصابی اور ذہنی مریضہ بن جاتی ہے لہٰذا آج سے آپ یہ اصول اپنا لیجئے کہ بیوی کے اچھے کاموں کی ضرور تعریف کریں گے۔

بیوی کی محبت بعض غلط فہمیوں کا ازالہ

از افادات۔۔۔۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ

بیوی کی نااتفاقی کی وجہ سے تکلیف اٹھانا بھی مجاہدہ ہے

سوال: ایک شخص نے سوال کرتے ہوئے لکھا کہ جناب کی بزرگانہ شفقت پر

بھروسہ کر کے کچھ اپنی درد ناک حالت عرض کرتا ہوں۔ بدقسمتی سے میرا عقد جس خاتون سے ہوا ہے وہ اور میں دونوں بالکل متضاد طبیعت کے واقع ہوئے ہیں۔ اس میں نہ اپنی شریک قسمت کو الزام دیتا ہوں، نہ حقیقتاً ان میں کوئی نقص ہے، بلکہ میں ہی ایک انوکھی طبیعت کا شخص ہوں۔ اس مختلف الخیالی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم دونوں میں بجائے انس کے ایک ایسی بیگانگی و وحشت کی دیوار کھڑی ہو گئی کہ جو روز بروز مضبوط ہی ہوتی جارہی ہے۔ ان خانگی پیچیدگیوں نے جو میری زندگی اور کاروبار پر برا اثر ڈالا ہے اس کا ضبط تحریر میں آنا تقریباً ناممکن ہے۔ ایک دائمی افسردگی نے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے اور روز بروز میری زندگی معرض اندیشہ میں ہوتی جاتی ہے۔ میں بچپن سے اپنے مستقبل کو تابناک سمجھتا رہتا تھا مگر میرا مستقبل اب بالکل تیرہ و تار (تاریک) ہو گیا ہے۔ اس مایوسی اور ناامیدی کی حالت نے میری دنیا اور دین، دونوں کو تباہ کر رکھا ہے۔ کوئی چارہ کار سمجھ میں نہیں آتا۔

جناب بزرگ ہیں، دعا کیجئے، خدا مجھے اس پریشانی سے نجات دے، کسی صورت سے سکون قلب حاصل ہو جائے۔ ۳ سال سے برابر اس عذاب میں مبتلا ہوں، اپنی موت کی آرزو کرتا ہوں۔ مجبور ہو کر یہ قصد کیا ہے کہ دنیا کو چھوڑ کر ایک گوشہ میں بیٹھ جاؤں، مگر کوئی ایسا صاف باطن مجھے نہیں ملتا جو اپنے رنگ میں رنگ لے۔ ارادہ کر رہا ہوں کہ چند روز کے لئے خدمت والا میں حاضر ہو کر حضور کی توجہات سے مستفید ہوں۔

جواب: آں عزیز کا خط آیا، برخوردار، ماشاء اللہ آپ ایک مستقل باہمت آدمی ہیں، پھر اس قدر بے صبری اور بے استقلالی؟ یہی تو مواقع ہوتے ہیں عزم و ہمت کے دیکھنے کے۔ یہاں آنے کو جو لکھا ہے، میرے سر آنکھوں پر، مگر یہ تو سمجھئے کہ جس غرض کے لئے ایسا خیال ہے وہ خود موقوف ہے مجاہدہ پر اور جو ناگواری

آپ کو پیش آ رہی ہے یہ خود ایک بڑا مجاہدہ ہے۔ اگر آپ کو دوسرے رنگ کی طلب ہے تو اس کے لئے حالت موجودہ میں آپ خوب تیار ہو سکتے ہیں۔ جس کی برداشت کیجئے، پھر موقع پر یہاں آیئے کہ تھوڑی سی تدبیر میں کام بن جائے گا۔

(تربیت السالک حصہ اول صفحہ ۲۶۹)

بیوی سے محبت بڑھنا علامت تقویٰ ہے

ایک اور صاحب لکھتے ہیں کہ کچھ عرصہ سے بیوی کی طرف محبت زیادہ ہوگئی ہے، یہ میرے واسطے کوئی مضر تو نہیں ہے۔ طبیعت کو اس طرف زیادہ خیال ہو رہا ہے اور جو بات میرے واسطے مفید ہو اس سے مطلع فرما دیجئے گا۔

جواب: عین سنت ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ثمرات نیک دونوں کو عطا فرما دے۔ جب تقویٰ بڑھتا ہے، بیوی سے محبت بڑھ جاتی ہے۔

(تربیت السالک حصہ اول صفحہ ۵۵۲)

بیوی سے تعلق رکھنا

سوال: بیوی سے تعلق ہے، مگر ایسا ہے کہ وبال معلوم ہوتی ہے۔ اکثر گھبراتا ہوں کہ بہت بڑا تعلق اور بکھیڑ ہوگئی ہے، لیکن اس کے پاس جب رہتا ہوں تو مجھے بھی بہت زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ ایک دفعہ بیمار تھی بہت سخت، تو اندر سے جی چاہتا تھا کہ مر جاتی تو نجات ملتی، مگر قصداً اس خیال کو دفع کرتا تھا کہ گناہ نہ ہو۔ خیر اچھی ہوگئی۔

جواب: ہاں ایسا خیال نہ کیا جائے بعض اوقات یہ خیال حد سے زیادہ نقصان پہنچاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہوتا ہے۔

سوال: وہ مجھ کو بہت مانتی ہے چونکہ دیندار، تمیز دار، لکھی پڑھی، عقل مند بھی ہے، اس لئے کلفت زیادہ نہیں ہے، ورنہ خدا جانے کیا ہوتا۔ بہشتی زیور، تبلیغ دین

کل دیکھ چکی اور اس پر حتی الوسع عامل بھی ہے۔

جواب: بندۂ خدا ایسی نعمت سے، جس کو حدیث میں "خَیْرُ الْمَتَاعِ" (الترغیب والترہیب جلد۳ صفحہ۲۷) فرمایا ہے، گھبراتے ہو؟

بیوی سے محبت کا غیر مضر ہونا

سوال: حضرت! آج کل میں ایک سخت مرض میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ وہ یہ کہ اپنی بیوی سے زیادہ محبت ہو گئی ہے، جس کی وجہ سے معمولات میں حرج واقع ہوتا ہے، جس کا علاج ضروری معلوم ہوتا ہے، اور وہ یہ کہ اس محبت کو مائل الی اللہ کر دیا جائے۔ معمولات کو گرتے پڑتے کسی طرح ادا کئے جاتا ہوں اور کبھی ناغہ بھی ہو جاتا ہے، جس کی وجہ وہی محبت ہے۔

جواب: بیوی سے خواہ کتنی ہی محبت ہو، مذموم و مضر نہیں، ہاں وہ محبت دین و اعمالِ دین سے مانع نہ ہونا چاہئے۔ سو یہ امر اختیاری اور متعلق ہمت کے ہے۔

سوال: عرض یہ ہے کہ معمولات بحمداللہ تعالیٰ بخوبی ادا ہو رہے ہیں۔ ایک بات اکثر خیال میں آتی ہے، اسی سے متفکر ہوں کہ دیکھئے کیا انجام ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ اہلیہ کے انتقال کو ساڑھے دس ماہ کا عرصہ ہو گیا ہے مگر ان کا خیال کسی وقت دور نہیں ہوتا، جس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ سے اس قدر بھی تعلق نہیں، کیونکہ حق تعالیٰ کے تعلق کے ہوتے ہوئے غیر اللہ کی مفارقت کا افسوس کیا معنیٰ رکھتا ہے۔ اگر اسی حالت میں موت آگئی تو کس منہ سے حاضری ہوگی؟ چاہئے یہ تھی کہ غیر اللہ سے محض ضابطہ کا تعلق ہوتا اور تعلق قلبی حق تعالیٰ جل شانہ سے ہی ہوتا۔ یہاں اس کا عکس ہے۔ نماز میں اس قدر حضور نہیں ہوتا جس قدر قبرستان میں جی لگتا ہے۔ مرحومہ کی قبر پر جمعہ کے جمعہ جاتا ہوں، وہاں سے واپسی کو دل ہی نہیں چاہتا۔ ابھی عید کا واقعہ ہے، صبح بعد تلاوت مکان سے چلا گیا۔ راہ میں

قبرستان ہے، وہاں جا کر بیٹھ گیا۔ پونے سات بجے سے ساڑھے آٹھ بجے تک بیٹھا رہا۔ اول تو کچھ پڑھ کر بخشا، اس کے بعد خاموش بیٹھا کرتا ہوں، بیٹھ گیا۔ ایک دیوار سے چھوٹی سی قبر کے پاس، اس پر بیٹھ جایا کرتا ہوں، اسی طرح بیٹھ گیا۔ وہاں اس قدر مستغرق ہوا کہ کسی کے آنے جانے کا بھی پتہ نہیں رہا اور اس کا علم یوں ہوا کہ شام کو حافظ صاحب سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ تو قبر کے پاس بیٹھا ہوا تھا، میں نے کئی آوازیں دیں مگر تو نے کچھ جواب نہیں دیا، آخر میں چلا گیا، تجھے تیرے حال پر چھوڑ کر۔ اس کو سن کر اور بھی فکر ہے کہ نماز میں تو آہستہ کی آواز بھی کان میں پڑ جاتی ہے اور قبرستان میں کئی آوازیں دیں جاویں اور وہ کان میں بھی نہ پڑیں۔ لہٰذا عرض ہے کہ خدا کے واسطے خادم کا علاج تجویز فرمائیں۔ احقر تو بالکل گیا گزرا ہے، اسی حالت میں موت آگئی تو کیا ہوگا، اللہ خیر کرے۔

جواب: حلال محبت میں ایسا انہماک اگر غیر اختیاری ہو جس سے اعمالِ ضروریہ دینیہ میں خلل نہ آوے، ذرا بھی دین میں مضر نہیں، نہ اس سے حق تعالیٰ کی محبت میں کمی ہوتی ہے۔ اور راز اس میں یہ ہے کہ محبت طبعی ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت عقلی۔ تو یہ دونوں ایک قلب میں جمع ہو سکتی ہیں۔ اور اگر حق تعالیٰ کی محبت قلب میں نہ ہوتی یا کم ہوتی تو اس حالت سے فکر وغم ہی نہ ہوتا۔ بالکل اطمینان رکھیں، اگر اس حالت پر موت بھی آگئی تو ذرہ برابر بھی خطرہ نہیں، البتہ دوسرے مصالح پر نظر کر کے اگر نکاح کر لیا جاوے تو انفع ہے۔ (تربیت السالک حصہ اول صفحہ ۲۷۸)

بیوی کی موت سے صدمہ کا علاج

سوال: عرصہ ڈیڑھ دو برس کا گزرا کہ میری ایک بیوی تھی، جس سے مجھ کو کمال الفت تھی، بلکہ میں اس کا عاشق تھا، اس سے اولاد بھی اب تک موجود ہے اور وہ

انتخاب کر لی۔ اس نے مرنے کا اس قدر رنج ہے کہ زبان قلم سے بیان نہیں ہو سکتا۔ اتنا عرصہ گزرا اب تک وہی حالت ہے۔ بس مجنوں کی تشبیہ کافی نہیں ہے۔ نہ دن کو چین ہے نہ رات کو آرام۔ میرے درود و وظائف بالکل چھوٹ گئے ہیں۔ بمشکل نماز پنجگانہ ادا کرتا ہوں، لیکن خشوع و خضوع کا تو نام ہی نہیں ہے اس کے دفعیہ کی بہت سی ترکیبیں کیں لیکن کوئی کارگر نہ ہوئیں۔ میں اس قدر مجبور ہوں کہ میرے دین و دنیا دونوں خراب ہو رہے ہیں۔ چنانچہ میں قرض دار ہو گیا، جو اسباب میرے پاس تھا وہ رہن ہو چکا، فروخت ہو گیا۔ اور عاقبت کا انجام بھی بہتر نہیں سمجھتا، اللہ تعالیٰ رحم کرے، میں بہت ہی خائف و لرزاں رہتا ہوں، مگر مجبور ہوں۔ لہٰذا استدعا ہے کہ حضور دعا کریں کہ مجھے کوئی عورت سے دلی انس، یا یہ خیال ہے بالکل دفع ہو جائے اور ان دونوں میں جو بہتر ہو میرے لئے وہ آپ کریں اور مجھے بھی کوئی ترکیب تحریر کریں۔

جواب: دعا ئے خیر کرتا ہوں۔ نکاح کرنے سے نفع ہوگا۔ اگرچہ وہی عورت نہ ہو۔ پس اگر کوئی امر مانع قوی نہ ہو تو نکاح کر لینا چاہئے اور جب تک نکاح کا سامان نہ ہو رسالہ تبلیغ دین میں مضمون "زہد و ذم دنیا" کو مطالعہ میں رکھیں۔

(تربیت السالک حصہ اول صفحہ ۵۴۳)

فساد بین الزوجین اصل ہے سیکڑوں فساد کی

فرمایا کہ میاں بیوی کا فساد سب فسادوں کی مرغی ہے۔ یعنی سیکڑوں فساد کو پیدا کرتی ہے۔ (ملفوظات اشرفیہ صفحہ ۲۰)

بیویاں حوروں سے افضل ہوں گی

فرمایا کہ جنت میں یہ بیویاں حوروں سے افضل و اجمل ہوں گی اور اجمل کی طلب نہ خلاف عقل ہے نہ خلاف نقل، اس لئے اپنی بیویوں کے ملنے کے لئے وہ

کرنا نہ خلاف عقل ہے نہ خلاف نقل۔ (ملفوظات کمالات اشرفیہ صفحہ ۱۱۸)

بیوی ایک مخلص دوست

میاں بیوی کے تعلق کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت اس تعلق کے نازک ہونے کی ہے، دوسری حیثیت اس کے گہرے ہونے کی ہے۔ اگر اس تعلق کی نزاکت کو دیکھا جائے تو شاید اس تعلق سے زیادہ نازک کوئی تعلق نہ ہو۔

پھول کی پنکھڑی اور مکڑی کے جال کی طرح اس میں اتنی نزاکت پائی جاتی ہے کہ برسوں کا تعلق صرف ایک لمحہ میں ختم ہو جاتا ہے۔ میاں بیوی میں تھوڑی سی تلخ کلامی ہوئی، جھگڑا ہوا اور شوہر صاحب نے چھوٹتے ہی طلاق کے تینوں فائر کھول دیئے، نتیجہ، قصہ ختم ہوا۔ زندگی بھر کا تعلق ایک لمحہ میں ختم ہو کر رہ گیا، سابقہ سارے ایثار اور جذبات و خدمات پر پانی پھر گیا، اب اپنے فعل پر ندامت، شرمندگی ہو رہی ہے۔

لیکن اب کیا ہوسکتا ہے، بندوق کی گولی نکل جانے کے بعد واپس تو نہیں لوٹائی جاسکتی۔ طلاق کا فائر کر دیا گیا، اب واپس لوٹانا کیسے ممکن ہو؟ اولاد الگ پریشان، بیوی الگ پریشان، شوہر الگ پریشان، اب کیا ہوسکتا ہے؟

یہ تو پہلے سوچنا چاہئے تھا کہ میرے اس فعل کے کیا نتائج نکلیں گے ٹھیک ہے، ممکن ہے آپ نے یہ سوچا ہو کہ اب ہمارے تعلقات بہت پرانے ہو چکے ہیں، شادی کو کئی سال ہو گئے ہیں، اب ہمارے تعلقات بہت مضبوط ہو گئے ہیں، شاید طلاق دینے سے بھی وہ متاثر نہ ہوں گے اور اس خیال نے آپ کو طلاق کے معاملہ میں لاپرواہ بنا دیا ہو۔

لیکن بات یہ نہیں ہے، آپ کے تعلقات اب گہرے تو ہو چکے ہیں، لیکن اس تعلق کی نزاکت اب بھی باقی ہے۔ اس لئے کہ طلاق اب بھی وہی اثر کرے

گی جو شادی کے بعد ابتدائی سالوں میں ہوتی ہے۔ فرق اتنا آیا کہ اگر شادی کے فوراً بعد یہ قصہ پیش آتا تو آپ کی اولاد اجڑنے کی اس پریشانی میں مبتلا نہ ہوتی، اور اب اولاد بھی اس پریشانی میں آپ کے ساتھ شریک ہے، بلکہ اسے دوہری پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔ ایک طرف باپ ہے تو دوسری طرف ماں، دونوں کو بھی نہیں چھوڑ سکتے۔ بقول شخصے

ع دو گونہ عذاب است جانِ مجنوں را

بہر حال! جس طرح سو سال کا بوڑھا کافر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتا ہے اسی طرح طلاق کا بول منہ سے نکالتے ہی بیوی کتنی بھی پرانی ہو، وہ طلاق دینے سے زوجیت سے نکل کر اجنبی بن جائے گی۔

اب دوسری طرف اس تعلق کی گہرائی کو دیکھیں تو اس سے زیادہ گہرائی کسی تعلق میں نظر نہیں آتی۔ آپ کی جتنی خدمت، جس طرح کی خدمت آپ کی بیوی کرسکتی ہے وہ کوئی دوسرا نہیں کرسکتا۔ جتنا وقت گزرتا جائے گا اتنی ہی اہمیت بڑھتی چلی جائے گی، خدمت کا جذبہ بڑھتا چلا جائے گا، تعلقات میں گہرائی آتی چلی جائے گی۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک وعظ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

”مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک ذاکر نے شکایت کی کہ حضرت! اب ذکر میں پہلے جیسی لذت نہیں آتی۔ فرمایا تم نے سنا نہیں کہ پرانی جورو اماں ہو جاتی ہے۔“

سبحان اللہ! کیا عجیب مثال دی، حاصل جواب کا وہی ہے کہ یہ لذت نفسانی ہے جس کا جوش کچھ دنوں رہا کرتا ہے، جیسے بیوی کے ساتھ جوشِ محبت چند روز رہتا ہے اور سال دو سال گزرنے کے بعد وہ پہلا سا جوش نہیں رہتا، بلکہ انس پہلے سے زیادہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جس بیوی کے ساتھ صحبت طویلہ رہی ہو اس کی

محبت رگ رگ میں سرایت کر جاتی ہے۔ یہی حال ذکر کا ہے کہ زمانہ ہونے کے بعد جوش تو کم ہو جاتا ہے مگر انس بڑھ جاتا ہے۔

پرانی جورو کے اماں ہو جانے پر ایک حکایت یاد آئی۔ ہندوستان میں ایک نواب رئیس تھے۔ بڑھاپے میں ان کی بیوی کا انتقال ہو گیا تو حاکم ضلع ان کی تعزیت کے لئے آیا اور کہا: "آغا صاحب! ہم کو آپ کی بیوی کے انتقال کا بہت صدمہ ہے۔" وہ رونے لگے اور کہا بھائی صاحب! وہ ہمارا بیوی نہ تھا، اماں تھا۔ ہم کو روٹی کھلاتا تھا، بدن دباتا تھا۔"

واقعی بوڑھے کی بیوی تو اماں ہی ہو جاتی ہے، کیونکہ کام سے تو دونوں گئے، اب وہ حالت ہوتی ہے . . .

بیچتے دینے سے مدت میں ہوس کی
محبت رہتی پاک

"اب ان کا تعلق نفسانی غرض کے سے نہیں ہوتا، محض پاک محبت ہوتی ہے۔" (بادۂ تحلیل ملفوظ صفحہ ۲۸)

ایک واقعہ یاد آیا کہ ایک بڑے میاں نے بڑھاپے میں دوسری شادی کرنے کا ارادہ کیا۔ پہلی بیوی کا انتقال ہو چکا تھا۔ اب ان کی بہو بیٹوں نے ان کو طعن اور برا بھلا کہنا شروع کر دیا کہ اب بڑے میاں کو شادی کی سوجھ رہی ہے، آرام سے بیٹھے رہیں، خدمت کیلئے اور کام کاج کے لئے ہم موجود ہیں، پھر شادی کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن انہوں نے کسی کی ایک نہ سنی اور شادی کر لی۔

کچھ عرصہ کے بعد بیمار پڑ گئے دست، قے اور الٹیاں شروع ہو گئیں۔ اب دوسرے رشتہ دار تو قریب بھی نہ آتے، خدمت تو کیا کرتے۔ ان کی بیوی اس حالت میں بھی ان کی خدمت کرتی، صفائی کرتی، دوا پلاتی اور ہر طرح سے ان کی تیمارداری کرتی۔ اب بڑے میاں کو کہنے کا موقع مل گیا کہ "کس وجہ سے تم مجھے

شادی کرنے سے روک رہے تھے، مگر لوگوں نے اپنا حال دیکھ لیا؟ کسی نے میری تیمار داری اور خدمت نہیں کی۔ خدمت کی تو میری بیوی نے۔ اگر میں تمہارے آسرے پر رہتا تو پڑا مرتا رہتا اور مر جاتا، کوئی پوچھتا بھی نہیں۔"

بہر حال: اب دیکھنا یہ ہے کہ بیوی تو آپ کی ہر طرح کی خدمت کرنے کو تیار رہتی ہے۔ افلاس و تنگ دستی، مصیبت و پریشانی اور ضعف و بیماری، ہر حال میں آپ کا ساتھ دیتی ہے، لیکن آپ اس کے ساتھ کیسا رویہ اختیار کرتے ہیں اور اس کو کس طرح رکھنا چاہتے ہیں؟

دیکھا یہ جاتا ہے کہ عام طور پر مرد اپنی بیوی کو محکوم بنا کر رکھنا چاہتے ہیں۔ اس کے ساتھ نوکروں اور خادموں جیسا رویہ اختیار کرتے ہیں اور دلیل میں یہ آیت پڑھ کر سنا دیتے ہیں:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾ (سورۃ النساء آیت ۳۴)

اس آیت کا مطلب تو یقیناً یہ ہے کہ بیوی شوہر کی ماتحت ہے، مگر "ماتحت" کے کئی درجے ہوتے ہیں۔ بیوی بھی ماتحت ہے، اولاد بھی ماتحت ہے، نوکر اور خادم اور خانساماں بھی ماتحت، ڈرائیور بھی ماتحت، چوکیدار بھی ماتحت۔ ماتحتی میں تو سب داخل ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ سب کو ایک لکڑی سے ہانکا جائے۔ بیوی اگرچہ آپ کی ماتحت ہے لیکن اس کی ماتحتی نوکروں اور خادموں جیسی ماتحتی نہیں، بلکہ وہ ماتحت ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کی رفیقۂ حیات اور مخلص و بے تکلف دوست ہے، تو اس کے ساتھ محض یہ خیال کر کے کہ وہ "ماتحت" ہے، نوکروں کا سلوک کرنا شدید غلطی ہے۔ اس طرز عمل کا ایک معمولی اثر ہوتا ہے کہ آدمی اپنے ایک مخلص رفیق کے شگفتہ جذبات سے محروم رہ جاتا ہے۔

بعض شوقین طبیعت مردوں کا یہ خیال ہے کہ "گرل فرینڈ" بیوی کے علاوہ کوئی اور ہونی چاہئے، اس لئے کہ بیوی کا کام تو امور خانہ داری اور بچے پالنا ہے۔

جب کہ گرل فرینڈ تو دل بہلانے، لطف اندوز ہونے، نفسانی خواہشات پوری کرنے اور سیر و تفریح کے مقامات پر ساتھ چلنے کے لئے رکھی جاتی ہے۔ حالانکہ یہ تمام امور حلال طریقے پر جتنے بہتر انداز میں بیوی انجام دے سکتی ہے، کوئی دوسرا نہیں دے سکتا، اس لئے کہ بیوی سے جو لطف اندوزی اور نفسانی خواہشات کی تکمیل ہوگی، وہ آپ کے لئے حلال اور جائز ہوگی۔ ظاہر ہے کہ جو سکون اور چین حلال اور جائز کاموں میں ہے، وہ حرام کاموں میں کہاں ہو سکتا ہے؟

لیکن یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب آپ اپنی بیوی کو صرف بیوی ہی نہ سمجھیں، بلکہ ایک بہترین دوست، رفیقۂ حیات بھی خیال کریں۔ پھر اس کے ساتھ تعلق بھی ایسا ہی رکھیں جیسے ایک مخلص دوست کے ساتھ رکھا جاتا ہے۔

اب آپ غور کریں کہ آپ اپنے دوستوں پر ویسا رعب جما سکتے ہیں، جیسا نوکروں پر جمایا جاتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ایسا کر کے تو دیکھیں، سارے دوست آپ کو چھوڑ کر الگ ہو جائیں گے۔ دوستوں کے ساتھ نوکروں جیسا برتاؤ کوئی عقل مند انسان نہیں کر سکتا۔ پھر حیرت کی بات ہے کہ ایسا برتاؤ آپ اپنی بیوی کے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں، جس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی دوست نہیں ہو سکتا۔ تجربہ ہے کہ افلاس و مصیبت میں سب دوست و احباب الگ ہو جاتے ہیں، رشتہ دار بھی ساتھ چھوڑ دیتے ہیں، مگر بیوی ہر حال میں اپنے شوہر کا ساتھ دیتی ہے۔ اسی طرح شادی کے بعد بیماری میں جیسی راحت بیوی سے پہنچتی ہے، کسی دوست سے تو کیا پہنچی؟ بسا اوقات اپنی اولاد سے بھی نہیں پہنچتی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بیوی کے برابر دنیا میں مرد کا کوئی کارآمد دوست نہیں۔ اور اسی تعلق کا خاصہ ہے کہ بیوی میں ایک قسم کا ناز بھی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس تعلق کے ساتھ مرد کا اپنی بیوی پر وہ رعب نہیں ہو سکتا، جو نوکروں پر ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا ایسا رعب جمانا ہی درست نہیں۔

یہ وہ تعلق ہے جس کی بنیاد پر بعض اوقات ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن بھی ناز میں آ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوستوں جیسا برتاؤ کرتی تھیں حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کون ہو سکتا ہے؟ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر کبھی رعب نہیں ڈالا۔ بلکہ ان کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا برتاؤ تھا کہ جس میں ماتحتی اور دوستی کے دونوں پہلو ملحوظ رہتے تھے۔ ماتحتی کے تعلق کا یہ اثر تھا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کبھی مخالفت نہیں کرتی تھیں۔ آپ کا ادب اور تعظیم اس درجہ کرتی تھیں کہ ان کے دل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے برابر کسی کی عظمت نہیں تھی اور دوستی کے تعلق کا یہ اثر تھا کہ بعض اوقات حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ناز کرتیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی ناگوار نہ ہوتا تھا۔

جب واقعہ افک پیش آیا اور منافقین نے حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بہتان باندھا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بہت دل گیر ہوئے، حتیٰ کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا (اس وقت حضرت عائشہ اپنے والد کے گھر پر تھیں) "اے عائشہ! اگر تم بالکل بری ہو، تو حق تعالیٰ تمہاری براءت ظاہر کر دیں گے اور اگر واقعی تم سے غلطی ہوئی ہے تو حق تعالیٰ سے توبہ و استغفار کر لو۔" حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس بات کا بہت رنج ہوا۔ انہوں نے عرض کیا کہ "میں نہیں جانتی کہ اس بات کا کیا جواب دوں، اگر میں یہ کہوں کہ میں بالکل بری ہوں اور ... خدا جانتا ہے کہ میں بالکل بری ہوں، تو اس کو آپ لوگوں کے دل قبول نہ کریں گے اور اگر میں یہ کہہ دوں کہ ہاں مجھ سے غلطی ہوئی ہے اور خدا جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں، تو اس بات کو آپ فوراً تسلیم کر لیں گے۔ بس! اس وقت میں وہی بات کہتی ہوں جو حضرت یعقوب علیہ السلام

نے فرمائی تھی:

﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ﴾ (سورۂ یوسف آیت ۱۸)

یہ کہہ کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرطِ غم سے بستر پر لیٹ گئیں اور رونے لگیں۔ اسی وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونے کے آثار نمایاں ہوئے اور مکان میں سناٹا چھا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وحی ختم ہو چکی تو پہلی بات جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلی وہ یہ تھی کہ:

"اے عائشہ! خوشخبری سن لو کہ حق تعالیٰ نے تمہاری برأت ظاہر کر دی۔"

پھر آپ نے وہ آیات پڑھ کر سنا دیں جو اس وقت نازل ہوئیں تھیں۔ اس بات کے سنتے ہی سب کو ایسی خوشی ہوئی کہ سارے گھر میں ہر شخص کا چہرہ خوشی سے کھل گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: "اے عائشہ! اٹھو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کرو۔" تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا۔

بخدا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اٹھ کر نہ جاؤں گی اور میں اپنے خدا کے سوا کسی کی حمد نہیں کرتی، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مجھے آلودہ ہی سمجھ لیا تھا، خدا تعالیٰ نے مجھے بری کیا۔ (صحیح البخاری حدیث نمبر ۲۶۳۷ کتاب الشہادات)

اب مردوں کو سمجھنا چاہیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ بات کس بنا پر تھی اس کا منشا وہی ناز تھا جو بیوی کو تعلق و دوستی کی وجہ سے شوہر پر ہوتا ہے اور شریعت نے عورتوں کی اس قسم کی باتوں پر جو وہ ناز میں کہہ ڈالیں کوئی مواخذہ نہیں کیا۔ اگر عورت کو ناز کرنے کا حق نہ ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس بات پر ضرور تنبیہ فرماتے، کیونکہ ظاہر میں تو یہ کلمہ بڑا سخت تھا اور یہ احتمال تو ہو ہی نہیں سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم احکامِ شرعیہ میں کسی کی رعایت فرمائیں۔

بیوی کا شوہر سے وہ تعلق ہے جس میں اتنی بڑی بات کو اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے گوارا کر لیا، ورنہ اس بات پر یا تو خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم گرفت فرماتے، یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی آیت نازل ہو جاتی۔ جیسا کہ ایک مرتبہ جب ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خرچ مانگا۔ چونکہ زیادہ مانگنا اور دنیاوی وسعت اور فراخی چاہنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج کے خلاف تھا، اس لئے فوراً آیت نازل ہوئی:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا﴾

(سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۲۸)

یعنی ”آپ ازواج مطہرات سے فرما دیجئے کہ اگر دنیا چاہتی ہو تو اس صورت میں تم میرے پاس نہیں رہ سکتیں۔ آؤ میں تم کو دنیاوی سازوسامان دے کر بہتر طور پر رخصت کر دوں اور اگر اللہ تعالیٰ اور رسول اور آخرت کی طالب ہو تو پھر صبر و شکر کے ساتھ اس تنگی کی حالت میں گزارا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نیک کام کرنے والوں کے لئے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔“

دیکھئے! اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو زیادہ خرچ مانگنے سے تو منع فرمایا اور اس ناز کی بات سے منع نہیں فرمایا، معلوم ہوا کہ ناز کرنے میں اتنی برائی نہیں تھی جتنی خرچ مانگنے میں تھی۔ مگر آج کل فہم اور مزاج ایسے خراب ہو گئے ہیں کہ زیادہ خرچ مانگنے کو تو برا نہیں سمجھتے جو کسی درجہ میں مذموم اور برا بھی ہے اور بیوی کے ناز اور بے تکلفی کو برا سمجھتے ہیں، جو ذرا بھی بری بات نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اندر بیماری پیدا ہو گئی ہے۔ جس کی بنا پر ہر سیدھی بات الٹی معلوم ہوتی ہے۔ جو چیز ناگوار ہونی چاہیئے تھی وہ تو گوارا ہے اور

جو گوارا ہونی چاہئے تھی وہ ناگوار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس بیماری سے شفا عطا فرمائے۔

بعض مرد یہ چاہتے ہیں کہ عورتیں بالکل اس معیار پر مہذب اور شائستہ ہو کر رہیں جس پر ہم چاہتے ہیں۔ اس لئے جب بیوی سے کوئی طبیعت کے خلاف بات ہو جاتی ہے تو اس پر سخت سزا دی جاتی ہے۔ حالانکہ عورتوں کا ایک حق یہ بھی ہے کہ ان کی طرف سے خلاف طبع امور کو گوارہ کیا جائے۔ حدیث میں ہے کہ عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوئی ہے اس لئے پسلی کی طرح اس میں تمہیں ٹیڑھ نظر آتی ہے۔ لیکن جس طرح پسلی کو سیدھا کرنا چاہو تو وہ ٹوٹ جائے گی، بالکل اسی طرح عورت کو زبردستی اپنی مرضی کے موافق سیدھا کرنا چاہو گے تو وہ بھی ٹوٹ جائے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ پسلی کا حسن ہی ٹیڑھا ہونا ہے۔ اسی طرح عورت کا حسن بھی اسی ٹیڑھ میں ہے۔ اس سے نفع اٹھانا ہے تو ٹیڑھے پن کے ساتھ نفع اٹھاتے رہو۔ (ماخذہ مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۲۸۰)

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ویسے عورتوں میں یہ بات عیب نہیں کہ وہ تھوڑی سی غیر مہذب اور بے سلیقہ ہوں، کیونکہ اکثر غیر مہذب اور بے سلیقہ عورتیں وہی ہوتی ہیں جو سیدھی سادی ہوتی ہیں اور ایسی سیدھی سادی عورتیں خاوند کی بہت تابعدار اور جاں نثار ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایسی کوئی عورت خود بیمار پڑی ہے اور اٹھنے کی بھی طاقت نہیں لیکن اسی حالت میں اگر شوہر بھی بیمار پڑ جائے تو وہ اپنی بیماری کو بھول کر اپنے شوہر کی خدمت کے لئے کھڑی ہو جاتی ہے، اب اپنا آرام اپنی راحت چھوڑ کر ہر وقت اس کی تیمارداری میں مشغول رہتی ہے۔ یہ بات تو عام ہے کہ عورتیں خود کھانا آخر میں کھاتی ہیں، پہلے مردوں کو کھلاتی ہیں۔ اگر اس وقت اچانک کوئی مہمان آجائے تو اپنا کھانا مہمان کے لئے بھیج دیں گی۔ اگر وہاں سے کچھ بچ کر واپس آگیا تو کھا لیا، ورنہ فاقہ کر لیا۔ اگر شوہر آدھی رات کو سفر سے

واپس آجائے تو یہ وفا شعار عورت اپنا آرام اور اپنی نیند قربان کر کے اسی وقت اس کے لئے کھانا پکائے گی اور اس کی خدمت میں لگ جائے گی۔

بہر حال! عورت تو اپنا سب کچھ مرد پر قربان کر دے اور مرد اس سے بے نیاز رہے، عورت نے تھوڑی سی زبان چلا دی، بس مارنے اور بدلہ لینے پر اتر آئے اس کی دلداری چھوڑ دی۔ مرد کے لئے یہ طریقہ کسی طرح بھی مناسب نہیں، بلکہ اس کی ہمہ وقت خدمات کے صلے میں ان چیزوں کو برداشت کرنا چاہئے۔

ایسے شوقین مزاج مرد ذرا ایمانداری سے بتائیں کہ کیا یہی طرز عمل وہ اپنی اس دوست کے ساتھ کر سکتے ہیں جسے بیوی بنائے بغیر بیوی کا مرتبہ دے رکھا ہے، جو شرعاً جائز نہیں۔ اس کے ساتھ آپ کا رویہ کیسا ہوگا؟ کیا آپ کبھی اس کو ماریں گے۔ اس پر ڈانٹ ڈپٹ کریں گے؟ ہرگز نہیں اس لئے کہ وہ آپ کی دوست ہے۔ کیا بیوی کا درجہ "گرل فرینڈ" سے بھی کم ہے؟ نہیں۔ بیوی کا مقام "گرل فرینڈ" سے بہت اونچا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اس کے ساتھ ایسا رویہ رکھا جاتا ہے۔ گرل فرینڈ بنانا تو ویسے بھی ناجائز اور حرام ہے کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے لیکن تعجب ہے اس شخص پر جس کی بیوی موجود ہے اس کو "گرل فرینڈ" بنانے کی کیا ضرورت ہے، اس کی بیوی ہی اس کی بہترین گرل فرینڈ بن سکتی ہے۔ جس مقصد کے لئے کسی عورت کو "گرل فرینڈ" بنایا جاتا ہے وہ مقصد بیوی بہتر انداز میں حلال طریقے پر پورا کر سکتی ہے، بشرطیکہ آپ اپنی نگاہ کی حفاظت کریں اور اپنی بیوی کو اپنے برابر، اپنا دوست اور اپنا ساتھی سمجھیں اس کو محض اپنی ماتحت اور محکومہ اور خادمہ نہ سمجھیں۔

جب آپ اپنی بیوی کو اس کا یہ حق دینے لگیں گے تو یقیناً اس کی محبت و خدمت میں مزید حلاوت پیدا ہو جائے گی اور اگر آپ کو اس سے کوئی شکایت یا رنجش ہوگی بھی تو وہ اس حسن سلوک کے نتیجہ میں خود بخود زائل ہی ہو جائے گی۔

ذرا اپنی لا پرواہی اور خود ساختہ خودداری کے بھنور سے نکل کر تو دیکھئے، اس تعلق کی لطافت ہے کیا؟

ہمارے پاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بہترین اُسوہ (نمونہ) موجود ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے ساتھ کس طرح کا سلوک کرتے تھے، ان سے کس طرح محبت اور شفقت اور دوستانہ انداز میں پیش آتے تھے اور کس طرح ان کی دل بستگی فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ:

"میں ایک سفر پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی تو پیدل دوڑ میں ہمارا مقابلہ ہوا۔ میں جیت گئی اور آگے نکل گئی۔ اس کے بعد جب میرا جسم بھاری ہو گیا تو (اس زمانے میں بھی ایک دفعہ) ہمارا دوڑ میں مقابلہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیت گئے اور آگے نکل گئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تمہاری اس جیت کا جواب ہو گیا۔" (مشکوٰۃ جلد۲ صفحہ۲۸۱)

موجودہ تہذیب یافتہ دور میں اپنی بیوی کے ساتھ اس طرح کی دوڑ لگانا باعث شرم سمجھا جاتا ہے۔

لیکن کسی اجنبی کے ساتھ اس طرح کا کھیل چاہے یونہی، دل لگی کے لئے ہو یا پیشہ ورانہ طور پر، روشن خیالی اور تہذیب کے عین مطابق سمجھا جاتا ہے۔ ہمارے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ باعث فخر ہے چاہے موجودہ تہذیب اس کو غیر مہذب سمجھے۔ ایک روایت میں ہے کہ:

"بعض اوقات جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پانی پیتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاتھ سے پیالہ لے کر وہیں لب مبارک لگا لیتے جہاں سے انہوں نے پیا تھا۔" (مشکوٰۃ جلد۱ صفحہ۵۹)

دوسری روایت میں ہے کہ:

”(بعض اوقات) جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہڈی پر سے گوشت کھاتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ہڈی لے کر وہاں منہ لگا کر کھاتے جہاں سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کھایا تھا۔“ (مشکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۵۶)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس محبوبانہ عمل کا ذرا موجودہ تہذیب سے موازنہ تو کیجئے۔ موجودہ تہذیب میں تو دوسرے کے بچے ہوئے پانی کو جھوٹے پانی کا نام دیا جاتا ہے اور اس کے پینے کو پہلے کی بیماری اپنی طرف متعدی ہو جانے کا سبب قرار دیا جاتا ہے اور اس سے نفرت کا اظہار کیا جاتا ہے (حالانکہ یہ ہندوؤں کا طرزِ عمل ہے ان کے مذہب میں نیچی اور چھوٹی قوم سے چھوت چھات برتا جاتا ہے۔ ان کی ہر چیز سے دور بھاگا جاتا ہے اور ان کی ذات کو قابلِ نفرت اور حقارت سمجھا جاتا ہے) یہی آج کی تہذیب کا لازمی حصہ ہے حالانکہ اس کے برعکس اسلام میں دوسرے کا بچا ہوا پانی اور کھانا اپنے استعمال میں لانا سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور صرف یہی نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بچا ہوا پانی پیا یا بچا ہوا کھانا کھا لیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار اس طرح کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جس جگہ اپنا منہ لگایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وہیں اپنے لب مبارک لگائے۔ اسی جگہ سے آپ نے بھی پیا اور جس جگہ سے انہوں نے ہڈی پر سے گوشت کھایا، آپ نے اسی جگہ سے منہ لگا کر گوشت کھایا۔ یہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے۔

ایک حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً، إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ﴾

(صحیح مسلم، کتاب الرضاع حدیث نمبر ۲۶۷۲)

ترجمہ: "کسی ایمان والے شوہر کو اپنی مومنہ بیوی سے نفرت نہیں کرنی چاہیے۔ اگر اس کی کوئی عادت ناپسندیدہ ہوگی، تو دوسری کوئی عادت پسندیدہ بھی ہوگی۔"

یعنی اگر شوہر کو اپنی بیوی کی عادات واطوار میں کوئی بات مرضی کے خلاف اور ناپسندیدہ معلوم ہو اور اچھی نہ لگے تو اس کی وجہ سے اس سے نفرت اور بے تعلقی کا رویہ اختیار نہ کرے اور نہ طلاق کے بارے میں سوچے، بلکہ اس میں جو خوبیاں ہوں، ان پر نگاہ کرے اور ان کی قدر و قیمت سمجھے۔ یہ مومن شوہر کی صفت ایمان کا تقاضہ اور مومنہ بیوی کے ایمان کا حق ہے۔ اسی بات کو قرآن کریم میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا.﴾ (سورۃ النساء، آیت نمبر ۱۹)

ترجمہ: "اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گزران کیا کرو اور اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھ دیں۔"

ایک دوسری حدیث میں ہے:

﴿عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَكْمَلِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا، اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَّاَلْطَفُهُمْ بِاَهْلِهٖ.﴾ (سنن الترمذی کتاب الایمان حدیث نمبر ۲۶۱۲)

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومنین میں کامل ایمان والا شخص وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں اور جو اپنی بیوی پر سب سے زیادہ مہربان ہو۔"

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

﴿عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم خيركم خيركم لأهله وأنا خيركم لأهلي.﴾

(سنن الترمذی کتاب المناقب حدیث نمبر ۳۸۹۵)

ترجمہ ''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سب سے زیادہ اچھا آدمی وہ ہے جو اپنی بیوی کے حق میں اچھا ہو اور میں تمہارے مقابلے میں اپنی بیوی کے حق میں اچھا ہوں۔''

ان احادیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کے اچھے اور برے ہونے کا معیار اس بیوی کے ساتھ اس کے سلوک کو قرار دیا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بیوی کے ساتھ حسن سلوک شریعت کے دوسرے احکام سے روگردانی کی تلافی کر دے گا۔ بلکہ یہاں دراصل بداخلاق مسلمانوں کو تنبیہ مقصود ہے۔

لیکن عام طور پر ایک شوہر اپنی بیوی کی نظر میں اس وقت اچھا بن سکتا ہے جب وہ گھریلو کاموں میں اس کا ہاتھ بٹائے، اس کے آرام اور راحت کا خیال رکھے، گھریلو معاملات میں اس کو ساتھ لے کر چلے اور اس کے مشوروں کو اہمیت دے اور حدود شریعت کے اندر رہتے ہوئے اس کو اختیار اور آزادی بھی دے۔ بیوی کے ساتھ اس قسم کا رویہ رکھنے سے کوئی شوہر اپنی بیوی کا غلام نہیں بنے گا، بلکہ اس کا دل موہ لے گا اور اس قسم کا رویہ بیوی کا حق بھی ہے، اس لئے کہ وہ رفیقہ حیات بن کر تمہارے گھر آئی ہے، وہ تمہاری رازدار ہے، تمہاری مخلص دوست ہے، تمہارے بچوں کی ماں ہے، وہ تمہاری جلوت اور خلوت کی ساتھی ہے وہ تمہاری عزت ہے، وہ تمہارا لباس ہے، وہ تمہیں گناہوں سے بچانے کا ایک

محفوظ قلعہ ہے، وہ تمہارا نصف ایمان ہے، وہ افلاس، تنگ دستی، غربت، بیماری، دکھ درد اور تکلیف میں بھی تمہارا ساتھ دینے والی ہے وہ تمہارے تمام کمالات اور تمام عیوب سے واقف ہے...... اور تمہارے سکون حاصل کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

ایمانداری سے بتایئے! جس شخصیت کا آپ کے ساتھ اتنا گہرا تعلق ہو، اس کا اتنا حق نہیں کہ اس کی کوئی بات مانی جائے؟ غور کیجئے! اگر آپ کا کوئی گہرا دوست ہو اور وہ آپ سے کسی کام کے لئے کہے تو کیا آپ اُن سے انکار کر دیں گے؟ ہرگز نہیں آپ کو انکار کی جرأت بھی نہ ہوگی، اس لئے کہ آپ کو دوستی کا بھرم رکھنا ہے، اس کو نبھانا ہے، آپ کو دوستی ختم ہو جانے کا ڈر ہوگا۔ جب ایک عام دوست کے ساتھ اس طرح کا رویہ نہیں رکھا جاتا تو بیوی تو سب سے قریبی دوست ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو آخری خطبہ دیا تھا، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری زندگی کا نچوڑ، تمام احکام اور پوری شریعت کا خلاصہ ذکر فرمایا تھا، اس میں بھی عورتوں کے بارے میں خاص حکم ارشاد فرمایا کہ:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ، فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ﴾

(صحیح مسلم کتاب الحج، باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد ا صفحہ ۳۹۷)

ترجمہ: ”لوگو! اپنی بیویوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ تم نے ان کو اللہ کی امان کے ساتھ عقد میں لیا ہے اور اللہ کے کلمہ کے ذریعے ان سے فائدہ اٹھانا حلال ہوا ہے۔“

اس حدیث میں واضح طور پر مردوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ انہیں عورتوں کا جو بااختیار سربراہ بنایا ہے اس سربراہی کو اللہ تعالیٰ کے مواخذہ اور محاسبہ سے بے پرواہ

ہو کر عورتوں پر استعمال نہ کریں، بلکہ ان کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈریں۔

اور یاد رکھو! کہ تمہارے اور تمہاری بیویوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کی ذات موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اسکے مقرر کئے ہوئے ضابطہ نکاح کے مطابق وہ تمہاری بیویاں ہیں اور تمہارے لئے حلال ہوئی ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی امان میں تمہاری ماتحت اور زیردست بنائی گئی ہیں (یعنی بیوی بن جانے کے بعد ان کو اللہ تعالیٰ کی امان اور پناہ حاصل ہے)۔ اگر تم ان کے ساتھ ظلم کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی امان کو توڑو گے اور اس کے مجرم ہو گے۔ (بشکریہ ماہنامہ البلاغ از مولانا عبداللہ صاحب)

کیوں؟...... کیا؟...... سے بچیئے

ایک اہم بات جس کی طرف توجہ دلانا انتہائی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ بعض گھروں میں شوہر اور بیوی کے درمیان جو کشیدگی رہتی ہے اور طول پکڑتی جاتی ہے اس کے بنیادی اسباب میں سے ایک اہم سبب بیوی کے ذاتی معمولات یا خانگی معاملات سے متعلق ایسے مراحل جن کو بیوی ہی خوش اسلوبی سے نباہتی ہے ان میں شوہر کے بے جا اور بے موقع مداخلت یا بات بات پر کیوں؟ ..... کیا؟..... کیسے؟ کہاں؟ کب؟ والے جملوں کی بھرمار کا ہونا ہے، جو بیوی کو انتہائی ضیق (تکلیف) میں مبتلا کرتے ہیں اور تنگ آکر آہستہ آہستہ منہ پھٹ، بدزبان اور زبان دراز ہو جاتی ہے اور اس کی وجہ ذہن کا وہ چڑچڑا پن ہے جو شوہر کی طرف سے بے تکے سوالات کی بھرمار سے پیدا ہوا ۔ ۔

آخر شوہر صاحبان یہ کیوں نہیں سوچتے کہ وہ خود تو دفتر میں پنکھے کے نیچے اطمینان سے بیٹھے رہتے ہیں اور یہ بے چاری عورت گھر میں ہوتے ہوئے بھی چولہے کی تپش میں رہتی ہے، گھر کی صفائی، کھانے کی تیاری، بچوں کو صاف ستھرا رکھنا، چھوٹا بچہ کہیں چوٹ نہ کھا بیٹھے، اس کا دھیان رکھنا، گھر میں کام کاج کے

لئے آنے والی ملازمہ سے مغز ماری کرنا، دروازے پر آنے والوں کو جواب۔ ٹیلی فون سننا، اسکول یا مدرسے سے بچوں کے ڈرتحرے اٹھانا، انہیں کھانا کھلانا، خود شوہر صاحب ہی کے کسی تازہ فون پر ملے ہوئے آرڈر پر عمل کرنا (مثلاً یہ کہ میں شام ۴ بجے تک گھر آؤں گا اور فلاں کپڑے پر استری کر کے رکھ لینا گھر آتے ہی تیار ہو کر فوراً کہیں جانا ہے وغیرہ) مذکورہ بالا اور اسی جیسی دسیوں مصروفیات اور الجھنوں میں گھری ہوئی بیوی اور ہر ہر بچے اور شوہر کا الگ الگ کام کرنے والی پر کیوں ... ؟ کیا .... ؟ کیسے ... ؟ کب ... ؟ کس لئے ... ؟ کی بوچھاڑ ہوئی تو اس پر کیا گزرے گی۔ اگر ساس نند گھر میں رہتی ہیں تو کبھی ان کی طرف سے آپ کی بیوی کو کسی نامناسب بات کو سہنا پڑتا ہے۔ پھر دل کے بوجھ سمیت سارے کام پورے کرنا ... اور پھر ساس صاحبہ کی طرف سے یہ ڈراوا کہ منہ سیدھا رکھو، چہرہ پھولا ہوا کیوں ہے اور اس کے علاوہ نند صاحبہ کی تحقیقات کہ مثلاً آج بھائی جان کے آنے سے پہلے بھابھی صاحبہ کہاں جانے کے لئے تیار ہوئی بیٹھی ہیں، کیا بھائی جان نے فون پر پہلے سے بتا دیا ہے کہ آج کہیں باہر ضیافت میں جانا ہے، یا اسی طرح دیورانی اور جیٹھانی کی طرف سے کسی بات پر ناراضگی کی کوفت الگ ... آپ خود ہی ٹھنڈے دل سے سوچیں۔

"یہ کام کیوں نہیں کیا؟ یہ کیسے ہوا؟ کھانا کب ملے گا؟ بچے کو کیا ہوا؟ وغیرہ سوالات کی بوچھاڑ اس پر نہ فرمائیں۔ کیونکہ وہ تو ان چیزوں کو برداشت کرتی رہے گی اور منتظر ہوگی کہ جو اس کا اصل ہمدرد اور غم خوار ہے وہ آ کر کچھ میٹھے بول بولے جس سے یہ تمام غم زائل ہوں ....."

آیئے آپ کو ہم بتاتے ہیں کہ آپ کی کیا، کیوں وغیرہ کا کیا نتیجہ ہوگا؟

❶ اگر بیوی مکمل تحمل اور برداشت والی ہے تو خود گھٹ کر رہ جائے گی، پھر مالک الملک سے اپنی فریاد کرے گی۔ نتیجۃً دل پر ہاتھ رکھ کر آنسوؤں کی بہتی ہوئی

لڑکیوں کے ساتھ آسمان کی طرف صرف ایک دفعہ بے ڈھنگی سے اس کا دیکھ لینا ہی جناب والا کی بربادیوں اور بے چینیوں کا سامان کر دے گا۔

❷ زبان لڑکیوں سے جب دل پک جائے گا تو پھر ادب میں آنجناب کو تو کچھ نہ کہے گی مگر معصوم بچوں پر لعنت یا مار کی صورت میں اپنا غصہ اتارے گی۔

❸ اور اگر برداشت کا مادہ نہیں ہے یا کم ہے یا بات حد برداشت سے باہر ہے تو چار و ناچار پلٹ کر آپ ہی کو جواب دینا شروع کر دے گی۔ پھر آپ کو اس کی بدزبانی کی شکایت ہوگی۔ اگر آپ نے پھر بھی اپنی غلطی تسلیم نہ کی اور آپ کے گھر والوں نے بھی آپ ہی کا ساتھ دیا تو بات بڑھ جائے گی اور نوبت علیحدگی تک پہنچ جانے کی، بنتا بستا گھرانہ برباد ہو جائے گا۔

❹ جب وہ آپ کو ہمدرد نہ پائے گی تو آخر دل کا غبار کہیں تو نکالے گی۔ بہانے بہانے میکے رہنے جائے گی۔ تو شکایتوں کے دفتر کھول دے گی۔ سہیلیوں سے تذکرہ کرے گی اور مثل تو مشہور ہی ہے کہ ”بات ہونٹوں نکلی کوٹھوں چڑھی۔“ اب خوب رسوائی اور جگ ہنسائی ہوگی۔

❺ ماں باپ کے روز روز لڑائی جھگڑوں کا بچوں کی صحت اور مزاج پر بہت برا اثر پڑے گا اور ان کی شخصیت مسخ ہو کر رہ جائے گی یا تو وہ احساس محرومی کا شکار ہوں گے یا ان میں مجرمانہ ذہنیت پروان چڑھے گی اور وہ بجائے مفید شہری بننے کے معاشرے کے ناسور بن جائیں گے ان کی دنیا اور آخرت دونوں برباد ہو جائیں گی۔

❻ آپ کے اس طرز عمل کا ایک اور بہت بڑا نقصان یہ ہوگا کہ وہ پریشان ہو کر گھر کے سکون، شوہر کی محبت، ساس نند کے جھگڑوں سے نجات کے لئے کاہنوں، جعلی پیروں، نجومیوں، کالے علم والوں وغیرہ کے چکروں میں پڑ جائے گی۔ ان بے دین جادوگروں اور شریعت کے خلاف تعویذ دینے والوں کے ہتھے چڑھ کر وہ بے چاری

بے وقوف اپنی دنیا تو برباد کرے گی ہی، اللہ نہ کرے، اگر اسی حالت میں موت آگئی اور شرک سے توبہ نہ کی تو آخرت میں نجات کے بھی لالے پڑ جائیں گے۔ تو جو لوگ اس کو اس حال تک پہنچانے کے ذمہ دار ہوں گے وہ کیسے نجات پائیں گے؟

لہٰذا میرے محترم بھائی! کسی مسلمان بیوی کے شوہر صاحب! اللہ کے واسطے اپنے اوپر اور اپنی آنے والی نئی نسل پر بھی رحم کھائیے، ٹھنڈے دل سے غور کیجیے کہ ان سارے نقصانات سے بچنے اور بچانے کی اصل تدبیر تو آپ ہی کے پاس ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ اپنا طرزِ عمل بدل لیں...... ہر وقت کی کیوں، کیا سے پرہیز کریں۔ دن بھر تھکی ہوئی بیوی کو پریشان نہ کریں، اس کو اپنے سے دور نہ کریں...... وہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر ایک آپ کے نام پر آئی ہے۔ آپ اپنے غلط رویے سے اپنے اور اس کے درمیان کیوں نفرت کی دیوار کھڑی کرتے ہیں؟ لہٰذا خدارا ہماری ان گزارشات پر عمل کریں، اور اس کے بہترین ثمرات کا مشاہدہ کریں۔

اگر یہ کوتاہیاں آپ کی بہن یا بیٹی میں ہوتیں......

اگر آپ اس سارے معاملے کو اس زاویہ سے دیکھیں کہ یہ جتنی کوتاہیاں آپ کو اپنی شریکِ حیات میں نظر آ رہی ہیں اگر یہی شکایات آپ کی ہمشیرہ سے ہوتی اور سمدھیانے سے ان کی شکایتیں آپ کی والدہ کے پاس آتیں اور خود آپ کی ہمشیرہ اپنے شوہر یا سسرال والوں کے ناروا سلوک کی شکایت کرتیں تو آپ کے دل پر کیا گزرتی؟

آپ ہی کہتے نا کہ آخر بچی ہی تو ہے، ناتجربہ کار ہے، نئے گھر، نئے ماحول میں گئی ہے، دل لگتے لگتے بھی عرصہ لگتا ہے۔ یہ ضروری تھوڑی ہے کہ پہلے روز سے سسرال کے رنگ میں رنگ جائے! اس کے میاں صاحب بڑے شہزادے معلوم ہوتے ہیں کہ ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتے میری پیاری بہن یا میری پیاری

بیٹی کو ستاتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح آپ کی بیوی بھی کسی کی دلاری ہے، کسی کی پیاری بہن ہے، اس کی کوتاہیوں کے بھی ایسے ہی عذر تراش لیں۔

اور بہن بیٹی کو بھی چھوڑیں ذرا سوچیں کہ آپ جو دنیا کی ساری خوبیاں اپنی بیوی میں دیکھنا چاہ رہے ہیں اور اس کا کردار ساری کوتاہیوں سے مبرا دیکھنے کے متمنی ہیں کچھ وقت ذرا یہ سوچنے کے لئے نکال لیں کہ جس نے آپ کو بیٹی دی ہے اگر وہ بھی اور پوری دنیا میں بسنے والی لڑکیوں کے باپ اپنے ہونے والے داماد کے لئے کوئی ایسا معیار ذہن میں مقرر کر لیتے کہ لڑکے کا نسب تو حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہو اور تقویٰ اور اخلاق میں وہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی مثل ہو اور علم میں، اگر وہ دینی ہے تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مثل ہو اور اگر دنیوی ہے تو کم از کم بوعلی سینا کا ہم پلہ تو ہو اور رستم جیسا قوی اور خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا شجاع ہو۔

خدارا اپنے رویے پر نظر ثانی کریں اس آنے والی کی صلاحیتیں اجاگر ہونے دیں۔ اس کے اندر کی خوبیوں کو نکھرنے کا موقع دیں۔ اس کی گود آپ کے بچوں کی پہلی تربیت گاہ ہوگی!! کیا کسی بے دین دوست نے یا آپ کی والدہ یا ہمشیرہ صاحبہ نے طعنہ کے طور پر آپ کو "جورو کا غلام" کہہ دیا ہے اور آپ جناب وضعداری نبھا کر بیاہتا وہی سب کو بتا رہے ہیں کہ نہیں، میں جورو کا غلام نہیں، بلکہ جورو میرے پاؤں کی جوتی ہے۔

آپ سارے پہلوؤں پر غور کر کے صحیح فیصلہ کریں اور پھر راہ متعین کریں کہ کیا کرنا ہے اور برائے مہربانی اس کی غلطیوں اور عیوب کو یہ سمجھ کر کہ ابھی نئی آئی ہے، درگزر کریں۔ آہستہ آہستہ یہ عیب ختم ہو جائیں گے۔ تسامح اور چشم پوشی والا معاملہ کریں اور جس طرح اگر آپ کی بہن یا بیٹی میں یہ کوتاہیاں ہوتیں تو آپ

اپنے بھتیجوں اور داماد کو بھی ترغیب دیجئے کہ آہستہ آہستہ اصلاح ہو جائے گی۔ اس طرح اپنے دل کو بھی سمجھائیں۔ اور ان کے لئے اصلاحی خطبات (مواعظ حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم) کا مطالعہ کریں اور معتبر علماء کرام و تجربہ کار مفتیوں سے رابطہ رکھیں۔

دکان بند کرنے کے ساتھ دکان کی فکروں کو بھی تالا لگا دیجئے

بعض خوش قسمت لوگ اس بات کے عادی ہوتے ہیں کہ شام کو دکان، دفتر، اسکول، مطلب، وغیرہ بند کرنے کے ساتھ ان کی فکروں کو بھی بند کر دیتے ہیں کہ جو باقی کام رہ گئے ہیں وہ ان شاء اللہ کل صبح جا کر دیکھ لیں گے، لیکن بعض مرد وہاں کی فکریں، وہاں ہونے والی ذہنی پریشانیاں اور وہاں کی فضا کی چخ چخ کا بوجھ یا نقصان اور کسی قسم کے کسی نئے معاملے کی پریشانی وغیرہ کے سارے بوجھوں کا گٹھا باندھ کر اور فکر مند چہرہ بنا کر جھٹک پٹک کے ساتھ گھر میں داخل ہوتے ہیں۔ بیوی سارے دن کی تھکی ہاری صرف اور صرف آپ کی منتظر بیٹھی ہے۔ شوہر صاحب کی پسند کے کھانے تیار کر کے خود کو اور بچوں کو صاف ستھرا کر کے گھر کو سنوار کر اور اپنی تھکن بھلا کر بشاشت کے ساتھ آپ کا استقبال کر رہی ہے۔ اور آپ آتے ہی ساری جھنجھلاہٹ اس پر اتار دیتے ہیں تو اس پر کیا گزرے گی؟ لہٰذا برائے مہربانی دکان بند کرنے کے ساتھ ساتھ وہاں کی فکریں بھی بند کر دیجئے۔ مسلمان کی تو شان یہ ہونی چاہیے کہ اللہ پاک کے ہر فیصلے پر راضی ہو چاہے کاروبار خوب چل رہا ہو یا کوئی رکاوٹ یا نامناسب حالات سامنے آرہے ہوں، ہر حال میں راضی رہے اور دعائیں کرتا رہے۔

اگرچہ اس نوع کے حالات کا طبعی اثر ہوتا ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ

اس کا نزلہ ملازموں پر یا بیوی بچوں پر گرے اور وہ آپ کے رویے کی وجہ سے آپ سے دور دور رہیں۔ آپ اپنے آپ کو ہر حال میں مسکرانے کا عادی بنائیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کو جو بھی دیکھے گا، بشاشت محسوس کرے گا۔ آپ سے یہ خوشگوار زندگی گزارنے کے لئے اس اصول پر عمل کیجئے کہ کاروبار کے تفکرات سے ذہن کو خالی کر کے گھر آیئے۔

ایک کا غصہ دوسرے پر نہ اتاریں

آپ خود اس پر غور فرمائیں کہ مثلاً کسی شعبے میں یا کسی ادارے میں آپ کی رائے کے موافق فیصلہ نہ ہوا یا ملازموں نے آپ کی بات نہ مانی یا آپ ملازم ہیں آپ کی تنخواہ نہیں بڑھائی گئی یا کسی کوتاہی کی بنا پر مراعات واپس لے لی گئیں، تو ان سب باتوں پر دل دکھنا تو فطری بات ہے، لیکن انصاف سے بتایئے کہ کیا یہ بالکل ناانصافی اور بزدلی نہیں کہ ان متعلقہ افراد سے تو کھل کر اپنی بات نہ کر سکے اور گھر آ کر ان بے گناہ اور بے بس ماتحتوں پر ان کا غصہ اتارا جائے، یا گھر والوں کی معمولی سی غفلت پر کاٹنے کو دوڑے، کھانے میں نقص نکالے، بچے کے پاس آنے پر جھنجھلائے، یا بے بہانہ اسی پر جھگڑ پڑے کہ فلاں سالن کے ساتھ فلاں سبزی کیوں نہیں پکائی وغیرہ یا منا بچہ دوڑتا ہوا آپ کے پاس آیا تو چیخ پڑے کہ میرے آتے ہی کیوں چپک رہا ہے ... گھنٹی پر دروازہ کھلنے میں دیر ہوئی تو اب دروازہ اتنی زور سے دھڑ دھڑا رہے ہیں کہ بیوی تو کام کاج چھوڑ کر دوڑی ہی تھی، پڑوسی بھی پریشان ہو گئے کہ خدانخواستہ کیا مصیبت آ گئی۔

آپ جناب میں اگر حوصلہ اور اعتماد ہے تو آپ کی یہ صلاحیت دفتر کے ذمہ داروں (جن کے آپ ماتحت ہیں) یا ملازموں (جو آپ کے ماتحت ہیں) کے سامنے کیوں نہیں ظاہر ہوتی۔ لہٰذا خود اعتمادی پیدا کیجئے، ہمت اور حوصلہ کے ساتھ

رہیے، اپنی قوتِ برداشت بڑھایئے، اپنے نفس پر مجاہدہ کرتے ہوئے صبر کیجئے اور نفس کو تلقین کیجئے کہ اے نفس! میں تجھے کسی پر ظلم نہیں کرنے دوں گا، اپنی زبان کے ذریعے کسی کو تکلیف نہیں دوں گا باوجودیکہ غصہ نکال سکتا ہوں مگر غصہ کا گھونٹ پی کر اپنے اللہ پاک جل جلالہ کے یہاں محبوب بنوں گا اور لوگوں سے درگزر کا معاملہ کروں گا، اپنی ذات یا اپنے وجود کو لوگوں کے لئے، بالخصوص اپنے بے بس بیوی بچوں کے لئے (جو مجھے اپنا سب کچھ سمجھتے ہیں) وحشت ناک اور دہشت ناک نہیں بناؤں گا، میں شفیق بارعب بنوں گا (جو شرعاً مطلوب بھی ہے)۔

اے نفس! تو مجھ سے غصہ کروا کر جہاں مجھے اللہ تعالیٰ کی نظر میں گراتا ہے، وہیں میرے گھر والوں میں بھی میری بات ہلکی اور بے وزن کراتا ہے، کیوں کہ پھر وہ واقعی کسی صحیح موقع پر بھی میری تنبیہ کا اثر نہیں لیں گے کہ ان کو تو بات بے بات ڈانٹنے کی عادت ہے ہی۔

اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ دفتر، دکان، کی پریشانیاں تو ختم ہوں گی نہیں، گھر کا سکون بھی برباد ہو جائے گا۔ بیوی بھی آپ کی روز روز کی ڈانٹ ڈپٹ سے تنگ آ کر جواب دینے لگے گی تو گھر میدانِ جنگ بن جائے گا۔ اور اولاد بڑی سمجھ دار ہے تو وہ بھی ایسے حالات میں آپ ہی کو قصوروار اور ماں کو مظلومہ سمجھے گی اور آپ کی مخالفت اور ماں کی حمایت کرے گی، اگر کوئی منچلا لڑکا آپ کی ہاں میں ہاں ملا کر ماں سے بدزبانی پر اتر آیا تو نہ صرف یہ کہ وہ گناہگار ہوگا، بلکہ گھر میں عجیب پارٹی بازی اور محاذ آرائی کی سی فضا بن جائے گی کہ کچھ بچے ماں کی طرف اور کچھ باپ کی طرف۔ ایسے حالات میں آپ دفتر یا دکان میں بھی یکسوئی سے کام نہ کر سکیں گے۔

تو دیکھا! آپ کی ذرا سی غفلت یا غلط حکمتِ عملی سے گھر اور دفتر (یا دکان) دونوں کا سکون برباد ہوا ...... لہٰذا عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ کسی باہر والے کی

کوتاہی پر آنے والا غصہ بیوی بچوں پر نہ اتاریں، ہر ایک کو اس کا مقام دیں اور اسی کے مطابق اس سے برتاؤ کریں۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپ کو اور ہم سب کو عقل، فہم و فراست عطا فرمائے اور ہماری زندگیوں کو خوشگوار بنائے۔ اس کی ایک نہایت ہی آسان صورت یہ ہے کہ آدمی اپنی زندگی کو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے سانچے میں ڈھالے کہ پنج وقتہ نماز جماعت سے اس طرح پڑھے کہ ہر اذان سے پہلے مسجد پہنچ جائے، اذان کے بعد نوافل، ذکر و تلاوت (جیسا موقع ہو) میں مشغول ہو جائے، اور نماز کے بعد خوب دعائیں مانگے، یہ نہ ہو سکے تو کم از کم اذان سنتے ہی مسجد پہنچنے کی کوشش کرے، اذان کے بعد کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہوں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ تھوڑا عرصہ اس پر عمل کرنے سے طبیعت میں واضح فرق محسوس ہوگا۔ غصہ، تناؤ، تفکرات سب دور ہو جائیں گے۔

گھر جانے سے پہلے

لوگوں کے احوال سامنے آنے سے خصوصاً دارالافتاء میں خدمت کے دوران زوجین کے باہمی جھگڑوں کے واقعات اور پھر ان سے متعلق شرعی استفسارات سے یہ بات سامنے آئی کہ کئی شوہروں کو اپنی بیویوں سے محبت، ان کی وفاداری کے یقین اور ان کی خدمت گزاری اور سلیقہ شعاری کے اقرار کے باوجود ایسے بھاری جھگڑے ہو جاتے ہیں، ایسے واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں کہ ہزاروں شادی شدہ جوڑوں کی پرسکون زندگی تباہ ہو جاتی ہے۔ ان جوڑوں کے مسائل و مشاکل کے اسباب اور وجہ اختلاف پر غور کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اکثر جھگڑے کسی بہت ہی معمولی بات پر ہوئے۔ مثلاً شوہر کے دفتر روانگی کے وقت کسی کام میں چند منٹ کی تاخیر ہو جانے پر، جلدی جلدی کام کرنے پر یا دفتر، دوکان وغیرہ سے واپسی

پر شوہر کے گھر میں داخل ہوتے وقت کوئی بات ہو گئی، اور وہ چھوٹی سی بات بہت بڑا جھگڑا بن گیا، چھوٹی سی چنگاری نے پورے گھر کو آگ لگا دی۔

شوہر صاحب گھر پہنچنے سے پہلے ہی بڑی بڑی توقعات باندھ لیتے ہیں ......

مثلاً۔

❁ میرے استقبال کے لئے گھر کے سب کام چھوڑ کر دروازے پر آنکھیں فرش راہ کئے کھڑی ہوگی۔

❁ میرے کمرے کی ایک ایک چیز سلیقے سے میری خواہش کے موافق رکھی ہوئی ہوگی۔

❁ بچے منہ پر ٹیپ لگائے چپ چاپ کونے میں دبکے بیٹھے ہوں گے۔

❁ دروازے کی پہلی گھنٹی بجتے ہی بلکہ گلی کے کونے ہی سے گاڑی کے ہارن کی آواز سنتے ہی گیٹ کھل جائے گا۔

❁ ساس، نند یا کسی پڑوسن یا اور کسی جھگڑے کی مجھ سے ہرگز شکایت نہ کرے گی اور نہ ہی مجھے کوئی غم کی خبر سنائے گی۔

❁ میری پسند کا کھانا پکا ہوگا، وغیرہ وغیرہ۔

لیکن گھر پہنچ کر جب توقعات پوری نہیں ہوتیں اس پر وہ کچھ تلخ جملے کہہ دیتے ہیں، بیوی کی کسی مجبوری یا عذر اور معذرت کو خاطر میں نہیں لاتے اور گھر آتے ہی شوہر صاحب کا یہ چھوٹا سا تلخ جملہ بیوی کے دن بھر کے تھکے ہوئے مزاج پر ماچس کی تیلی کا کام دیتا ہے اور یہ چنگاری بھڑک کر شعلہ بن جاتی ہے اور ایسی آگ لگتی ہے کہ خدا کی پناہ ...... ۔

پھر کبھی جگ ہنسائی، کبھی چغلیاں، غیبتیں، طعنے، الزام تراشیاں، سمدھیانوں میں جھگڑے، آپس میں تلخ کلامی یا خدا نہ کرے بعض جگہوں پر گالی گلوچ اور ہاتھا پائی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اس لئے کیا ہی بہتر ہو کہ شوہر صاحب اول تو زیادہ

توقعات نہ باندھیں، اور دوسرے اگر توقعات پوری نہ ہوں تو خود ہی اس کی توجیہ بھی ڈھونڈ لیں کہ ہوسکتا ہے۔

❶ اس کو کوئی عذر پیش آگیا ہو جس کی وجہ سے آپ کی دی ہوئی ہدایات پر عمل نہ کرسکی ہو۔

❷ ہوسکتا ہے کہ آپ کے آنے کے وقت ہی خود اسے بچوں سے متعلق یا ذاتی کوئی مصروفیت لاحق ہوگئی ہو ممکن ہے وہ غسل خانے میں ہو جس کی بنا پر دروازہ کھلنے میں دیر ہوگئی ہو۔

❸ ہوسکتا ہے کام والی نہ آئی ہو اور صفائی نہ ہوسکی ہو یا دن میں مہمان آگئے ہوں جن کے بچوں نے کھیل کود میں کچھ چیزیں بے ترتیب کردی ہوں۔

❹ ہوسکتا ہے کہ وہ وقت پر کھانا یا میری خاص پسند کا کھانا یا میرے ساتھ آنے والے دوستوں کی تعداد کے لحاظ سے جس مقدار کا کھانا تیار نہ کرسکی جو اس وقت کے لحاظ سے ضروری تھا کہ واقعہ تو یہ کہ میرے صبح گھر سے نکلتے ہی اس کے سر میں ایسا شدید درد ہوا کہ وہ دو گھنٹے تک تو بستر سے نہ اٹھ سکی اس کا پورا ارادہ اور اندازہ یہی تھا کہ شام تک مطلوبہ تمام کام پورے کرلوں گی مگر سارے کام شام تک پورے نہ ہو سکے یا آج خلاف معمول گود والے بچے نے بھی تنگ کرکے دماغ الجھایا اور ہاتھ بند رکھے کہ سارے اسباب وغیرہ مہیا ہوتے ہوئے بھی کام پورا نہ کرسکی، یا بچے کے کسی اچانک شور مچانے یا اس کے چوٹ لگنے پر بھاگی کہ پکی پکائی ہنڈیا جل گئی اور پھر کوئی ہلکا کھانا پکانا پڑا ہوسکتا ہے کہ اس کی طبیعت خراب ہوگئی ہو یا بچہ بیمار ہوگیا ہو جس کی مصروفیت کے باعث کھانے میں اونچ نیچ ہوگئی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بجلی کا تعطل آپ کے حسب خواہش کام میں خلل انداز ہوا ہو وغیرہ وغیرہ۔

یا اوون (Oven) خراب ہوگیا یا A.C کھلنے سے بجلی ایسے ہی کہ جو اشیاء

بجلی کے کسی آلے پر تیار ہوتی تھیں وہ نہ ہو سکیں اور ساتھ ہی گھر کا یا میرے دفتر کا فون خراب ہو گیا ورنہ وہ مجھے اطلاع دے دیتی کہ بازار سے کچھ روسٹ بروسٹ لے آیئے گا جو مہمانوں کے سامنے رکھنے کے قابل ہو جائے آج گھر میں ان چیزوں کا انتظام نہ ہو سکا۔

غرض اس طرح کی کئی مجبوریاں اس غریب کو پیش آ سکتی ہیں۔ لہٰذا آپ اگر یہ چاہتیں کہ گھر میں روز روز جھگڑے نہ ہوں اور برتن نہ کھنکیں، محلے دار اور رشتے دار تماشہ نہ دیکھیں، آپ کے معصوم بچے آپ دونوں میاں بیوی کے جھگڑوں کی وجہ سے ذہنی بیماریوں کے شکار نہ ہوں تو آپ اپنے طرز عمل کو درست کیجئے۔ تحمل اور برداشت کی عادت ڈالیئے۔ ہر مسلمان اور بالخصوص اہل خانہ کے لئے ان کی کسی کوتاہی پر خود کوئی عذر سوچ لیجئے اور یوں سوچ لیں کہ اللہ عزوجل نے اس مخلوق کو میرے تابع کیا ہے، میری ماتحتی میں دی ہے، میری بیوی میرے لئے دوزخ سے بچاؤ ہے، میرے بچے میرے گھر کے آنگن میں کھلنے والے پھول ہیں، میری زندگی میں انہیں سے بہار ہے، تو میں اپنے خشک رویہ سے اس بہار کو خزاں میں کیوں بدلوں، بلکہ میں ایسی محبت کا معاملہ کروں کہ میرے گھر کی رنگین بہار اور گلوں کی مہکار ہر کسی کو اس طرف متوجہ کرے، پھر وہ بھی اپنے اپنے گھروں میں ایسی ہی شائستگی اور پیار و محبت والی فضا قائم کریں۔

اپنی بیوی کو بیمار نہ کیجئے

بعض ناتجربہ کار نوجوان جو بچوں کی سی ذہنیت رکھنے والے، خود غرض، خودپسند، بیوی پر سخت گیر اور بے دین ماں اور بہن کی طرف سے پڑھائی ہوئی پٹی پر سو فیصد عمل کرنے والے، صرف اپنے مطلب براری کے لئے بناوٹی پیار و جھوٹی ظاہری ہمدردی کے سوا اپنی بیوی کو کچھ نہیں دے سکتے، وہی اپنی بیوی کو بیمار

کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ اور پھر اس کے علاج معالجہ پر کثیر رقم خرچ کر کے زیربار ہوتے رہتے ہیں اور ستم بالائے ستم ان اخراجات کی ذمہ داری (اور تہمت بھی) الٹا اسی پر عائد کرتے ہیں۔ ذرا ان شوہروں کی ستم ظریفی تو دیکھیں کہ کسی مشورے کے لئے یا کسی عالم کے پاس فتوے پوچھنے جاتے ہیں تو بے چارے دکھ بھرے لہجے میں کہتے ہیں" مولانا صاحب ایک دکھیا بیمار بیوی ہی ہماری قسمت میں لکھی تھی۔ میں اس کی بیماری اور علاج سے تنگ آگیا ہوں۔ مولانا کوئی تعویذ وغیرہ دیجئے۔ کوئی مشورہ دیجئے کہ اب میں کیا کروں۔ بڑے سے بڑے ڈاکٹر کے پاس لے گیا، حکیمی علاج بھی کرایا، ہومیو پیتھک بھی کرایا، کوئی افاقہ نہیں ہو رہا۔"

حالانکہ غور سے دیکھا جائے اور گھریلو حالات کا جائزہ لیا جائے اور شوہر صاحب وقتاً فوقتاً بیوی سے بات کرنے اور دوران گفتگو اپنے ضمیر کو ایمان اور انصاف کے تھرمامیٹر پر لگا کر دیکھیں اور ساس، نند، دیورانی کی لگائی بجھائی، حسد، بچوں کی مار پٹائی، آپس میں لڑائی جھگڑے ان سب چیزوں کو ملا کر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بیوی کو بیمار کرنے والے، پچیس سال کی نوجوان لڑکی کو پچاس سالہ بوڑھی بنانے والے، تندرست، خوبصورت عورت کو لاغر و کمزور و بدصورت بنانے والے، کھلے ہوئے سرسبز شاداب چہرہ کی مالکہ کو خزاں رسیدہ پتوں میں بدلنے والے، آپ خود ہی ہیں۔

عدل و انصاف کی گواہی لے لیجئے، عقل اور حکمت کی گواہی لے لیجئے، تجربہ اور سمجھداری کی گواہی لے لیجئے، اپنے کسی مخلص تجربہ کار دوست کی گواہی لے لیجئے، کسی تجربہ کار دیندار حکیم و ڈاکٹر کی گواہی لے لیجئے، بیوی کو بیمار کرنے والے آپ ہی ثابت ہوں گے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ جوانی اور تندرستی میں محبت کی آمیزش ہو تو یہ دیرپا قائم رہتی ہیں، اور بڑھاپا دور ہو جاتا ہے، محبت بڑی بڑی بیماریوں کے لئے ایک بہت بڑی قوت مدافعت ہے۔ یہ وقت سے پہلے بڑھاپے کو پاس

نہیں پھٹکنے دیتی، بزدلی، خوف، ذہنی انتشار، دماغی الجھن وغیرہ ایسے لوگوں سے دور بھاگتے ہیں جنہیں محبت میسر ہو۔ یاد رکھیئے بغیر محبت کے درندے بھی شرمندہ ہوتے ہیں۔ حجاج سے بھی پوچھا گیا تمہیں اپنی بیوی سے اپنے ازدواجی تقاضے پورا کرنے کے لئے کیا کوئی پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں؟ تو اس ظالم شخص (جس کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر تمام امتیں اپنے اپنے ظالم سامنے آئیں اور ہم حجاج کو پیش کریں تو حجاج تمام ظالموں پر غالب آجائے گا) نے جواب دیا کہ "ہاں مجھے بھی اپنی بیوی کو تیار کرنے کے لئے اس کے پاؤں تک چومنے پڑتے ہیں۔"

ایک معمولی سمجھ کا انسان بھی جس کی ذہنی بیماریوں کی وجہ سے عقل ماؤف نہ ہو چکی ہو اور فسادی ضد اور فسادی دیوانیوں اور جیٹھانیوں کے مکر و فریب سے آشنا ہو وہ اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ ایک شادی ہم آہنگ، راس آنے والی، محبت و پیار سے بھرپور اور ایک دوسرے کو مکمل طور پر مطمئن کرنے والی جب ہی کہی جاسکتی ہے جب ان دونوں فریق کے جنسی تجربات اور نتائج ان کیفیات اور احساسات کے شاہد عدل ہوں اور محبت و شفقت سے ہمکنار ہوں اور وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے جذبہ کی خاطر ایک دوسرے کو معاف کرنا جانتے ہوں، ایک دوسرے کی خوبیاں دیکھنے کے عادی ہوں، اس بات پر یقین رکھتے ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک آنکھ اس لئے دی ہے کہ دوسری کی خوبی دیکھوں اور دوسری آنکھ اس لئے دی ہے کہ اپنے عیوب دیکھوں، اس بات پر اطمینان رکھتے ہوں کہ شادی کے فوری بعد شروع کے چند دنوں میں گو محبت نہ بھی ہو، چاہے کتنی ہی ناگواری پیش آئے، لیکن صبر و حکمت سے محبت پیدا کرنا چاہے تو اللہ تعالیٰ کچھ عرصہ بعد دو جسم اور ایک روح والا معاملہ فرما دیتے ہیں، بشرطیکہ کسی تیسرے کو ان دونوں کے معاملے میں فساد کرانے کے لئے کھلی چھٹی نہ دی جائے۔

اور خدا نہ کرے خدا نہ کرے اگر یہ بات نہ ہو تو ازدواجی خوشی اور لذت کا

سرد پڑ جانا لازم ہے۔ پھر تو یہ دونوں ہی بے چینی، عدم اطمینان، نا آسودگی، چڑچڑے پن، ہر وقت بڑ بڑانے والے اشتعالی اور بحرانی کیفیت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ پھر یہ تمام کیفیات اس بیوی کو ایسے ذہنی مرض میں مبتلا کر دیتی ہیں جس کا باقاعدہ علاج کرانا ضروری ہو جاتا ہے اور اگر مال و اسباب کی کمی ہو تو بہت ہی زیادہ مشکل اور پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ خاص طور پر وہ عورتیں جن کو اپنی والدہ کے گھر جانے کی اجازت بھی نہیں ہوتی اور ساس و نندوں کے مستقل پہرہ کی بنا پر فون کی بھی اجازت نہیں ہوتی۔ تو ایسے مریض اندر ہی اندر گھٹتے اور سسکتے رہتے ہیں اور اپنی تکلیف کسی کو بتا بھی نہیں سکتے۔ رفتہ رفتہ یہ مرض ان کے دل و دماغ پر، اعصاب بلکہ جسم و روح کو ناکارہ کر دیتا ہے اور مریض کی زندگی موت سے بدتر ہو جاتی ہے۔ اب لاکھ علاج کراؤ یہ اعصاب اور اعضاء کوئی تدبیر، کوئی علاج اور کوئی دوا قبول نہیں کرتے۔ شوہر بیوی کا ایک دوسرے پر عدم اعتماد، جنسی ناہمواری اور عدم تعاون شادی کو خانہ آبادی کے بجائے خانہ بربادی کی شکل دے دیتے ہیں اور اس سے مختلف بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ کبھی ان بیماریوں میں بیوی مبتلا ہوتی ہے، کبھی شوہر مبتلا ہوتا ہے۔

اگر خدانخواستہ بیوی ایسے گھرانے سے آئی ہو جہاں اسے پیار و محبت کی فضا نہ ملی ہو، پھر ساس و نند سے بھی نفرت و حقارت کے جذبات ملیں اور دیورانی اور جیٹھانیوں سے بھی حسد، چغلی اور غیبتوں کا تحفہ ملے اور شوہر سے بھی خود غرضی، حوصلہ شکنی، انانیت، بدمزاجی، بدگمانی، تکبر، گھریلو ناہمواری، جنسی بے اعتدالی وغیرہ ملے تو ایسی عورت کی زندگی تباہ ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ان سے غلط خیالات اور عزائم پا ہی لے جن سے اس کے اندر برے جذبات اور گندی بیماریاں پیدا ہو جائیں۔

یہ طبی اصول ہے کہ اگر سوچ، احساس اور ارادہ مضبوط اور اعلیٰ ہو تو جذبات

بھی عمدہ اور صحت مند نکلیں گے۔ اس لئے کہ جب کوئی جذبہ شدت اختیار کرتا ہے تو وہی کوئی نہ کوئی بیماری پیدا ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔

وہ چند خاص خاص عوارض جو ذہنی الجھنوں کے سبب سے پیدا ہوتے ہیں اور مشاہدہ میں آئے ہیں، یہ ہیں۔

١ گردن کے پچھلے حصہ میں درد۔
٢ حلق میں ورم۔
٣ معدے میں سوزش، درد، تیزابیت، السر وغیرہ۔
٤ پتہ میں درد۔
٥ تھکاوٹ اور اضمحلال وغیرہ۔
٦ سستی اور غنودگی۔
٧ دردِ سر۔
٨ اختلاج اور گھٹن۔
٩ ریاحی شکایت دل شکستگی یا افسردگی (Depression)۔
١٠ قبض۔

لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی اہلیہ نفسیاتی بیمار نہ ہوں اور نفسیاتی بیماری ان مہلک طبعی بیماریوں کا سبب نہ بنے اور آپ کی بیوی بڑھاپے کی عمر تک پہنچنے کے باوجود صحت مند اور تندرست رہے، آپ کے بچے خوبصورت، ہونہار، اعلیٰ صلاحیتوں اور قابلیتوں کے مالک ہوں تو اپنی طرف سے پوری کوشش کیجئے کہ آپ کی ذات سے آپ کی بیوی کو غم نہ پہنچے اور آپ پر اس کو اتنا اعتماد ہو کہ اپنی ہر الجھن وہ آپ سے بلا تکلف کہہ سکے، اندر ہی اندر نہ گھٹے۔

اپنے بیوی بچوں کی تمام جائز خواہشات (جن کی اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی) کو پورا کر کے ان کے اندر امید، بشاشت، بلند

بخشی، حوصلہ، محبت وغیرہ کے جذبات پیدا کریں، اپنی استطاعت کے موافق کبھی کبھی بیوی کے اعتماد کو مت ٹھکرائیں، اس کی باتوں کو دھیان سے سنیں اور اس کو خوش رکھنے کی حتی الامکان کوشش کریں، تو ان شاء اللہ وہ ہر قسم کی جسمانی اور نفسیاتی بیماریوں سے محفوظ رہے گی۔ اس کی تندرستی میں آپ کی تندرستی پنہاں ہے، اس کی خوشیوں میں آپ کی خوشی مضمر ہے۔

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جب بیوی کو شوہر نے اس کی غلطی کا احساس دلائے بغیر ڈانٹا، گھر کی دوسری عورتوں کے سامنے ذلیل کیا، فسادی دیورانیوں، جیٹھانیوں کی بات پر بغیر تحقیق کے بیوی کو ذلیل کیا تو اس کے جسم کے کسی حصے میں ایک مرتبہ درد اٹھا۔ پھر وہ ختم ہو گیا۔ پھر دوبارہ بھی وہی صورت حال پیش آئی تو وہی عضو میں درد ہونے لگا، خواہ وہ گردن کے پیچھے ہو یا آنتوں میں یا معدہ میں۔ یہ مثل تو آپ نے سنی ہی ہوگی کہ السر کی بیماری پیدا ہونے کا سبب (Worry Hurry and Curry) ہے معدہ تو گویا جذبات کی فروانی اور عمل دخل کا خاص مرکز توجہ ہے۔ یہ تو تقریباً ہر شخص روزانہ محسوس کرتا ہے۔ آپ اور ہم سب اس کا روزانہ مشاہدہ تو کرتے ہی ہیں کہ جب کاروبار میں مندی آتی ہے، ملازمت چھوٹ جاتی ہے یا تنخواہ میں کٹوتی ہوتی ہے تو ہم کو بھوک بالکل نہیں لگتی، طبیعت پریشان رہتی ہے۔ سامنے مرغ بریانی بھی رکھی ہو تو بھی کھانے کو دل نہیں چاہتا، معدہ کے پٹھے کھنچ جاتے ہیں اگر اس قسم کے افکار طول پکڑ جائیں تو معدہ کے پٹھے سکڑ جاتے ہیں اور سخت ہو جاتے ہیں اور اس میں درد پیدا ہونے لگتا ہے۔ لیکن اگر اسی درمیان کوئی خوشی کی بات سامنے آ جائے تو ہماری بھوک جاگ اٹھتی ہے، سر کا درد دور بھاگ جاتا ہے، غصہ آنے والی چیزوں پر بھی غصہ نہیں آتا، بے ترتیبی اور بدنظمی پر بھی ٹینشن نہیں ہوتا۔ کاروبار اچھا چل رہا ہے، ہڑتالیں نہیں ہو رہی ہیں، تو آدمی کو دال روٹی میں بھی مزہ آتا ہے، اور اگر ایک کے دو بن رہے ہوں تو آدمی

کو آیا ہوا بخار بھی دور بھاگ جاتا ہے۔ تاجر کی بیوی بتاتی ہے کہ جب میرے شوہر کے سر میں درد ہو تو وہ کوئی گولی دینے کی بجائے کہتی ہے ''دوکان پر تھوڑی دیر چکر لگا آئیں ان شاء اللہ طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔''

اب دوکان پر جاتے ہیں چند گاہکوں سے اگر فون ہی پر بات ہو جائے تو طبیعت ایسی کھل جاتی ہے کہ کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ وہی صاحب ہیں جو چند گھنٹے پہلے فجر کی نماز جماعت سے اس لئے نہیں پڑھنے آئے کہ سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔ یا فجر کے بعد بیان میں اس لئے نہیں بیٹھے کہ طبیعت ناساز تھی۔ اب الحمدللہ کاروبار کی بہتر نوعیت آنے سے طبیعت ہشاش بشاش ہو گئی۔

غور کیجئے! جب تاجر آدمی کو دوکان پر گاہکوں کی وجہ سے سر کھجانے کی فرصت نہیں ملتی تو اس کی خوشی اور تندرستی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ گھر آکر بیوی صاحبہ کو بتاتا ہے کہ ''آج دوکان پر اتنا رش تھا بیٹھنے کی بھی فرصت نہیں ملی۔''

تو بیوی صاحبہ کہتی ہیں۔ الحمدللہ! اللہ پاک کا شکر ہے کہ چلو آج کا دن اچھا گزر گیا۔

ذرا سوچئے! دن بھر بیٹھنے تک کی فرصت نہیں ملی، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہے ہیں، اور جس دن فارغ رہے اس دن پر طبیعت خراب ہو گئی یہ سب محض قلبی احساسات کا نتیجہ ہے۔

امید ہے کہ ان مثالوں سے آپ خوب سمجھ گئے ہوں گے۔ اعتماد، ہمدردی، محبت، شفقت اور خوشی کے جذبات آدمی کی صحت پر کتنا اچھا اثر ڈالتے ہیں اور برے جذبات یعنی تشویش، خوف، بدگمانی وغیرہ انسان کی صحت پر کتنے برے اثرات چھوڑتے ہیں، اور کیسی خطرناک بیماریاں جنم دینے کا سبب بن جاتے ہیں۔

لہٰذا خدارا! اپنے آپ پر اور اپنے بیوی اور بچوں پر رحم کیجئے۔ اگر کوئی واقعی

غلطی ان سے ہو گئی ہو تو اللہ پاک کی رضا کی خاطر انہیں معاف کر دیجئے، اس یقین سے کہ میں ان پر رحم کروں گا تو آسمان والا بادشاہ مجھ پر رحم کرے گا ؎

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

اللہ تعالیٰ ہم سب کو احتیاط کے ساتھ قدم اٹھانے والا بنائے اور اپنے جذبات اور غصہ کے گھونٹ پینے والا بنائے اور حکمت اور سمجھ داری سے ہر معاملہ کرنے والا بنائے۔ آمین ثم آمین!

تنقید سے پرہیز کیجئے

بعض نوجوان بہت ہی سنجیدہ اور شریفانہ طبیعت کے مالک ہوتے ہیں۔ نرم مزاج اور خوش گوار اور ہنس مکھ۔ لیکن شادی کے بعد، خصوصاً جہاں دولہا میاں کے چھوٹے بھائی بہن بھی ہوں اور پورے خاندان کے اکٹھا رہنے کو بہت ضروری سمجھنے کی بیماری میں بھی مبتلا ہوں تو وہاں شوہر جب اپنی بیوی کو کوئی بات سمجھاتے ہیں تو سمجھانے کا انداز تنقیدی و تردیدی و تقابلی ہوتا ہے۔ بعض اوقات بڑے بھائیوں اور بہنوں سے شکایتیں سن سن کر مثلاً۔

دیکھو بھائی تم اپنی بیوی کو سمجھاتے نہیں۔۔
کیسی بے وقوف ہے۔۔۔۔
تم ذرا سختی کرو پھر دیکھو کیسی چلتی ہے۔۔
تمہیں بیوی کو چلانا نہیں آتا۔۔ ۔۔وغیرہ وغیرہ۔

یہ بہادر شوہر صاحب سارا غصہ تنقیدی طور پر بیوی پر اتارتے ہیں، اور خود اپنے گمان میں یہ سمجھتے ہیں کہ میں بیوی کو بہت ہی اچھی طرح سمجھا رہا ہوں۔ فلاں دوست، فلاں رشتہ دار جس طرح اپنی بیوی کو ڈانٹتے ہیں، میں تو اس طرح

نہیں کرتا اور وہ جانوروں کی طرح بیوی کو مارتے ہیں، میں تو کبھی ہاتھ بھی نہیں اٹھاتا اور گھر کی دوسری عورتوں کے سامنے ذلیل بھی نہیں کرتا وغیرہ وغیرہ۔

میں تو ائیرکنڈیشنڈ والے کمرے میں بیٹھ کر یا کھانے پھرانے لے جاکر، اسپے میں کچھ کھلا پلا کر خوب خوش کر کے سمجھتا ہوں۔ پھر بھی یہ بیوی ایسی نالائق، بے وفا اور احسان فراموش ہے کہ بات مان کر نہیں دیتی، سمجھتی ہی نہیں۔ میں سمجھانے بیٹھوں تو یہ کاٹنے کو دوڑتی ہے، اپنی غلطی کبھی تسلیم نہیں کرتی وغیرہ وغیرہ...... ہم ایسے شوہروں کی خدمت میں گزارش کر رہے ہیں کہ اگر آپ ٹھنڈے دل سے سوچیں تو یہ سمجھانا نہیں ہوا بلکہ کیچڑ میں لتھڑے جوتے کو خوبصورت کپڑے میں لپیٹ کر مارنا ہوا اور بغیر تحقیق کے شکایت سن کر اس کے ناکردہ جرم کا اقرار کروانا ہوا۔ یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ۔

"تنقید سے کسی کی اصلاح نہیں ہوتی۔ اعتراض، تنقید، تنقیص، تردید، تقابل، طعن و تشنیع سے بحث و تکرار، قیل و قال کا دروازہ کھل جاتا ہے اور اس طرز پر نصیحت اور وعظ سے افہام و تفہیم، اطاعت و اتباع، غلطی کے اعتراف اور اس پر معذرت وغیرہ سب کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔"

یہ چیزیں گھریلو زندگی کو تباہ کر دیتی ہیں۔ تنقید و اعتراض کا ماحول انتہائی گندے اور ناخوشگوار جذبات کو جنم دیتا ہے۔ ایسے ماحول میں میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے، غلط ثابت کرنے اور ذلیل کرنے کے مواقع کی تلاش میں رہتے ہیں۔ پھر یہ دونوں نہ تو موقع محل کا خیال رکھتے ہیں اور نہ کسی کی عزت و مرتبہ کا۔

ایسے حالات میں کسی کی کوئی بات اچھی ہی نہیں لگتی اور میٹھی بات بھی کڑوی لگنے لگتی ہے۔ اور مزید ظلم یہ کہ شوہر صاحب سخت طعنوں کے نشتر اور پرانے عیوب کے پتھر چاندی کے ورق سے مزین کر کے بیوی کو مارتے ہیں اور یہ بھول جاتے

جیسا کہ پتھر تو آخر پتھر ہی ہے اس کو سونے چاندی کے ورق میں ہی لپیٹ کر مارا جائے لیکن لگتے ہی تکلیف پہنچائے گا۔

اور پتھر مارنے کے بعد یہ تمنا رکھنا کہ جواب میں پھول برسیں گے، یہ بڑی نادانی ہے۔ انجام کو سوچے بغیر یہ کہا جائے کہ ''مولوی صاحب! اب تو میں بہت ہی نرمی سے بات کر رہا ہوں، شائستگی سے اور تہذیب سے بات کر رہا ہوں، بیوی محترمہ خواہ مخواہ اپنا دماغی توازن خراب کر رہی ہیں۔ میں بالکل ٹھنڈے دل سے بات کرتا ہوں، وہ آپے سے باہر ہوتی جا رہی ہے۔ میں نے تو پیار سے صرف یہ کہا کہ۔

''زلیخا تم کو یہ نہیں کرنا چاہیے تھا ہم ہوتے تو ایسا نہ کرتے تم نے کیوں کیا؟ یہاں یہ چیز کس منطق سے رکھی گئی ہے؟ .... اس معاملے میں تم نے بڑی حماقت کی ہے..... اصل قصور تمہارا نہیں ہے، تمہاری والدہ کا ہے، جس نے تمہیں کچھ سکھایا ہی نہیں..... تمہاری بہن کونسا گھر چلا سکی، جو تم چلاؤ گی۔ صبح سے سو رہی تھی کہ ابھی تک کھانا تیار نہیں کیا؟'' وغیرہ وغیرہ۔

آپ اس پر غور فرمایئے کہ اے سی (A.C) کے کمرہ میں بیٹھ کر آئس کریم کھاتے ہوئے بھی اگر آپ اسے نرمی سے سمجھانا کہیں گے تو ہم صرف آپ سے یہ کہتے ہیں کہ یہ آپ کی خام خیالی ہے۔ یہ تو نرمی سے سمجھانا نہ ہوا، بلکہ اس کو ذلیل کرنا ہوا۔ اس سے آپ اپنا وقت بھی ضائع کر رہے ہیں اور بیوی کا بھی۔ اس طرح بیوی سمجھے گی نہ اس کی اصلاح ہوگی۔

بیوی کو سمجھانے کی تدبیریں

یہاں بیوی کو نرمی سے سمجھانے کے لئے ہم چھ تدبیریں لکھتے ہیں ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہم سب کو ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا

فرمائے۔ آمین، یا رب العالمین!

❶ آپ کے سامنے بیوی کی کتنی بڑی غلطی بھی بیان کی جائے، یا آپ کے والدین یا آپ کی بہنیں یا بھابیاں آپ سے بیوی کی شکایت کریں تو فوری طور پر مشتعل ہونے یا کوئی قدم اٹھانے سے گریز کریں۔ اس وقت بیوی کو کچھ بھی نہ کہیں، کم از کم اتنا صبر کر لیں کہ دو نمازوں کا وقت گزر جائے، (یعنی اگر کوئی بات، مثلاً ظہر کے وقت پیش آئی ہو تو مغرب تک اور اگر مغرب کے وقت پیش آئی تو فجر تک)۔ اس کے بعد بیوی سے بات کریں اگر واقعتاً اس کی غلطی معلوم ہو تو اس کو سمجھائیں۔۔ اس تدبیر پر عمل کرنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کے گھر میں بہت ہی زیادہ مثبت تبدیلی رونما ہوگی، آپ کی بات کی قدر بھی ہوگی، بیوی کی نگاہ میں آپ کی عزت رہے گی، آپ کی سمجھداری اور بردباری کا سکہ بھی جمے گا اور وہ آپ کی بات پر عمل بھی کرے گی۔

❷ آپ کو آپ کی ہمشیرہ نے بتلایا کہ فلاں موقع پر بھابھی نے فلاں رشتہ دار سے فلاں فلاں بات کی جس سے ہماری شکایت کا پہلو نکلتا ہے تو آپ اس پر فوری ردعمل ہرگز ظاہر نہ کریں اور نہ بیوی پر جرح شروع کر دیں، بلکہ حکمت سے کام لیں۔ اول غور کریں کہ آیا بات واقعی اتنی اہم ہے جتنی بہن نے سمجھی؟ اگر اہم نہ ہو تو ٹال دیں اور اگر اہم ہو تو بیوی کو سمجھانے کے لئے عمومی انداز اختیار کریں۔

علماء نے لکھا ہے کہ جب تیرے بھائی بیوی وغیرہ سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو ان کے لئے ستر عذر پیدا کرو اور پھر اپنے دل کو سمجھاؤ کہ ان کے پاس اتنے عذر ہیں اور جب بھی تیرا دل نہ قبول کرے تو بجائے ان کے اپنے آپ کو ملامت کر کہ تجھ میں کس قدر قساوت اور سختی ہے کہ تیرے بھائی یا بیوی ستر عذر پیش کر رہے ہیں اور تو ان کو قبول نہیں کر رہا۔ اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

"جس شخص کے پاس کوئی عذر پیش کیا جائے اور وہ قبول نہ کرے تو اس پر اتنا گناہ ہوگا جتنا چنگی کے محرر کو۔ (جو لوگوں سے ناجائز ٹیکس وصول کرتا ہے)۔"

(مشکوۃ جلد ۲ صفحہ ۴۲۹)

یاد رکھیے! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف یہ تھی کہ جب کوئی عیب کسی خاص گروہ یا کسی خاص قوم میں پایا جاتا تو اس قوم کا نام نہ لیتے، بلکہ یوں فرماتے "مَا بَالُ اَقْوَامٍ" "لوگوں کو کیا ہوا کہ وہ ایسا کرتے ہیں۔"

(ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۳۰۰)

پس ہمیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی طریقے پر عمل کرتے ہوئے بیوی کو براہ راست مخاطب کر کے شرمندہ نہیں کرنا چاہیے، بلکہ بعد میں موقع دیکھتے ہوئے عمومی بات کرنی چاہیے۔ مثلاً:

پیاری زلیخا! تمہیں پتہ ہے، بعض عورتوں کی یہ بری عادت ہوتی ہے کہ وہ ادھر کی بات ادھر کرتی ہیں، اشارے کنایہ سے سسرال والوں کی شکایتیں کرتی ہیں۔ یہ تو بہت ہی نامناسب عمل ہے اور مجھے ایسا کرنے والیوں سے چڑ ہے۔ لہٰذا تم اس سے ضرور بچنا۔ ارے بھئی! اپنے گھر کی باتیں بھی کوئی دوسروں کو بتاتا ہے، یہ تو حد درجہ حماقت ہے مجھے تم پر اعتماد ہے۔ تم کبھی ایسا نہیں کرو گی، وغیرہ وغیرہ۔

❸ تیسری تدبیر یہ ہے کہ آپ کے پاس اپنی بیوی کی چار شکایتیں پہنچی ہیں، یا خود کو کچھ باتیں ناگوار محسوس ہوئی ہیں، تو سب پر الٹ انگ نہ سمجھائیں، بلکہ ان سب کی وجہ پر غور کریں، پھر اس وجہ کا سدباب کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس میں رہنمائی فرمائیں کہ ہم صحیح وجہ تک پہنچیں، آمین۔

❹ چوتھی تدبیر یہ کہ کوئی بات سمجھاتے ہوئے گڑے مردے نہ اکھاڑیں۔ بلکہ یہ تو یوں بھی بے دین عورتوں کی عادت ہے، مرد کو تو چاہیے کہ جو بات ہو گئی سو ہو

گی، اس کو بھول جائے۔ یاد رکھئے! اگر آپ پرانی باتوں کو نہیں بھولیں گے اور بیوی کو ہر چھوٹی بڑی کوتاہی اور غفلت یاد دلا کر اس کے ذہن کو چوکے دیتے رہیں گے تو یہ نہ صرف اس پر بلکہ اپنے آپ پر اور اپنے نونہالوں پر بھی ظلم ہوگا اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے، آمین!

❺ پانچویں تدبیر یہ ہے کہ سمجھانے میں موقع محل کا ضرور خیال رکھیں کہ جب آپ بیوی کو سمجھا رہے ہوں تو وقت اور جگہ بھی ایسی مناسب ہو کہ بات نہ بگڑے اور مقصد پورا ہو جائے، بعض اوقات جب مناسب موقع پر اور مناسب وقت سے سمجھایا جاتا ہے تو بیوی کی غلطی نہ بھی ہو تو بھی وہ مان لیتی ہے، اور بعض اوقات موقع محل کا خیال نہیں رکھا جاتا تو غلطی ہونے کے باوجود وہ ضد پر آجاتی ہے اور بات کہیں سے کہیں نکل جاتی ہے۔

❻ چھٹی تدبیر یہ ہے کہ کبھی بھی کسی کے سامنے اس کو نہ سمجھائیں، دوسروں کے سامنے اس کو ذلیل نہ کریں۔ اسی طرح اکیلے میں سمجھاتے ہوئے بھی اس کو دوسری عورتوں کی مثالیں دے کر بھی نہ سمجھائیں۔ مثلاً یہ بھی نہ کہیے کہ دیکھو فلاں میرے دوست کی بیوی کیسی ہوشیار ہے اور تم ...... فلاں بھابھی دیکھو کس طرح سب سے مل جل کر رہتی ہے اور تم ..... میری بہن کو دیکھو، بچوں کی کیسی تربیت کرتی ہے اور تم ...... اس طرح کہنے سے اصلاح نہیں ہوا کرتی، انسان کے لئے نرمی، محبت، اپنائیت، نصیحت، برداشت، ہمدردی، خیر خواہی، دل سوزی اور دردمندی کے جذبات سے معمور اور تلخ کلامی، سخت بیانی، اور طعن وتشنیع سے دور ہونا چاہئے۔

ان سب تدبیروں کے ساتھ ساتھ، استغفار بھی کرتے رہنا چاہئے، کیونکہ بعض اوقات انسان کے اپنے گناہوں کی نحوست سے بیوی نافرمان ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بیوی کی اصلاح کے لئے بھی خوب دعائیں مانگنی چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ ہم

مسلمان جوڑوں میں باہمی الفت، محبت و مزاج میں ہم آہنگی نصیب فرمائے۔
آمین۔

قصور آپ ہی کا ہے

بعض شوہر حضرات اپنی بیوی کی وقتی غلطیوں پر صرف دل ہی دل میں کڑھتے ہیں اور زبان سے کچھ نہیں کہتے۔ نہ اصلاح کی کوشش کرتے ہیں اور نہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں، بلکہ خود کو ہی کوستے ہیں یا والدین کے غلط انتخاب پر کڑھتے ہیں۔ یہ طریقہ بالکل غلط ہے۔

ذیل میں ہم آپ کے لئے تراشے لکھتے ہیں تاکہ آپ کی سمجھ میں آجائے کہ مایوس ہونا... یا صرف ایک ہی زاویہ سے سوچنا یا صرف دوسرے کو قصوروار ٹھہرانا ... یا ماضی پر سوچتے رہنا کسی طرح مناسب نہیں۔

سوال:... ڈھائی تین سال ہوئے ایک شادی کی تقریب میں، جب کہ میں چند قریبی رشتہ داروں اور عزیزوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، گھر کے صحن میں میری چھوٹی سالی کے لڑکے نے مجھ سے بہت بدتمیزی اور بے ادبی کی، جس پر پاس بیٹھے ہوئے عزیزوں نے بھی میری طرف تمسخرانہ نظروں سے دیکھا۔ مجھے بہت سبکی محسوس ہوئی۔ مگر وقت کی نزاکت کی وجہ سے خاموش رہا اور صرف اپنی اہلیہ سے اس کا ذکر کیا۔

سال بھر تک میں خاموش رہا اور اس انتظار میں کہ میری چھوٹی سالی، اہلیہ یا چھوٹی سالی کا لڑکا خود آ کر مجھ سے اپنی بے ادبی اور بدتمیزی کی معذرت کرے گا، مگر وہ لوگ ہمارے گھر برابر آتے رہے۔ اہلیہ کو تو اس بے ادبی کا بالکل احساس نہیں، وہ لڑکا بھی آتا اور میرے سامنے سے اپنی خالہ کے پاس چلا جاتا، دونوں ماں بیٹے نے کبھی مجھے سلام تک نہیں کیا۔

خیر ایک سال یونہی گزر گیا۔ ایک روز وہ لڑکا آیا اور میری اہلیہ سے باتیں کر کے جب جانے لگا تو میں نے اس کو روک کر کہا کہ آئندہ اس گھر میں نہ آنا۔ اس پر وہ بہت سیخ پا ہو گیا اور کہا کہ میں آؤں گا دیکھتا ہوں کون میرا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ میری اہلیہ سب سنتی رہیں مگر خاموش رہیں۔ ۱۵ مئی ۱۹۹۳ء صبح ساڑھے آٹھ بجے مجھے عارضہ قلب رہا۔ میں صوفے پر لیٹ گیا اور اس مرض کی گولی زبان کے نیچے رکھی۔ ہم گولیاں رکھنے پر افاقہ ہوا اور درد کی شدت کم ہوئی۔ اسی دوران میری چھوٹی سالی آگئیں اور اپنی بہن سے باتیں کرنے لگیں۔ دن بھر رہیں، مگر میرے بارے میں بالکل لاتعلقی ظاہر کی، حالانکہ میں نے جو مجھ سے ہو سکا ان لوگوں کی بہت مدد کی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اس کو ظاہر کروں۔ شام کو چھوٹی سالی کا لڑکا ماں کو لینے آیا۔ اس کو دیکھ کر مجھے بے حد غصہ آیا اور سخت کلامی ہوئی۔ لڑکا بھی برابر جواب دیتا رہا، مگر نہ اس کی ماں، نہ میری اہلیہ اور نہ ہی میرے صاحبزادے کچھ بولے۔ وہ لوگ چلے گئے اور آدھ گھنٹہ بعد چھوٹی سالی کی لڑکی نے میری اہلیہ کو فون کیا اور نہ معلوم میرے متعلق کیا کیا کہا کہ میری اہلیہ نے مجھ کو سخت برا بھلا کہا اور مجھ سے طلاق مانگی اور گھر سے نکل جانے کو کہا۔ میں نے کہا کہ آپ خلع لے لیں، طلاق تو میں نہیں دوں گا۔ اس سے بھی کافی تلخ کلامی ہوئی اور مجھ سے یہاں تک کہا کہ میرے لئے اب اچھا نہیں ہوگا۔ اس دن سے میری اہلیہ کی بھی مجھ سے بات چیت بند ہے۔ میں برابر جو میرا فرض ہے یعنی پنشن وغیرہ ان کو دے رہا ہوں۔ آپ سے عرض ہے کہ ایک سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے اور ہم دونوں میں بالکل بات چیت بند ہے۔ اس سلسلہ میں شرع کے کیا احکامات ہیں، بہت ممنون ہوں گا۔ بہت ذہنی پریشانی میں مبتلا ہوں۔

جواب: شریعت کا حکم یہ ہے کہ دونوں میاں بیوی پیار و محبت سے رہیں۔ ایک دوسرے کے حقوق واجبہ ادا کریں اور اگر نہیں کر سکتے تو علیحدگی اختیار کرلیں۔

سالے کے لڑکے کی وجہ سے آپ نے اپنا معاملہ بگاڑ لیا۔ اگر وہ بے ادب تھا تو آپ اس کو منہ نہ لگاتے۔ آپ کے معاملات کو تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، لیکن آپ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے بیوی بچوں کے دل میں گھر نہیں کر سکے۔ ایک سالے سے گفتگو بند ہے، گھر نہ آپ نے بیوی سے پوچھا نہ بیوی نے آپ سے، نہ صاحبزادے نے دونوں سے۔ گناہ گار تو آپ کی بیوی زیادہ ہے، لیکن اصل قصور آپ کی سخت طبعی کا ہے جو کسی کا ساتھ بھی نہ ہو سکی۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ اپنے اہل خانہ کے ساتھ حسن سیرت، حسن اخلاق، حسن معاملات کا معاملہ کریں پھر نہ آپ کو بیوی سے شکایت رہے گی نہ اس کی بہن اور بھانجے سے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کے حق میں سب سے اچھا ہو۔ اور میں اپنے اہل خانہ کے حق میں سب سے اچھا ہوں۔ (کنزالعمال جلد ۱۶ صفحہ ۔ رقم ۴۴۳۴۳، ۴۴۹۴۵)

وضاحت: شریعت میں سالی اور بھابھی سے پردہ کرنا بہت ہی ضروری ہے، اس لئے کہ سالی نامحرم ہے، بیوی کے انتقال یا علیحدگی کے بعد اس سے نکاح ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس سے اسی طرح پردہ کرنا چاہیے، جس طرح اجنبی عورتوں سے پردہ کیا جاتا ہے۔ سالی سے پردہ نہ کرنا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا ہے۔ جب ہم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اسے ناراض کریں گے تو ہم خود ہی سوچ لیں کہ جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے اس کی تو دنیا بھی بگڑ جاتی ہے، پھر چاہے وہ ظاہری صورت میں جیسی بھی خوش اخلاقی اور بہتری نظر آئے، یا احسان فراموشی اور بے وفائی، لیکن یہ سب دوسرے گناہوں کا وبال ہے۔ لہٰذا طے کر لیں کہ اللہ تعالیٰ نے جن عورتوں سے پردہ کا حکم دیا ہے ان سے پردہ کریں گے۔ دنیا والے کچھ بھی کہیں مگر اللہ تعالیٰ کو ناراض نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے احکام پر چلنے والے اور ان احکام کو دنیا میں پھیلانے والے بنائے۔ آمین۔

امید ہے آپ کی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ سخت طبعی، خاموش رہنا اور دعا نہ کرنا اور حکمت و بصیرت سے اصلاح کرنے کی کوشش نہ کرنا اور صرف دل ہی دل میں کڑھتے رہنا بھی جرم ہے اور اس کے ذمہ دار آپ ہیں۔ لہٰذا قصور صرف بیوی کا نہیں بلکہ آپ کا بھی ہے۔ لہٰذا مایوس نہ ہوئیے، ماضی کو بھول کر آج ہی سے کام شروع کر دیجئے۔

دینی سوچ رکھنے والے......

ہمارے بعض دینی سوچ رکھنے والے احباب جیسا کہ ان کے احوال سے معلوم ہوا کہ اکثر اپنی گھر والیوں کے معمولات اور طرزِ زندگی سے متعلق کئی ایسی باتیں پوچھنے آتے ہیں (بلکہ سچ کہیے تو ان کی شکایات لے کر آتے ہیں) کہ وہ ایسا کرتی ہے اور ایسا ایسا نہیں کرتی۔ حالانکہ اگر یہ صاحب خود موقع محل کے لحاظ سے اپنی بیوی کو سمجھا دیتے تو امید یہی ہے کہ وہ بات سمجھ جاتی اور اپنا طرزِ عمل درست کر لیتی، .....۔

یہ شوہر صاحب اگر خود پہلے بغیر کسی اعلان و اشتہار کے مسئلہ پوچھ لیتے اور حکمت سے، محبت سے، موقع محل دیکھ کر بیوی کو اس انداز سے بات سمجھاتے کہ وہ ان کو ہمدرد اور خیر خواہ سمجھ کر ان کی بات سنتی اور اس کو اہمیت دیتی تو بہت ہی بہتر ہوتا۔

اب ہم چند مثالیں دے کر اس حقیقت کو واضح کرنے کی کوشش کریں گے۔

1. شوہر صاحب نے مکمل اندازہ کر لیا کہ بیوی صاحبہ فرض نماز کے معاملے میں زبردست کوتاہی کر رہی ہیں اور کئی بار توجہ دلانے پر بھی فرض نماز کے معاملے میں وہی ٹالنے کی عادت جاری ہے، تو ایک صورت تو یہ ہے کہ آپ اپنی بیگم سے یوں کہیں کہ "تم مستقل نمازوں میں کوتاہی کرنے والی ہو لہٰذا تم پکی فاسقہ ہو اور تم

انکی ہو ۔۔۔ اور انکی ہو اور تم سے تو بغض رکھنا لازم ہے (اور واقعی یہ سب حق ہے) اور میں تمہارے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا نہیں کھاؤں گا تاکہ تمہیں اندازہ ہو کہ میں تم سے ناراض ہوں۔" لیکن یہ شخص یہی بات اس طرح بھی کہہ سکتا ہے (اور یہ صورت زیادہ بہتر ہے) کہ:

"مجھے اپنے گھر میں داخل ہوتے ہی گھٹن اور وحشت سی معلوم ہوتی ہے اور دین سے دوری کے خیالات آتے ہیں۔ میں نے ایک ہفتہ قبل اپنے ایک دیندار دوست کے ہاں کھانا کھایا تھا اور ضرورت کی وجہ سے وہاں رک گیا تھا تو اس رات کو سونے سے قبل ذکر بھی کیا اور رات کے آخری حصے میں تہجد کی توفیق بھی ہوئی اور دل پر وہ گھبراہٹ بھی نہیں تھی۔ میرا خیال ہے کہ ہم دونوں نے اپنے اعمال کا جائزہ لیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہماری کسی کوتاہی کی وجہ سے اللہ پاک کی مدد ہم سے ہٹ گئی ہے اور ہم نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کر رکھا ہے، اسی لئے ہمارا دل بے چین ہے اور اسباب راحت کے موجود ہوتے ہوئے بھی حقیقی راحت نصیب نہیں ہے۔" قوی امید ہے کہ اس سے بیوی کو یہ فکر لاحق ہو سکتی ہے کہ اگر اب کی بار شوہر کو یہی شکایت رہی تو یہ گھر سے باہر کسی دیندار دوست کے یہاں کھانا کھائیں گے اور رات کو قیام بھی وہیں کریں گے یا اعتکاف کی نیت سے مسجد میں مستقلاً رہنے لگیں گے۔ اور بات یہیں تک ہے نہیں، پھر میرے بارے میں چہ میگوئیاں ہوں گی کہ مثلاً کیا وجہ ہے کہ زلیخا کے شوہر دفتر سے آکر بھی زیادہ وقت گھر پر نہیں دیتے اور باہر چلے جاتے ہیں، تو اس ساری گڑبڑ کے پیدا ہونے سے بہتر یہ ہے کہ میں نماز چھوڑنے کی کوتاہی سے باز آجاؤں۔

❷ اخبارات اور رسائل کے مطالعے کے وقت بیوی جاندار کی تصاویر قصداً دیکھتی ہے (اور یہ سب کچھ دیکھنا ظاہر ہے منع ہے) اور بالخصوص اجنبی مردوں کے فوٹو اور وہ ناچتے گاتے، بےہودگیوں کے مناظر ۔۔۔ یہ ظاہر ہے اور بھی برے ہیں۔

اب اسے سمجھانے کا ایک طرز تو یہ ہے کہ میں نے مسئلہ معلوم کرلیا ہے کہ یہ تمام کام سخت گناہ اور حرام ہیں اور تمہاری آنکھیں دوزخ میں جلیں گی اور انہی اداکاروں (Actors) کے ساتھ تمہارا حشر ہوگا، کیونکہ گناہ گاروں کے مناظر دیکھنا گویا ان سے خوش ہونا ہے۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔

دوسرا طرز یہ ہے کہ اس کو حرام اور گناہ سے اس طرح روکا جائے کہ مثلاً بیوی سے یوں کہیے کہ صبح دوکان کی طرف یا ملازمت پر جاتے ہوئے راستے میں لگے ہوئے کسی اشتہاری بورڈ پر بھول سے میری نظر پڑ گئی۔ توبہ توبہ! اس منظر میں دکھائی گئی اس عورت کا تصور بار بار میرے ذہن میں آرہا ہے اور مجھے پریشان کر رہا ہے۔ دفتر (یا دوکان) میں اس گندے خیال کو ہٹا ہٹا کر تھک گیا اور میں نے تو بار بار تمہارا خیال کیا، تب جا کے ذہن کو کسی درجہ میں یکسوئی نصیب ہوئی۔ بھلا کون لوگ ہوتے ہوں گے جو اپنے رفیقِ حیات کے موجود ہوتے ہوئے دوسروں کے چہروں کو دیکھ کر یا ان کے تصویری مناظر دیکھ کر لذت لیتے ہیں؟ بھلا اس نحوست سے اگر اپنے گھر والے/گھر والی سے دل ہٹ جائے تو کتنا برا ہو، میں تو ایسے انسان سے بہت زیادہ نفرت کرتا ہوں۔۔۔

امید ہے کہ اس سے وہ اس برائی کا قبیح (برا) ہونا سمجھے گی اور یہ کہ میرے شوہر یہ چاہ رہے ہیں کہ میں کسی اجنبی (نامحرم) وغیرہ کو نہ دیکھوں اور کسی بھی جاندار کی تصویر اور بالخصوص اجنبی مردوں کے فوٹو وغیرہ نہ دیکھوں۔

۳ اِدھر اُدھر کی چغلی کرتی ہے۔ بجائے اس کے کہ یوں کہیں تم چغلی کرتی ہو اور چغل خور جنت میں داخل نہ ہوگا۔ یوں سمجھائیں کہ بعض عورتیں پتہ نہیں کیوں ایک جگہ کی بات یا کسی ایک شخص کی بات دوسروں تک اس انداز میں پہنچاتی ہیں کہ سننے والا ایک دم آگ بگولہ ہو جاتا ہے اور اس شخص پر، جس نے اس کے متعلق کوئی بات شاید کہی ہی نہ ہو، بم برسانے کے درپے ہو جاتا ہے اور اس کے نتیجے

میں ایک تو کسی مسلمان سے بدگمانی ہوتی ہے اور اس پر ستم بالائے ستم گالی گلوچ یا بعض اوقات ہاتھا پائی تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور ان سب کی وجہ وہ عورت بنتی ہے جو ادھر کی بات ادھر کرتی ہے اور اپنی طرف سے مرچ مصالحہ لگاتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دونوں فریق کے درمیان بات کھل جاتی ہے، بس پھر اس عورت کی شامت ہی آ جاتی ہے۔ مجھے ایسے لوگ سخت ناپسند ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ تمہیں بھی یہ بات اور ایسی عورتیں بہت بری لگتی ہوں گی۔ اگر تمہارے سامنے کوئی چغلی کرے یا تم کسی ایسی عورت کو جانتی ہو جو چغل خور ہے تو تم اس کی اصلاح کرنے کی ضرور کوشش کرنا۔ قوی امید ہے کہ اس طرح سمجھانے سے چغل خوری کی مذمت بیوی کے دل میں بیٹھ جائے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

٢ اگر غصے کی حالت میں بچوں کو گالی گلوچ کرتی ہے، آپ نے بچوں کو ڈانٹنے کے دوران گالی گلوچ کرتے سن لیا تو ہرگز اس وقت اس کو کچھ نہ کہیں۔ بعد میں اس طرح سے سمجھائیں کہ مثلاً آج ایک عجیب واقعہ ہوا میں گلی سے گزر رہا تھا، اچانک میرے کانوں میں ایک گندی گالی کی آواز آئی۔ میں ادھر متوجہ ہوا تو یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا کہ گالی دینے والا ایک بچہ تھا۔ مجھے بہت افسوس ہوا۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کس کا ہے کہ ایسی گندی گالی دے رہا ہے، لوگوں نے بتایا کہ ”ارے بھائی! یہ فلاں صاحب کا بیٹا ہے اور اس کے گھر سے اس کو یہ گالیاں دینے کا سبق ملا ہے کیوں کہ جب بھی اس کی ماں یا باپ غصہ میں ہوتے ہیں وہ اس کو گالیاں دیتے ہیں۔ پیار سے سمجھانا تو ان کی لغت میں ہے ہی نہیں۔“ ارے بیگم، سچ پوچھو تو میرے ذہن میں اپنے ننھے منے فہد کا خیال آیا کہ اگر وہ اس بچے کی جگہ ہوتا تو مجھ پر اور تم پر کیا گزرتی؟ ..... کیسے ہوتے ہیں وہ والدین جو اپنے بچوں کے سامنے گالیاں دیتے ہیں؟ اللہ پاک انہیں ہدایت دے کہ بے چارے ایک تو خود بھی گالی دے کر اللہ تعالیٰ کی نظروں میں ذلیل ہوتے ہیں

اور دوسرے اپنی نئی نسل کو بھی تباہ کر رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہم تو کبھی بھی اپنے بچوں کے سامنے گالی نہیں دیتے۔ اور اگر کبھی مجھ سے یہ غلطی ہو جائے تو مجھے یاد کرا دینا۔

امید ہے کہ سمجھانے کا یہ ٹھنڈا طریقہ اگر آپ اختیار کریں گے تو اس کے مثبت اثرات سامنے آئیں گے۔ لہٰذا اس طرز کو اختیار کریں اور اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جس وقت بیوی بچوں کو ڈانٹ رہی ہو اس وقت اس کو کچھ نہ کہیں، جب بیوی کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے اور بچے ادھر ادھر جائیں تو اس وقت بیوی کو یہ دو باتیں محبت سے سمجھائیں:

❶ اگر تم اس طرح غیر مہذب اور گھٹیا الفاظ استعمال کرتے ہوئے بچوں کو سمجھانے کی کوشش کرو گی تو یہ بچے بھی ہمیشہ کے لئے یہی طرز سیکھیں گے کہ غصہ کے وقت ایسے ہی ناشائستہ الفاظ اپنے بہن بھائیوں، اسکول یا مدرسے کے دوستوں اور محلے کے بچوں اور قریبی رشتہ داروں کے بچوں کو کہیں گے تو بتاؤ پھر ہماری کیا عزت رہے گی؟ ... سب یہی کہیں گے کہ گھر کا ماحول ہی خراب ہے۔ یاد رکھو! کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اولاد کی نعمت سے نوازا ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے صالحین میں ہمارے ذریعے سے اضافہ ہو، اور ہماری تربیت میں رہ کر یہ بچے ایسے صالح اور باکردار مرد اور عورتیں بنیں جو نہ صرف یہ کہ خود بھی نیک ہوں، بلکہ اوروں کو بھی محبت اور حکمت سے نیکی کی طرف راغب کرنا جانتے ہوں اور بات کریں تو ان کے منہ سے پھول جھڑیں اور کسی سخت سے سخت مرحلے پر بھی نازیبا الفاظ استعمال کر کے اپنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت کو نہ بھول جائیں۔ ان کے اچھے کردار اور نرم لہجے سے متاثر ہو کر سخت سے سخت کافر بھی نرم پڑ جائے اور ان کے اخلاق دیکھ کر وہ بھی دینِ حق (دین اسلام) میں داخل ہو جائے۔ اگر ہم ایسی دینی تربیت کر کے گئے تو ان کے

اچھے اخلاق اور اعمال کا ثواب ہمیں قبروں میں پہنچتا رہے گا۔ یاد رکھو! کہ اولاد کی کثرت پسندیدہ ہونے سے مقصود اسلام میں یہ ہرگز نہیں کہ صرف حیوانی صفات رکھنے والے انسان بڑھیں۔

❹ اور تم اگر ایسے نازیبا الفاظ مثلاً بات بات پہ یوں کہنا کہ ... تو مر جائے، تو غارت ہو، ساری عمر پچھتائے، بغیر ماں باپ والے کی طرح رونے والے اللہ تجھے بچے بچے لاوارث بنائے ... جیسے بددعائیہ الفاظ استعمال کرنے کی عادت ترک نہیں کرو گی تو دیکھو اس پر تو تمہارا بھی ایمان ہے جس طرح دعائیں قبول ہوتی ہیں اسی طرح بددعا بھی لگ جاتی ہے۔ پھر خود سوچو اگر قبولیت کی کسی ساعت میں تم نے ایسے الفاظ کہہ دیئے اور بچے کو بددعا لگ گئی تو پھر تو ساری عمر رونے پچھتانے کے سوا کیا حاصل ہوگا؟

❺ بچوں کے شور کو روکنے کے لئے آپ خود شور نہ مچایئے اور اگر گھر میں کل کل چلتی بھی رہتی ہے، تو جناب شوہر صاحب، آپ سے ہماری یہ گزارش ہے کہ اپنی بیوی سے اس کے اسباب پوچھیں، کہ ایسا کیوں ہے کہ ہر وقت ماں اور بچوں میں تکرار اور محاذ آرائی کی فضا رہتی ہے مگر آپ یہ بات بچوں سے دور رہ کر خلوت میں صرف بیوی سے پوچھیں۔ اور اس پوچھنے میں بھی شور ہرگز نہ مچائیں، سنجیدگی اور متانت سے پوچھیں۔ اگر آپ خود ہی دھاڑنے لگے تو بیوی پر آپ کی نصیحت کا کیا خاک اثر ہوگا...؟

اور دوسری بات یہ کہ پھر اگر ماں اور بچوں میں بحث کی کوئی وجہ ایسی پتہ چلے جس کا تدارک آپ کے بس میں ہو تو اس پر مثبت انداز میں قدم اٹھایئے۔ مثلاً آپ کام سے واپس آئے اور بچہ روٹھا بیٹھا ہے اور ماں ناحق اسے ڈانٹ رہی ہے اور وجہ یہ پتہ چلی کہ دوکان سے کوئی پسند کی چیز لانا چاہ رہا ہے اور ماں کے پاس نقد پیسے نہیں ہیں، تو آپ آئندہ کے لئے اس خلفشار کا تدارک یوں کر سکتے

ہیں کہ اپنی بیوی کے پاس کچھ ایسی چیزیں جو بچوں کی پسند کی ہوں لا کر سنبھال کر رکھوا دیں جو بچوں کو ایسی ہی بے جا ضد پر انہیں دے دی جائیں، کیوں کہ بچے صرف ماں کی زبانی ہدایت اور تلقین پر نہیں سمجھا کرتے، بلکہ انہیں ان کو بہلا دینے کے لئے کچھ دینا ہی پڑتا ہے۔

خطرناک غلطیاں

بچوں کے سامنے آپ بیوی سے نہ جھگڑا کریں۔ اگر بہت ہی زیادہ غصہ آئے تو فوراً گھر سے باہر چلے جایئے، بچوں کے سامنے ہرگز ہرگز اس کو نہ جھڑکیں نہ ڈانٹیں۔

کیونکہ اس سے ایک طرف تو بیوی کی عزت نفس مجروح ہوگی، اور دوسرے بچوں کے دل میں اس کی عزت کم ہوگی اور اگر بچے سمجھدار ہوں اور ماں کو بے قصور سمجھتے ہوں تو پھر آپ ان کی نظر میں ظالم اور قابل نفرت ٹھہریں گے۔ اس کے علاوہ اگر بیوی بھی اس وقت بول پڑی اور آپ دونوں میں تو تو میں میں ہوتی رہی تو یہ بچوں کی نفسیات کے لئے بہت ہی زیادہ نقصان دہ ہے۔ آپ ٹھنڈے دل سے ذرا غور تو فرمائیں! جس گھر میں ہر وقت ماں باپ کے درمیان نوک جھونک، تو تو، میں میں اور سرد جنگ جاری رہا کرے، چیخ و پکار، نفرت و غصہ کے بم برسائے جا رہے ہوں، ایک دوسرے کی تحقیر کی جا رہی ہو، ہر وقت ہنگامہ آرائی، ذرا ذرا سی بات پر بھڑک اٹھنا اور ضد اور ہٹ دھرمی دونوں کا معمول ہو، ایسے ماحول میں معصوم اور پھولوں سے زیادہ نازک بچوں کے دل و دماغ پر کونسے نقوش مرتسم ہوتے ہوں گے؟

چوں کہ بچوں کی نقل اتارنے کی قوت اور اخذ کرنے کی صلاحیتیں بہت ہی طاقت ور ہوتی ہیں۔ اس لئے یہ بچے جو کچھ اپنے گرد و پیش ہوتے ہوئے دیکھتے

ہیں اس کو فوراً اختیار کر لیتے ہیں۔ لہٰذا آپ دیکھیں گے کہ ایسے گھروں میں سب بہن بھائی ایک دوسرے کے ساتھ چیخم دھاڑ، تو تڑاخ، طعن و تشنیع اور آپس میں اٹھتے بیٹھتے تنقیدی جملے کہتے ہیں، ایک دوسرے کی تحقیر اور تخفیف کرتے ہیں، باہم دست و گریباں رہتے ہیں!! ان سب کا نتیجہ؟ بس یہی کہ ہر ایک فرد خود بین..... خود نما..... تنہائی کا شکار، الگ تھلگ... دبکا سہما... مغلوب الحال... بے چین..... بے قرار... صرف اپنے دفاع اور بچاؤ کی فکر میں کھویا ہوا رہتا ہے۔

اب ایسے ماحول کے پروردہ بچے چاہے بوڑھے ہو جائیں، اپنے تمام عرصہ حیات میں انہی جذبات، اسی ذہنیت اور انہی سے پیدا شدہ برے افعال اور بری حرکات میں مبتلا رہتے ہیں، ان کو کبھی احساس بھی نہیں ہو سکتا کہ ان کی اسی دنیا میں محبت نام کی بھی کوئی چیز موجود ہے، جس سے ہمدردی، اخوت، امن و عافیت، چین و سکون، فارغ البالی اور خوش حالی پیدا ہوتی ہے، اور یہ کہ وہ بھی تو آخر انسان ہی ہیں جنہیں یہ سب کچھ میسر ہے۔

ایسے بچوں کے لئے سب سے بڑی نقصان دہ بات یہ ہوتی ہے کہ جب ان کو کسی جگہ سے پیار و محبت نہیں ملتا، کوئی ان کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر اعتماد پیدا کرنے والا نہیں ہوتا پھر ایسے لڑکے اور لڑکیوں کو جب بھی کوئی خود غرضی سے خود غرض شخص (لڑکا یا لڑکی) دھوکہ دے کر ذرا سی محبت کا اظہار کرتا ہے تو اکثر کے ہاتھوں شرعی حدود کو پامال کرتے ہوئے اپنی زندگی تباہ کر بیٹھتے ہیں۔ یہ اگر دنیا چند روزہ بن بھی گئی تو آخرت تو تباہ و برباد ہو ہی جاتی ہے۔

اور اگر پھر یہ نوجوان نکاح کے بندھن میں پھنس جاتے ہیں اور بعد میں پتہ چلتا ہے کہ دوسری طرف محبت نہیں بلکہ محبت کا محض دھوکہ ہے میری جنسی تسکین... یا مال و دولت کے لالچ میں کوئی اور فائدہ حاصل کرنے کے لئے مجھ سے محبت جتائی گئی تھی تو وہ اور ذہنی کوفت، احساس محرومی اور مختلف نفسیاتی اور طبعی

بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یا تو مگر اپنی زندگی ہی ختم کر دیتے ہیں یا اپنی طبعی مدت سے پہلے ہی قبر میں پہنچ جاتے ہیں۔ دوسرا بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ جو شوہر بار بار ٹوک جھونک کرنے کی عادت رکھنے والے ہوں اپنی بیوی کو سب بچوں کے سامنے ڈانٹتے ہوں تو بیوی کے دل سے شوہر کی محبت اور مقام نکل جاتا ہے۔ اور ایسی عورت اولاد کو باپ سے باغی بنا دیتی ہے۔ بچے بھی ماں کی حمایت میں باپ کو باپ نہیں گردانتے۔ باپ کا حکم نظر انداز کر دیتے ہیں اور اگلے مرحلے میں ایک بڑا بھاری نقصان یہ ہوتا ہے کہ بچوں کے شادی بیاہ کے مراحل میں یہ دل جلی ماں ٹھان ہی لیتی ہے کہ شوہر کی طرف والے لوگوں میں سے نہ اپنے بیٹے کے لئے کوئی لڑکی لاؤں گی نہ اپنی بیٹی ایسے شخص کے خاندان میں دوں گی۔ اور بعض مرتبہ تو اپنی ملنے جلنے والیوں میں برملا اپنے یہ فیصلہ تک سنا دیتی ہیں کہ "اس جیسے (یعنی اپنے شوہر جیسے) شخص کے خاندان میں اپنی بیٹی کا ہاتھ دینے سے تو اچھا ہے کہ ساری عمر لڑکی کو گھر بٹھائے رکھوں۔ کیونکہ اس کو بھی ہر وقت ڈر ڈر، بک بک، جو اور یہ بھی میری طرح بد مزاج شوہر سے اولاد کے سامنے طعنے سنے، یہ تو مجھے اپنی بیٹی کے لئے ہرگز گوارہ نہیں۔" لہذا خدارا ان خطرناک غلطیوں سے بچئے اور اپنے رشتہ داروں اور دوست واحباب کو بھی بچایئے۔

دوسری خطرناک غلطی

بیوی کے ساتھ کی گئیں غلطیوں میں ایک خطرناک غلطی غصہ کرنا بھی ہے۔ غصہ کے مہلک اثرات غصہ کرنے والے کی اس کیفیت جو وہ خود غصہ کرنے والا تو دیکھ نہیں سکتا لیکن اس کی اس کیفیت کو دوسرے لوگ جس شکل اور کیفیت میں دیکھتے ہیں اس کی ایک جھلک ہم آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں، ذرا غصہ کرنے والے کا ظاہری حال و کیفیت ملاحظہ فرمایئے۔ چہرہ سرخ پڑ جاتا ہے، آنکھوں میں

خون اتر آتا ہے، ہونٹ سکڑ کر ایسے ہو جاتے ہیں جیسے کسی نے ڈبری (بولٹ) کس دی ہو، جبڑے بالکل جم جاتے ہیں مٹھیاں بھنچ جاتی ہیں سارا بدن کانپنے لگتا ہے۔ آواز میں بھی گرج اور تھرتھراہٹ پیدا ہو جاتی ہے اور آدمی آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں آدمی تہذیب وشائستگی اور رکھ رکھاؤ بھول جاتا ہے۔ ہوش وحواس بحال ہونے کے بعد اگر آدمی کو اپنی اس کیفیت کا اندازہ ہو جائے تو شرم سے پانی پانی ہو جائے۔ یہ تو اس کی ظاہری کیفیت ہے۔ اور اس غصہ کرنے والے کے اندر غصہ سے جو تغیر پیدا ہو رہا ہے، وہ اس ظاہری کیفیت سے زیادہ کہیں خطرناک ہے۔ غصہ کی وجہ سے اس کا خون تیزی سے گردش کرنے لگتا ہے یہ تغیر جذبات کی طرح اس کے اعضاء وجوارح اور تمام بدن کے نظام پر اثر انداز ہوتا ہے۔ دل تو دل اس کے معدہ کا نظام بھی درہم برہم ہو جاتا ہے۔ غصہ کرنے والے کو زیادہ تر دردِ شکم اور معدہ کی بہت سے بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں۔ غصہ سے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے اور دورانِ خون (بلڈ پریشر) بڑھ جاتا ہے، دل کا دورہ پڑنے کا خطرہ یقینی بڑھ جاتا ہے۔ اور کبھی خون کا دباؤ دماغ کی شریانوں پر اثر انداز ہو کر ان کے پھٹنے کا سبب بن جاتا ہے جو بالعموم موت پر منتج ہوتا ہے۔ یوں غصہ کرنے والا اپنے ہی ہاتھوں ایک اعتبار سے خودکشی کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ غصہ کی وجہ سے دل کی شریانیں بھی سکڑ جاتی ہیں اور دل کا درد (انجائنا) بھی ہو سکتا ہے۔ یہ ساری بیماریاں تو اس کو لاحق ہوتی ہیں جو غصہ کرے، لیکن اس کا اثر اس پر بھی پڑتا ہے جس پر غصہ کیا جا رہا ہے۔ خصوصاً بچے بہت ڈر جاتے ہیں۔ ان میں خود اعتمادی کی کمی پیدا ہو جاتی ہے اور ان کی صلاحیتیں نکھرنے سے پہلے ہی ضائع ہو جاتی ہیں۔

لہٰذا ہماری گزارش ہے کہ حتی الامکان غصہ سے پرہیز کریں اور اگر طبیعت ہی ایسی ہے اور غصہ آ ہی جاتا ہے تو اسے پینے کی کوشش کریں۔ یہ غصہ ہی تو وہ واحد

حرام چیز ہے جسے چیانا صرف جائز ہے، بلکہ اس پر اجر بھی ملتا ہے اب ہم غصہ کم کرنے کی چند تدبیریں لکھتے ہیں۔ شوہر حضرات کو چاہیے کہ ان کو پڑھ کر عمل میں لانے کی کوشش کریں۔

❶ سب سے پہلے تو گھر میں داخل ہونے کی دعائیں سیکھیں اور انہیں پڑھیں۔ جب گھر میں داخل ہوں تو "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔" اور سورۂ اخلاص اور درود شریف پڑھ کر سلام کر کے داخل ہوں اور معنی کا خیال کر کے گھر میں داخل ہونے کی دعا یہ ہے:

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَیْرَ الْمَوْلَجِ وَخَیْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللّٰہِ وَلَجْنَا وَبِسْمِ اللّٰہِ خَرَجْنَا وَعَلَی اللّٰہِ رَبِّنَا تَوَکَّلْنَا.﴾ (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۳۳۹)

ترجمہ: "اے اللہ! میں گھر میں آنے اور گھر سے نکلنے کی بہتری و بھلائی چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ہم داخل ہوئے اور اس کا نام لے کر ہم نکلے اور اللہ تعالیٰ پر جو ہمارا پروردگار ہے ہم نے بھروسہ کیا۔"

یاد رکھیں! دعائیں صرف پڑھنے کے لئے نہیں ہوتیں، بلکہ مانگنے کے لئے ہوتی ہیں۔ دعائیں معنی اور مفہوم سمجھ کر مانگی جائیں۔ اگر آپ گھر میں داخل ہوتے ہوئے شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ نہیں مانگیں گے تو شیطان بھی گھر میں داخل ہو جائے گا اور مختلف حربوں سے لڑائی جھگڑے کروائے گا۔

نوٹ: ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کیسے کریں اور کن الفاظ سے کریں اس کے لئے ہر مسلمان کو چاہیے کہ

❶ مسنون دعائیں ...... از مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

❷ حصن حصین ترجمہ و تشریح ...... مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

❸ مستند مجموعہ وظائف مرتبہ اساتذہ بیت العلم یہ تین کتابیں اپنے پاس

رکھے ان میں سے خود بھی دعائیں یاد کریں اور بیوی اور بچوں اور گھر کے دوسرے افراد کو بھی یاد کرائیں۔

۲ جب بھی غصہ آئے تو فوراً تعوذ پڑھ لیا کرے اور فوراً پانی پی لے ان شاء اللہ اس سے شیطان بھاگ جائے گا۔ غصہ شیطان ہی کا اثر ہے۔ ظاہر ہے کہ جب وہ بھاگ جائے تو غصہ بھی کافور ہو جائے گا۔

۳ جب بھی شدید غصہ ہو تو وضو کرے اس سے ایک تو ذہن بٹ جاتا ہے، اور دوسرے ٹھنڈا پانی لگنے سے بدن کی گرمی اور طبیعت کی شدت میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ اور وضو کرنے سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "غصہ شیطان سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے اور آگ پانی سے بجھ جاتی ہے۔" (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۳۰۴)

اس کے علاوہ قرآن میں آتا ہے کہ:

﴿وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (سورۂ آل عمران آیت ۱۳۳، ۱۳۴)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وہ جنت جس کا پھیلاؤ سارے آسمان اور زمین ہیں جو تیار کی گئی ہے ایسے لوگوں کے لئے جو کہ (نیک کاموں میں) خرچ کرتے ہیں (ہر حال میں) فراغت میں (بھی) اور تنگی میں (بھی) اور غصہ کو ضبط کرنے والے اور لوگوں کی خطاؤں کو معاف کرنے والے اور اللہ جل شانہ محبوب رکھتے ہیں احسان کرنے والوں کو۔"

فضائل صدقات میں شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس آیت شریفہ میں مومنین کی ایک خاص مدح اور تعریف بیان کی گئی ہے کہ جو غصہ کو پینے

والے ہیں اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں۔

❹ قرآن و حدیث میں غصہ پینے کے جو فضائل وارد ہوئے ہیں ان کو یاد کرے مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ يَسْتَطِيعُ أَنْ يُنْفِذَهُ دَعَاهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رُؤُوسِ الْخَلَائِقِ حَتّٰى يُخَيِّرَهُ فِي أَيِّ الْحُوْرِ الْعِيْنِ شَاءَ﴾

(ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۳، ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۳۰۲)

ترجمہ: ''جو شخص اپنے غصہ کو نافذ کر سکتا ہو لیکن اسے پی لے تو اللہ پاک قیامت کے دن سب مخلوق کے سامنے اسے پکاریں گے، یہاں تک کہ اسے اختیار دیں گے کہ جس بڑی آنکھوں والی حور کو چاہے پسند کر لے۔''

ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ آدمی غصہ پی لے، اس سے زیادہ کوئی گھونٹ اللہ کے نزدیک پسندیدہ نہیں۔'' (مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۹ رقم ۵۸۰۸)

لہٰذا جب بھی غصہ آئے تو خاموش ہو جائیں اور وہاں سے اٹھ کر تنہائی میں چلے جائیں تاکہ زبان نہ کھلے اور منہ کو تالا لگ جائے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿إِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ﴾

(مسند احمد کتاب مسند بنی ہاشم حدیث نمبر ۳۰۲۹)

ترجمہ: ''جب تم میں سے کسی کو غصہ آ جائے تو وہ فوراً خاموش ہو جائے۔''

❺ ایک علاج یہ ہے کہ ایک کاغذ پر درج ذیل عبارت لکھ کر ایسی جگہ لگا دے جہاں بار بار اس پر نظر پڑتی ہو:

''اللہ تعالیٰ کو تجھ پر اس سے زیادہ قدرت ہے جتنی تجھ کو اس پر (اپنی بیوی

بچوں یا نوکر وغیرہ پر) قدرت ہے۔ لہٰذا ایسا نہ ہو کہ تو قصور سے زیادہ سزا دے اس پر دنیا و آخرت دونوں میں پکڑ ہوگی۔ قیامت کے دن جرم اور سزا کو لایا جائے گا اور تولا جائے گا۔ اگر برابر معاملہ ہوا تو چھوٹ، ورنہ پکڑ ہو جائے گی۔"

آدمی غصہ اسی پر اتارتا ہے جس کو اپنے سے کمزور پاتا ہے اور اگر دوسرا طاقت ور ہو یا اس کا کوئی تیسرا طاقت ور حامی بھی موجود ہو تو اس کے سامنے تو غصہ پینا ہی پڑتا ہے۔ لہٰذا جب بار بار اس تحریر پر نظر پڑے گی تو دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا استحضار ہوگا۔ پھر غصہ کہاں آئے گا؟

❻ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے اگر کسی کو غصہ آ جائے تو اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہو تو لیٹ جائے۔ (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۳۰۳)

یہ بھی ایک نہایت مفید تدبیر ہے۔ کیونکہ کہ جب آدمی کھڑا ہوتا ہے تو زمین سے دوری ہوتی ہے اور بیٹھنے میں زمین سے قرب ہو جاتا ہے اور لیٹنے میں اس سے بھی زیادہ زمین سے مل جاتا ہے اور زمین کی طبیعت میں حق تعالیٰ نے انکساری رکھی ہے۔ تو وہ انکساری آدمی پر اثر کر جاتی ہے اور انکساری غصہ اور تکبر کی ضد ہے تو گویا یہ علاج بالضد ہوا۔

تجربہ سے ثابت ہے کہ غصہ میں بے اختیار یہ جی چاہتا ہے کہ ایسی ہیئت بنائے کہ مارنا اور پکڑنا آسان ہو جائے۔ مثلاً اگر لیٹے ہوئے غصہ آئے تو بے اختیار اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے اور اگر اس سے بھی زیادہ غصہ ہو تو کھڑا ہو جاتا ہے۔ غصہ کا طبعی مقتضیٰ یہی ہے (کہ آدمی لیٹا ہو تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہو تو کھڑا ہو جائے) تو بیٹھنے کو غصہ کی اصلی ہیئت سے کچھ دوری ہے اور لیٹنے کو بہت زیادہ بُعد (دوری) ہے۔ لہٰذا یہ تعلیم فطرت کے عین مطابق ہوئی کہ غصہ میں اگر کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ اور اگر بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ۔

یقین ہے کہ ان شاء اللہ ان تدابیر پر عمل کے نتیجے میں آپ غصے پر قابو پانا

سمجھ لیں گے اور بڑے بڑے نقصانات سے بچ جائیں گے۔

عورت کی پیدائش ٹیڑھی پسلی سے ہونے کا مطلب

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت اچھی تشبیہ بیان فرمائی ہے، اور یہ ایسی عجیب و غریب اور حکیمانہ تشبیہ ہے کہ اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ فرمایا کہ "عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔" بعض لوگوں نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا۔ اس کے بعد حضرت حوا علیہا السلام کو انہی کی پسلی سے پیدا کیا گیا ہے۔ اور بعض علماء نے اس کی دوسری تشریح بھی کی ہے۔ وہ یہ کہ عورت کی مثال پسلی کی سی ہے۔ پسلی دیکھنے میں ٹیڑھی معلوم ہوتی ہے، لیکن پسلی کا حسن اور اس کی صحت اس کے ٹیڑھے ہونے میں ہی ہے۔ چنانچہ کوئی شخص اگر چاہے کہ پسلی ٹیڑھی ہے، اس کو سیدھا کر دوں، تو جب اسے سیدھا کرنا چاہے گا تو وہ سیدھی تو نہیں ہوگی البتہ ٹوٹ جائے گی۔ وہ پھر پسلی نہیں رہے گی بلکہ دوبارہ بھی اس کو سیدھا کر کے پلاستر کے ذریعہ جوڑنا پڑے گا۔ اسی طرح حدیث شریف میں عورت کے بارے میں بھی یہی فرمایا کہ:

﴿إنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ﴾

ترجمہ: "اگر تم اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی۔"

﴿فَإنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَفِيهَا عِوَجٌ﴾

(مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۲۸۰)

ترجمہ: "پس اگر اس سے فائدہ اٹھانا چاہو تو اس کے ٹیڑھے ہونے کے باوجود فائدہ اٹھاؤ گے۔"

یہ بڑی عجیب و غریب اور حکیمانہ تشبیہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان

فرمائی، کہ اس کی صحت اس کے ٹیڑھے ہونے میں ہی ہے۔ اگر وہ سیدھی ہوگی تو وہ بیمار ہے، صحیح نہیں ہے۔

یہ عورت کی مذمت کی بات نہیں ہے

بعض لوگ اس تشبیہ کو عورت کی مذمت میں استعمال کرتے ہیں کہ عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہے، لہذا اس کی اصل ٹیڑھی ہے۔ چنانچہ میرے پاس بہت سے لوگوں کے خطوط آتے ہیں جن میں کئی لوگ یہ لکھتے ہیں کہ "یہ عورت ٹیڑھی پسلی کی مخلوق ہے۔" گویا کہ اس کو مذمت اور برائی کے طور پر استعمال کرتے ہیں، حالانکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا منشا یہ نہیں ہے۔

عورت کا ٹیڑھا پن ایک فطری تقاضا ہے

بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو کچھ اوصاف دے کر پیدا فرمایا ہے اور عورت کو کچھ اور اوصاف دے کر پیدا فرمایا۔ دونوں کی فطرت اور سرشت میں فرق ہے۔ سرشت میں فرق ہونے کی وجہ سے مرد عورت کے بارے میں یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ میری طبیعت اور فطرت کے خلاف ہے، حالانکہ عورت کا تمہاری طبیعت کے خلاف ہونا کوئی عیب نہیں ہے۔ اسے اسی فطرت پر پیدا کیا گیا ہے۔ اگر مرد اور عورت کی سرشت میں اختلاف نہ ہوتا تو جنس کا فرق بھی کہاں باقی رہتا؟ اسی طرح یہ بھی عورت کی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ ٹیڑھی ہو۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ اگر تمہیں عورت میں کوئی ایسی بات نظر آتی ہے جو تمہاری طبیعت کے خلاف ہو اور اس کی وجہ سے تم اس کو ٹیڑھا سمجھ رہے ہو تو اس کو اس بنا پر رد نہ کرو، بلکہ یہ سمجھو کہ اس کی فطرت کا مقتضیٰ یہی ہے۔ اور اگر تم اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی اور اگر فائدہ اٹھانا چاہو گے تو ٹیڑھے پن کے ساتھ فائدہ اٹھا سکو گے۔

"غفلت" عورت کے لئے حسن ہے

آج الٹا زمانہ آگیا ہے، قدریں بدل گئیں، خیالات بدل گئے، ورنہ بات یہ ہے کہ جو چیز مرد کے حق میں عیب ہے، بسا اوقات وہ عورت کے حق میں حسن اور خوبی ہوتی ہے۔ اگر ہم غور کریں تو یہ بات قرآن کریم میں بھی نظر آتی ہے کہ جو چیز مرد کے حق میں عیب تھی، وہی چیز عورت کے بارے میں حسن قرار دی گئی۔ اور اس کو نیکی، اچھائی کی بات کہا گیا۔ مثلاً مرد کے حق میں یہ بات عیب ہے کہ وہ جاہل اور غافل ہو اور دنیا کی اس کو خبر نہ ہو، اس لئے کہ مرد پر اللہ تعالیٰ نے دنیا کے کاموں کی ذمہ داری رکھی ہے۔ اس لئے اس کے پاس علم بھی ہونا چاہئے اور اس کو باخبر بھی ہونا چاہئے۔ اگر باخبر نہیں ہے، بلکہ غافل ہے، تو یہ مرد کے حق میں عیب ہے۔ عورت کے متعلق قرآن نے "غفلت" کا لفظ اس طرح استعمال کیا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ﴾

(سورۃ النور آیت ۲۳)

ترجمہ: "بے شک وہ لوگ جو ایسی عورتوں پر تہمتیں لگاتے ہیں جو پاکدامن ہیں، اور غافل ہیں، (یعنی دنیا سے بے خبر ہیں) اور مومن ہیں۔"

یہاں دنیا سے بے خبری کو ایک خوبی کے طور پر قرآن کریم نے بیان فرمایا۔ معلوم ہوا کہ عورت اگر دنیا کے کاموں سے بالعموم بے خبر ہو اور محض اپنے فرائض کی حد تک واقف ہو اور دنیا کے معاملات اتنے نہ جانتی ہو تو وہ عورت کے حق میں عیب نہیں، بلکہ وہ صفتِ حسن ہے۔

لہٰذا جو چیز مرد کے حق میں عیب تھی، وہ عورت کے حق میں عیب نہیں اور جو چیز مرد کے حق میں عیب نہیں تھی بعض اوقات وہ عورت کے حق میں عیب ہوتی

ہے۔ اس لئے اگر تمہیں ان کے اندر کوئی ایسی چیز نظر آئے جو تمہارے نزدیک عیب ہے تو اس کی وجہ سے عورت کے ساتھ برتاؤ میں خرابی ہرگز نہ کرو۔

اس کی کوئی عادت پسندیدہ بھی ہوگی

اس باب کی دوسری حدیث بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

﴿عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: لَا یَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً اِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِیَ مِنْهَا آخَرَ﴾ (صحیح مسلم، جلد ا صفحہ ۴۷۵، باب الوصیۃ بالنساء)

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عجیب و غریب اصول بیان فرمایا کہ کوئی مؤمن مرد کسی مؤمن عورت سے بالکلیہ بغض نہ رکھے۔ یعنی اس کو بالکلیہ بے کار یا فضول قرار دے، اور یہ کہے کہ اس میں تو کوئی اچھائی ہی نہیں ہے۔ اگر اس کی کوئی بات ناپسندیدہ ہے تو اس کی دوسری کوئی بات پسندیدہ بھی ہوگی۔

پہلا اصول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتا دیا کہ جب دو انسان ایک ساتھ رہتے ہیں تو کوئی بات دوسرے کی اچھی لگتی ہے، اور کوئی بری لگتی ہے۔ اگر کوئی بات بری لگ رہی ہے تو اس کی وجہ سے اس کو علی الاطلاق برا نہ سمجھو، بلکہ اس وقت اس کے اچھے اوصاف کا استحضار کرو۔ اس کے اندر آخر کوئی اچھائی بھی تو ہوگی۔ بس اس اچھائی کا استحضار کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ یہ اچھائی تو اس کے اندر ہے۔ اگر یہ عمل کرو گے تو ہو سکتا ہے کہ اس کے اندر جو برائیاں ہیں تمہارے دل کے اندر ان کی اتنی زیادہ اہمیت باقی نہ رہے۔

اصل بات یہ ہے کہ آدمی ناشکرا ہے۔ اگر دو تین باتیں ناپسند ہوں اور بری

نکلیں، بس! انہیں کو لے کر بیٹھ گیا کہ اس میں تو یہ خرابی ہے، اس میں تو وہ خرابی ہے۔ اچھائی کی طرف دھیان ہی نہیں۔ اس لئے ہر وقت روتا رہتا ہے اور ہر وقت اس کی برائیاں کرتا رہتا ہے اور اس کے نتیجے میں اس کے ساتھ بدسلوکی کرتا ہے۔

ہر چیز میں خیر و شر ہوتا ہے

دنیا کے اندر کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ جس کے اندر برائی نہ ہو یا کوئی اچھائی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا بنائی ہے۔ اس میں ہر چیز کے اندر خیر اور شر مخلوط ہے۔ کوئی چیز اس کائنات میں نہ خیر مطلق ہے اور نہ شر مطلق۔ اس میں خیر و شر ملے جلے ہوتے ہیں، اگر کوئی کافر یا مشرک ہے یا کوئی برا انسان ہے، اگر اس کے اندر بھی اچھائی تلاش کرو گے تو کوئی نہ کوئی اچھائی ضرور مل جائے گی۔

انگریزی کی ایک کہاوت

("ہمارے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "حکمت مؤمن کی گمشدہ متاع ہے۔ جہاں اس کو پائے، لے لے" (موسوعۃ اطراف الحدیث النبوی جلد۴ صفحہ۵۷۷) لہٰذا انگریزی کی کہاوت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ضرور غلط ہی ہو") انگریزی کی ایک کہاوت ہے۔

جس کا مفہوم یہ ہے کہ "وہ گھنٹہ یا گھڑی جو بند ہوگئی ہو، وہ بھی دن میں کم از کم دو بار سچ بولتی ہے۔" مثلاً فرض کرو کہ بارہ بج کر پانچ منٹ پر گھڑی بند ہو گئی۔ اب ظاہر ہے کہ ہر وقت تو وہ صحیح وقت نہیں بتائے گی، لیکن دن میں دو مرتبہ ضرور صحیح وقت بتائے گی۔ ایک بار دن میں بارہ بج کر پانچ منٹ پر، اور دوسری بار رات میں بارہ بج کر پانچ منٹ پر۔ تو دو مرتبہ وہ ضرور سچ بولے گی۔

کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ علامہ اقبال مرحوم کا ایک شعر بہت پڑھا کرتے تھے کہ ؎

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں
کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

مطلب یہ ہے کہ جو چیز بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے، اپنی حکمت اور مشیت سے پیدا فرمائی ہے۔ اگر غور کرو گے تو ہر ایک کے اندر حکمت اور مصلحت نظر آئے گی۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ آدمی صرف برائیوں کو دیکھتا رہتا ہے۔ اچھائیوں کی طرف نگاہ نہیں کرتا۔ اس وجہ سے وہ بددل ہو کر ظلم اور ناانصافی کا ارتکاب کرتا ہے۔

عورت کے اچھے وصف کی طرف نگاہ کرو

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا:

﴿فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ۝﴾ (سورۃ النساء، آیت ۱۹)

ترجمہ: ''اگر تمہیں وہ عورتیں پسند نہیں ہیں جو تمہاری نکاح میں آگئیں، تو اگرچہ وہ تمہیں ناپسند ہیں لیکن ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں بہت خیر رکھی ہو''

اس لئے حکم یہ ہے کہ عورت کے اچھے وصف کی طرف نگاہ کرو۔ اس سے تمہارے دل کو تسلی بھی ہوگی، اور بدسلوکی کے راستے بھی بند ہوں گے۔

ہمارے معاشرے کی خواتین دنیا کی حوریں ہیں

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے ہندوستان (پاکستان) کے معاشرے کی خواتین دنیا کی حوریں ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ بیان فرماتے کہ ان کے اندر وفاداری کا وصف ہے۔ جب سے مغربی تہذیب وتمدن کا وبال آیا ہے اس وقت سے رفتہ رفتہ یہ وصف بھی ختم ہوتا جارہا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر وفاداری کا ایسا وصف رکھا ہے کہ چاہے کچھ ہو جائے، لیکن یہ اپنے شوہر پر جان نثار کرنے کے لئے تیار ہے اور اس کی نگاہ شوہر کے علاوہ کسی اور پر نہیں پڑتی۔

ایک بزرگ کا سبق آموز واقعہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ ان کی بیوی بہت لڑنے جھگڑنے والی تھی۔ ہر وقت لڑتی رہتی تھی۔ جب گھر میں داخل ہوتے بس لعنت ملامت، لڑائی جھگڑا شروع ہو جاتا۔ کسی صاحب نے ان بزرگ سے کہا کہ دن رات کی جھک جھک اور لڑائی آپ نے کیوں پالی ہوئی ہے، یہ قصہ ختم کر دیجئے اور طلاق دے دیجئے۔ تو ان بزرگ نے جواب دیا کہ بھائی! طلاق دینا تو آسان ہے، جب چاہوں گا، دے دوں گا۔ بات دراصل یہ ہے کہ اس عورت میں اور تو بہت سی خرابیاں نظر آتی ہیں۔ لیکن اس کے اندر ایک وصف ایسا ہے جس کی وجہ سے میں اس کو کبھی نہیں چھوڑوں گا، اور طلاق نہیں دوں گا۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر وفاداری کا ایسا وصف رکھا ہے کہ اگر بالفرض میں گرفتار ہو جاؤں اور پچاس سال تک جیل میں بند رہوں تو مجھے یقین ہے کہ میں اس کو جس کونے میں بٹھا کر جاؤں گا، اسی کونے میں بیٹھی رہے

کی اور کسی اور کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھے گی۔ اور یہ وفاداری ایسا وصف ہے کہ اس کی کوئی قیمت نہیں ہو سکتی۔

بہرحال ان بزرگ نے حقیقت میں اسی حدیث پر عمل کر کے دکھایا کہ:

﴿إن كره منها خلقا رضي منها آخر.﴾ (مشکوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۸۰)

یعنی اگر ایک بات اس عورت کی ناپسندیدہ ہے، تو دوسری بات پسندیدہ بھی ہوگی۔ اس کی طرف دھیان اور خیال کرو، اور اس کے نتیجے میں اس کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ ساری خرابی یہیں سے شروع ہوتی ہے کہ برائیوں کی طرف نگاہ ہوتی ہے، اچھائیوں کی طرف نگاہ نہیں ہوتی۔

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ اور نازک مزاجی

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ بڑے ولی اللہ گزرے ہیں۔ ایسے نفیس نازک مزاج بزرگ تھے کہ اگر کسی نے صراحی کے اوپر گلاس ٹیڑھا رکھ دیا تو اس کو ٹیڑھا دیکھ کر سر میں درد ہو جاتا تھا۔ اگر ذرا بستر پر شکنیں آ جائیں تو سر دکھنے لگتا تھا۔ لیکن ان کو بیوی جو ملی وہ بڑی بدسلیقہ، بدمزاج، پھوہڑ اور بدزبان تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو عجیب عجیب طریقے سے آزماتے ہیں اور ان کے درجات بلند فرماتے ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمائش تھی۔ لیکن انہوں نے ساری عمر اس کے ساتھ نبھایا۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو شاید اس طرح معاف فرما دیں۔

بیوی کو مارنا بداخلاقی ہے

اس باب کی تیسری حدیث ہے:

﴿عن عبد الله بن زمعة رضي الله تعالى عنه انه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يخطب ... ثم ذكر النساء فوعظ فيهن، فقال:

بَعْضُ اَحَدُکُمْ فَیَجْلِدُ اِمْرَاَتَہٗ جَلْدَ الْعَبْدِ فَلَعَلَّہٗ یُضَاجِعُہَا مِنْ آخِرِ

یَوْمِہٖ ﷺ (صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب۔ ما یکرہ من ضرب النساء، حدیث نمبر ۵۲۰۴)

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور اس خطبے میں بہت سی باتیں ارشاد فرمائیں۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ یہ بری بات ہے کہ تم میں سے ایک شخص اپنی بیوی کو اس طرح مارتا ہے جیسے آقا اپنے غلام کو مارتا ہے، اور دوسری طرف اس سے اپنا ازدواجی تعلق بھی رکھتا ہے۔ (مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۲۸۲) یہ کتنی بداخلاقی اور بے غیرتی کی بات ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو اس طرح مارے جس طرح غلام کو مارتا ہے۔

(اصلاحی خطبات از مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم جلد ۱ صفحہ ۲۳۳ تا ۲۳۴)

اسی مناسبت سے ہم حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب نقل فرماتے ہیں۔

نافرمان بیوی کا شرعی حکم

سوال: ہمارے پڑوس میں ایک کنبہ آباد ہے۔ ویسے تو میاں بیوی میں تعلقات نہایت اچھے تھے۔ میاں بے حد شریف ہے۔ ایک روز کسی بات پر بیوی نے ضد کی جو ناجائز قسم کی ضد تھی۔ میاں نے بہت صبر کیا مگر بیوی کی دوبارہ ضد پر میاں کو غصہ آگیا اور انہوں نے بیوی کو منہ پر ایک تھپڑ مار دیا۔ بیوی نے اس پر میاں اور اس کے والدین کے لئے ''کنجر'' جیسا ناپاک لفظ استعمال کیا اور اپنے میکے چلی گئی۔ والدہ نے اس کے اس طرح آجانے پر ناراضگی کا اظہار کیا تو وہ پھر (واپس) آگئی۔ مگر دونوں میں بات چیت نہیں ہے۔ اور نہ ہی بیوی میاں کو منانے کی کوشش کرتی ہے۔ واقعہ بالا پر قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنی قیمتی رائے سے مستفید فرمائیں۔

جواب: منہ پر تھپڑ مارنے کی حدیث شریف میں بہت سخت ممانعت آئی ہے، اس لئے شوہر نے بڑی زیادتی کی۔ عورت کی بے جا ضد پر شوہر کو اس طرح مشتعل نہیں ہونا چاہئے اور اس نیک بخت نے جو تھپڑ کا جواب گندی گالی سے دیا یہ اس سے بھی زیادہ برا فعل ہے۔ (ماخوذ از آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد ۴ صفحہ ۷۱)

بیوی کی اصلاح کے تین درجات

جیسا کہ میں نے عرض کیا، قرآن کریم نے میاں بیوی کے تعلقات کی چھوٹی چھوٹی جزئیات اور مسائل کو بھی بیان کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ میاں بیوی کے درمیان چپقلش کا پہلا درجہ یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ شوہر کو بیوی کی کوئی بات ناپسند ہوئی۔ اس کا حل شریعت نے یہ بتادیا کہ جب ایک بات تمہیں ناپسند ہوئی تو تم یہ دیکھو کہ دوسری بات اس کے اندر پسندیدہ ہوگی۔ اور پھر بھی اگر شوہر یہ سمجھتا ہے کہ اس کے اندر بعض باتیں ایسی ہیں جو قابل برداشت نہیں ہیں، بلکہ اصلاح کے لائق ہیں، اور ظاہر ہے کہ مرد کو اس بات کا بھی مکلف بنایا گیا ہے کہ اگر وہ بیوی میں کوئی بات قابل اصلاح اور بری دیکھے تو اس کی اصلاح کی فکر کرے، لیکن اس کی اصلاح کا طریقہ کیا ہونا چاہئے؟ وہ طریقہ قرآن کریم نے یہ بتادیا کہ:

﴿وَالّٰتِي تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ﴾ (سورۃ النساء آیت ۳۴)

ترجمہ: "اور جن کی بدخوئی کا ڈر ہو تم کو تو ان کو سمجھاؤ اور جدا کرو سونے میں اور مارو ان کو" (معارف القرآن جلد ۲ صفحہ ۳۹۳)

سب سے پہلے تو ان کو نرمی، خوش اخلاقی اور محبت سے نصیحت کرو، یہ اصلاح کا پہلا درجہ ہے۔ اگر نصیحت کے ذریعے وہ باز آجائیں تو بس، اب آگے قدم نہ

بڑھاؤ۔ اور اگر وعظ و نصیحت کا اثر نہ ہو تو پھر اصلاح کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ سونا چھوڑ دو، اپنا بستر الگ کر دو۔ اگر ذرا بھی سمجھ ہوگی، فہم میں درستگی ہوگی تو اب باز آ جائیں گی (بستر الگ کرنے کی تفصیل آگے مستقل حدیث کے تحت آ رہی ہے)۔

اس حدیث میں بستر چھوڑنے کی تفصیل یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ بستر چھوڑنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم گھر سے باہر چلے جاؤ، بلکہ گھر کے اندر ہی رہو۔ البتہ احتجاج کے طور پر، تادیبی طور پر، اور ایک نفسیاتی مار کے طور پر کمرہ بدل دو، یا بستر بدل دو، اور اس سے علیحدگی اختیار کر لو۔

اصلاح کا تیسرا درجہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا: "لَا تَضْرِبُوْا اِمَاءَ اللّٰہِ" (مشکوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۸۲) عورتوں کو نہ مارو، تو اب مارنے کا سلسلہ بالکل بند ہو گیا۔ اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو ایسے نہیں تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کام کے بارے میں ممانعت سنیں، اور پھر بھی وہ کام جاری رکھیں۔ جب مارنے کا سلسلہ بالکل بند ہو گیا تو کچھ دنوں کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ:

﴿ذَئِرْنَ النِّسَاءُ عَلٰی اَزْوَاجِهِنَّ﴾ (مشکوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۸۲)

ترجمہ: "یا رسول اللہ! یہ عورتیں تو اب اپنے شوہروں پر شیر ہو گئیں۔"

اس لئے کہ آپ نے مارنے کی ممانعت کر دی۔ جس کے بعد اب کوئی شخص اپنی بیوی کو نہیں مارتا، بلکہ مار کے قریب جانے سے بھی ڈرتا ہے۔ اور اس نہ مارنے کے نتیجے میں عورتیں شیر ہو گئی ہیں، اور شوہروں کی حق تلفیاں کرنے لگیں ہیں اور ان کے ساتھ بدسلوکی کرنے لگی ہیں۔ اب آپ فرمائیں کہ ان حالات میں

ہم کیا کریں؟

﴿فرخص فی ضربھن﴾ (مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۲۸۲)

چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی کہ اگر عورتیں شوہروں کی حق تلفی کریں اور مارنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو تو انہیں مارنے کی بھی اجازت ہے۔ لیکن مار کیسی ہونی چاہیے اور کس قدر ہونی چاہیے اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا۔

﴿واضربوھن غیر مبرح﴾ (بخاری کتاب النکاح حدیث ۲)

یعنی اول تو مارنے کا مرحلہ نہیں آنا چاہیے اور اگر آ ہی جائے تو اس صورت کو صرف اس وقت استعمال کیا جائے جب اس کے علاوہ کوئی چارہ باقی نہ رہ جائے اور اس میں یہ قید لگا دی کہ وہ مار تکلیف دینے والی نہ ہو۔ ایسی مار ہو جس سے نشان نہ پڑے۔ اب اس اجازت دینے کے نتیجے میں یہ ہوا کہ ابھی کچھ ہی دن گزرے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بہت سی خواتین آنی شروع ہو گئیں اور آ کر عرض کرتیں کہ یا رسول اللہ! آپ نے شوہروں کو مارنے کی اجازت دے دی، جس سے لوگوں نے غلط فائدہ اٹھایا۔ اور ہمیں اس اس طرح مارا۔

یہ اچھے لوگ نہیں ہیں

﴿فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لقد طاف بآل محمد نساء کثیر یشکون ازواجھن لیس اولئک بخیارکم﴾

(مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۲۸۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نام لے کر فرمایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر میں بہت سی خواتین چکر لگاتی ہیں اور وہ اپنے شوہروں کی شکایت کرتی

ہیں کہ وہ ان کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں، ان کو بری طرح مارتے ہیں لہٰذا خوب اچھی طرح سن لو کہ جو لوگ یہ مار پیٹ کر رہے ہیں وہ تم میں اچھے لوگ نہیں ہیں، اور اچھے مؤمن اور مسلمان کا کام نہیں ہے کہ وہ مار پیٹ کرے۔ اس سارے مجموعے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات واضح فرمادی کہ اگرچہ ناگزیر حالات میں، جب کوئی اور چارہ نہ رہے اس وقت شریعت کی طرف سے اسکی اجازت ہے جس سے نشان نہ پڑے، اور بہت زیادہ تکلیف نہ ہو۔ لیکن اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کی اصل خواہش یہ ہے کہ کوئی مرد کسی عورت پر کبھی ہاتھ نہ اٹھائے۔ چنانچہ امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری عمر کبھی کسی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بدمزاج عورتوں کے لئے سفارش

مردوں کو غور کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے کس عمدہ انداز میں عورتوں کی سفارش کی ہے ارشاد ہے:

﴿فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾

(سورۃ النساء آیت ۱۹)

ترجمہ: ”شاید تم کو پسند نہ آوے ایک چیز اور اللہ نے رکھی ہو اس میں بہت خوبی۔“

اس آیت کی تفسیر میں مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

”اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گزران کیا کرو (یعنی خوش اخلاقی اور نان نفقہ کی خبر گیری)۔ اور اگر (بمقتضائے طبیعت) وہ تم کو ناپسند ہوں (مگر ان کی طرف سے کوئی امر ناپسندیدگی کا موجب واقع نہ ہو) تو (تم بمقتضائے عقل

یہ سمجھ کر برداشت کرو کہ) ممکن ہے کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت (دنیوی یا دینی) رکھ دے (مثلاً وہ تمہاری خدمت گار اور آرام رساں اور ہمدرد ہو، یہ دنیا کی منفعت ہے یا اس سے کوئی اولاد پیدا ہو کر بچپن میں مر جائے یا زندہ رہے اور صالح ہو جو ذخیرہ آخرت ہو جائے یا اقل درجہ ناپسند چیز پر صبر کرنے کا ثواب وفضیلت تو ضرور ہی ملے گی)۔"

(معارف القرآن جلد ۲ صفحہ ۳۳۹)

وضاحت: غور کیجیے! اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور بہ صیغۂ امر کہ "بیوی کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔" حسنِ معاشرت قائم رکھو! قید کسی خاص عمر، کسی خاص حالت کی نہیں، جوانی میں بھی اور بڑھاپے میں بھی۔ وہ حسین وجمیل ہو تو بھی، اور حسن و جمال ظاہری سے محروم ہو تو بھی۔ ڈھیروں مال لے آئے جب بھی اور خالی ہاتھ آئے جب بھی۔ اس کے رشتہ دار بااثر ہوں تب بھی، کمزور ہوں تب بھی وہ عزت رکھتی ہے، شوہر کی آمدنی پر حق رکھتی ہے، حیثیت و مرتبہ رکھتی ہے، "وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ" (سورۃ البقرہ آیت ۲۲۸) جیسے مرد کے حقوق عورت کے ذمہ ہیں، ویسے ہی عورت کے حقوق بھی مرد کے ذمہ ہیں۔ اور کیوں نہ ہوتے جب خلقت دونوں کی ایک رکھی گئی، اور خلقت و پیدائش کا گواہ کوئی دوسرا نہیں، خود خالق کائنات ہے۔

﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا﴾ (سورۃ النحل آیت: ۷۲)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے تمہاری بیویاں تم ہی میں سے پیدا کیں۔"

"تمہاری جنس سے پیدا کیں"، یعنی اس کی فطرت تمہاری فطرت، اس کی خلقت تمہاری خلقت ہے۔ تمہیں اگر سونے چاندی کی طلب ہے تو وہ بھی اس سونے چاندی سے بے نیاز نہیں رکھی گئی ہے۔ تم اگر اپنی راحت و آسائش کے بھوکے ہو تو اس کا جسم بھی خستگی اور تھکن کے اثرات کو قبول کرنے والا بنایا گیا

ہے۔ تمہیں اگر غصہ آتا ہے تو وہ بھی بے حس نہیں پیدا کی گئی ہے۔ تم اگر اپنی جاہ و عزت کے طالب ہو تو وہ بھی اپنی توہین و رسوائی سے خوش نہیں ہوسکتی۔ تم اگر حکومت چاہتے ہو تو وہ بھی غلامی کے لئے پیدا نہیں ہوئی۔

"الغرض بھوک پیاس، گرمی سردی، سختی نرمی، رنج اور خوشی کا احساس اس کو بھی ہوگا، چوٹ لگے گی تو اس کا جسم بھی دکھے گا، اس کے بھی دل کو تکلیف پہنچے گی تو غیرت وخودداری اس کی بھی تڑپ اٹھے گی۔ الغرض تمام انسانوں کی، مرد ہوں یا عورتیں اصل ایک ہی ہے۔ ایک جوڑے سے مردوں اور عورتوں کی ساری نسلیں چلی ہیں۔"

الفاظ اس قدر صاف اور واضح ہیں کہ نہ کسی تشریح کی حاجت نہ حاشیہ آرائی کی۔ بس اصل مقصود دو زندگیوں کو محبت و اخلاص سے شیریں بنا دینا ہے۔ جن لوگوں کی فطرت سلیم ہے، وہاں بحمد اللہ یہی کیفیت پائی جاتی ہے۔ میاں بیوی ایک دوسرے پر فریفتہ رہتے ہیں۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مرد کو اتنا سخت مزاج نہ ہونا چاہیے کہ عورت کی ذرا ذرا سی بدتمیزی پر غصہ کیا کرے۔ بیوی پر اتنا رعب نہ ہونا چاہیے کہ میاں بالکل ہی ہوا ہو جائے کہ ادھر میاں نے گھر میں قدم رکھا اور بیوی کا دم فنا ہوا۔ ہوش وحواس بھی جاتے رہے، بے چاری کے منہ سے بات نکلی یا کوئی چیز مانگی اور ڈانٹ ڈپٹ شروع ہوگئی۔

اس (بے چاری) نے تمہارے واسطے اپنی ماں کو چھوڑا، باپ کو چھوڑا، سارے کنبہ کو چھوڑا۔ اب اس کی نظر صرف تمہارے ہی اوپر ہے۔ جو کچھ ہے اس کے لئے شوہر کا دم ہے۔ اگر خاوند بھی عورت کا نہ ہوگا تو اس بے چاری کا کون ہوگا؟ بس انسانیت کی بات یہی ہے کہ ایسی وفادار کو کسی قسم کی تکلیف نہ دی جائے اور جو کچھ اس سے بدتمیزی یا بے ادبی ہو جائے اس کو ناز سمجھا جائے۔ کیونکہ یہ کم

عقل ہے، تمیز نہیں ہے، ان کو بات کرنے کا سلیقہ نہیں ہے، اس لئے گفتگو میں انداز ایسا ہو جاتا ہے جس سے مردوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ مگر اس کی حقیقت ناز ہے۔ آخر وہ تمہارے سوا کس پر ناز کرنے جائیں۔

عورتوں کی جہالت و بدتمیزی کا علاج

اگر عورتوں کی جہالت و بدتمیزی سے دل دکھتا ہے، تکلیف بہت ہوتی ہے تو اس کا علاج بھی تو ممکن ہے۔ ان کو دین کی کتابیں پڑھاؤ، پردے میں علماء اور بزرگوں کے بیانات سنواؤ، تبلیغی، تعلیمی سلسلے میں دیندار مستورات کے ماحول میں جوڑو، گھر میں ایک وقت متعین کر کے حدیث کی کوئی کتاب لے کر اس کو پڑھیں، اس میں بچے اور گھر کے تمام محرم افراد بیٹھا کریں۔ اس طرح کرنے سے انہیں سلیقہ اور تمیز بھی بقدر ضرورت آجاتی ہے۔ کیونکہ دین کی تعلیم سے اخلاق درست ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا خوف دل میں پیدا ہوتا ہے، شوہر کے حقوق کی اطلاع ہوتی ہے اور ادا کرنے کی صلاحیت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

عورت کو حتی الوسع تنگ نہ کیا جائے

شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو عورت کو راحت دو، اس کو پریشان مت کرو۔ نان نفقہ وسعت کے ساتھ دو، اس کی دلجوئی کرو۔ اگر بیوی کی واقعی غلطی ہو جب بھی اس کو معاف کرنا چاہئے۔ اس کی طرف سے ملنے والی ایذاؤں پر صبر کرنے سے درجے بلند ہوتے ہیں۔ اس کی بہت سی ایذاؤں پر صبر کرو اور حق تعالیٰ کے اجر کے وعدے پر نظر رکھو۔

مسلمان شوہروں کو بیویوں کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والے طرز عمل اور حسن معاشرت کے موافق عمل کرنا چاہئے اور خصوصاً دیندار شوہر پر تو لازم ہے کہ وہ بیوی کو بالکل تنگ نہ کرے، ورنہ وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے گی کہ میری

شادی کسی غیر دیندار سے ہوتی تو یہ ہر وقت کی دشمن دشمن تو نہ ہوتی۔ اس شوہر نے اپنی کوتاہی کی بنا پر ایک مسلمان کے دل میں دین سے بھی نفرت بٹھا دی۔

بیویوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک

اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے اس وقت نو ازواج مطہرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں تھیں۔ ازواج مطہرات آسمان سے نازل کئے ہوئے فرشتے نہیں تھیں، وہ اسی معاشرے کی افراد تھیں اور ان کے درمیان وہ باتیں بھی ہوا کرتی تھیں جو سوکنوں کے درمیان آپس میں ہوا کرتی ہیں اور وہ مسائل بھی کھڑے ہوتے تھے جو بعض اوقات شوہر اور بیوی میں کھڑے ہو جاتے ہیں، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ساری عمر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ کسی خاتون پر ہاتھ نہیں اٹھایا، بلکہ جب بھی گھر کے اندر داخل ہوتے تو چہرہ مبارک پر تبسم ہوتا تھا۔ (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۲۸ رقم ۱۸۳۲۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت

تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہی ہے کہ ان پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے۔ اور مارنے کی جو اجازت ہے، وہ ناگزیر حالات کے اندر ہے، ورنہ عام حالات میں تو مارنے کی اجازت بھی نہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی نہیں ہے۔ سنت وہ ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر تبسم ہوتا تھا۔

ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی کرامت

ہمارے ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہ، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین، ہمیں کبھی کبھی تعلیم کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ "آج میرے

نکاح کو پچپن سال ہو گئے ہیں، لیکن الحمد للہ کبھی اس پچپن سال کے عرصہ میں لہجہ بدل کر بات نہیں کی۔" میں کہا کرتا ہوں کہ لوگ پانی پر تیرنے اور ہوا میں اڑنے کو کرامت سمجھتے ہیں، اصل کرامت تو یہ ہے کہ پچپن سال بیوی کے ساتھ زندگی گزاری اور یہ تعلق ایسا ہوتا ہے کہ جس میں یقیناً ناگواریاں پیدا ہوتی ہیں، یہ بات ممکن نہیں کہ ناگواری نہ ہوتی ہو لیکن فرماتے ہیں کہ "میں نے لہجہ بدل کر بات نہیں کی۔" اور اس سے آگے بڑھ کر ان کی اہلیہ اور ہماری پیرانی صاحبہ فرماتی ہیں کہ ساری عمر مجھ سے کبھی یہ نہیں کہا کہ "مجھے پانی پلا دو" یعنی اپنی طرف سے کسی کام کا حکم نہیں دیا کہ یہ کام کر دو۔ میں خود اپنے شوق اور جذبے سے سعادت سمجھ کر ان کا خیال رکھتی اور ان کا کام کرتی تھی، لیکن انہوں نے ساری عمر زبان سے مجھے کسی چیز کا حکم نہیں دیا۔

طریقت بجز خدمت خلق نیست

حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ "میں نے تو اپنے آپ کو یہ سمجھ لیا ہے اور اسی پر اعتقاد رکھتا ہوں، اور اسی پر قائم رہنا چاہتا ہوں کہ میں تو خادم ہوں، مجھے تو اللہ تعالیٰ نے خدمت کے لئے دنیا میں بھیجا ہے۔ جتنے میرے اہل تعلقات ہیں، ان کی خدمت میرے ذمے ہے۔ میں مخدوم بنا کر نہیں بھیجا گیا کہ دوسرے لوگ میری خدمت کریں، بلکہ میں خادم ہوں۔ اپنی بیوی کا بھی خادم، اپنے بچوں کا خادم، اپنے مریدین کا بھی خادم اور اپنے متعلقین کا بھی خادم ہوں، اس لئے کہ بندے کے لئے خادمیت کا مقام اچھا ہے، اس لئے میں خادم ہوں۔"

طریقت بجز خدمت خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

طریقت درحقیقت خدمت خلق ہی کا نام ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ "جب میں نے یہ سمجھ لیا کہ میں خادم ہوں، مخدوم ہوں ہی نہیں، تو خادم دوسروں پر کیسے حکم چلائے کہ یہ کام کردو۔" ساری عمر اس طرح گزاری کہ جب ضرورت پیش آئی، خود کام کرتے، کسی سے نہیں کہتے۔ یہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع۔ ظاہری چیزوں میں تو ہم لوگ سنت کی اتباع کر لیتے ہیں، لیکن اخلاق میں، معاملات میں، معاشرت میں اور زندگی گزارنے کے طریقوں میں بھی سنت کی اتباع کرنی چاہیے۔

صرف دعویٰ کافی نہیں

اتباع سنت بڑی عجیب وغریب چیز ہے۔ یہ انسان کی دنیا بھی بناتی ہے اور آخرت بھی بناتی ہے، اور زندگی کو استوار کرتی ہے۔ اور یہ صرف دعویٰ کرنے سے حاصل نہیں ہوتی ؎

وَكُلٌّ يَدَّعِي حُبًّا بِلَيْلَى
وَلَيْلَى لَا تُقِرُّ لَهُمْ بِذَاكَ

ترجمہ: "یعنی لیلیٰ سے محبت کا دعویٰ تو ہر شخص کر رہا ہے، لیکن خود لیلیٰ ان کے اس دعوے کا اقرار نہیں کرتی ہے۔"

یہ صرف عمل سے حاصل ہوتی ہے کہ آدمی اپنے اخلاق میں، اپنے کردار میں اور اپنے عمل سے اس چیز کو اپنائے۔ کہ جس کے ساتھ ادنیٰ تعلق بھی ہوگیا، اس کو اپنی ذات سے ادنیٰ تکلیف بھی نہ پہنچائے۔

خلاصہ یہ کہ قرآن کریم نے بیوی کی اصلاح کا تیسرا درجہ جو بتایا ہے۔ اس کی تشریح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے اس طرح فرمائی ہے کہ ساری عمر میں کبھی بیوی پر ہاتھ نہیں اٹھایا، چاہے کتنی ناگواری کیوں نہ ہوگئی اور ان

لوگوں کو جو اپنی بیویوں پر ہاتھ اٹھاتے ہیں، برے لوگ اور بدترین لوگ قرار دیا۔

☆ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْاَحْوَصِ الْجُشَمِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ يَقُوْلُ بَعْدَ اَنْ حَمِدَ اللّٰهَ تَعَالٰى وَاَثْنٰى عَلَيْهِ وَذَكَّرَ وَوَعَظَ، ثُمَّ قَالَ: اَلَا وَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا، فَاِنَّمَا هُنَّ عَوَانٌ عِنْدَكُمْ، لَيْسَ تَمْلِكُوْنَ مِنْهُنَّ شَيْئًا غَيْرَ ذٰلِكَ، اِلَّا اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ.

الخ (ترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ التوبۃ، حدیث نمبر ۳۰۸۷)

اس حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری خطبے کا ایک اقتباس بیان کیا گیا ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری حج (حجۃ الوداع) کے موقع پر دیا تھا، اس خطبہ میں صراحتاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما دیا کہ شاید اس سال کے بعد میں تم کو یہاں نہ دیکھ سکوں۔ لہٰذا اس خطبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ باتیں چن چن کر ارشاد فرمائیں جن کے اندر امت کے پھسل جانے اور گمراہ ہونے کا اندیشہ تھا، تاکہ قیامت تک امت کے لئے ایک دستور العمل اور لائحہ عمل سامنے آجائے۔ اور امت کی گمراہی کے جتنے راستے ہیں، اس خطبہ میں ان راستوں کو بند کرنے کی کوشش فرمائی۔

خطبہ تو بہت طویل ہے، لیکن اس خطبہ کے مختلف حصے مختلف مقامات پر بیان ہوئے ہیں اور یہ بھی اسی خطبہ کا حصہ ہے۔ جس میں مرد و عورت کے باہمی حقوق کو بیان فرمایا گیا ہے۔ پھر خاص کر مردوں کو عورتوں کے حقوق پہچاننے اور ان کا خیال رکھنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اب آپ ان حقوق کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں یہ حقوق آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ حجۃ الوداع میں ایسے موقع پر ارشاد فرما رہے ہیں جب کہ یہ خیال بھی ہے کہ آئندہ اس طرح سب لوگوں کے سامنے بات کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ

وسلم نے دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے جن چیزوں کو بیان کرنے کے لئے منتخب فرمایا، اور جن باتوں کی اہمیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمائی کہ امت کو ہر حال میں ان باتوں کا خیال رکھنا چاہئے۔ ان میں مرد و عورت کے باہمی حقوق بھی شامل ہیں۔

میاں بیوی کے تعلقات کی اہمیت

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی زندگی میں شوہر اور بیوی کے تعلقات کو کتنی اہمیت حاصل ہے۔ اور خود صاحب شریعت یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کتنی اہمیت محسوس فرمائی ہے۔ کیونکہ اگر میاں بیوی آپس میں ایک دوسرے کے حقوق صحیح طور پر ادا نہ کریں اور باہم تو تو میں میں پر کمر باندھ لیں تو اس کے ذریعہ صرف ایک دوسرے کے حقوق ہی ضائع نہیں ہوتے، بلکہ بالآخر اس کا اثر دونوں کے خاندانوں پر پڑتا ہے اور بچوں پر اس کا اثر پڑتا ہے اور اس کی وجہ سے اولاد خراب ہوتی ہے اور چونکہ سارے تمدن کی بنیاد خاندان اور گھر پر ہے اس لئے اس کے نتیجے میں پورا تمدن بگڑ جاتا ہے۔ اسی واسطے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی اہمیت کے ساتھ اس کی تاکید فرمائی۔

چنانچہ حضرت عمرو بن الاحوص جشمی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ اس خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالی کی حمد وثنا بیان فرمائی اور وعظ و نصیحت فرمائی اور پھر فرمایا کہ "خوب سن لو، میں تمہیں عورتوں کے ساتھ بھلائی کی نصیحت کرتا ہوں، تم اس نصیحت کو قبول کرو۔ یہ وہی جملہ ہے جو پچھلی حدیث میں آیا تھا۔ اور اگلا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ "فانما هن عوان عندكم" اس لئے کہ وہ خواتین تمہارے پاس تمہارے گھروں میں مقید رہتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کا یہ ایک ایسا وصف بیان فرمایا کہ اگر مرد صرف اس وصف پر غور

کرے تو اس کو بھی ان کے ساتھ بدسلوکی کا خیال بھی نہ آئے۔

(ترمذی جلد ۱ صفحہ ۱۳۵)

ہمارے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک نادان اور غیر تعلیم یافتہ لڑکی سے سبق لو کہ صرف دو بول پڑھ کر جب ایک شوہر سے تعلق قائم ہو گیا، ایک نے کہہ کہ میں نے نکاح کیا، اور دوسرے نے کہا کہ میں نے قبول کر لیا، اس لڑکی نے اس دو بول کی ایسی لاج رکھی کہ ماں کو اس نے چھوڑا، باپ کو اس نے چھوڑا، بہن بھائیوں کو اس نے چھوڑا، اپنے خاندان کو چھوڑا، اور پورے کنبے کو چھوڑا، اور شوہر کی ہو گئی۔ اور اس کے پاس آ کر مقید ہو گئی تو اس دو بول کی اس نادان لڑکی نے اتنی لاج رکھی اور اتنی وفاداری کی۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک نادان لڑکی تو اس دو بول کا اتنا بھرم رکھتی ہے کہ سب کو چھوڑ کر ایک کی ہو گئی، لیکن تم سے یہ نہیں ہو سکا کہ تم یہ دو بول "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" پڑھ کر اس اللہ کے ہو جاؤ جس کے لئے یہ دو بول پڑھے تھے۔

عورت نے تمہارے لئے کتنی قربانیاں دی ہیں

تو اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ یہ دیکھو کہ اس نے تمہاری خاطر کتنی بڑی قربانی دی۔ اگر بالفرض معاملہ برعکس ہوتا اور تم سے یہ کہا جاتا کہ تمہاری شادی ہوگی، تمہیں اپنا خاندان چھوڑنا ہوگا، اپنے ماں باپ چھوڑنے ہوں گے، تو یہ تمہارے لئے کتنا مشکل کام ہوتا۔ ایک اجنبی ماحول، اجنبی گھر، اجنبی آدمی کے ساتھ زندگی بھر نباہ کے لئے وہ عورت مقید ہو گئی۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ کیا تم اس قربانی کا لحاظ نہیں کرو گے؟ اس قربانی کا لحاظ کرو، اور اس کے ساتھ اچھا معاملہ کرو۔

اس کے علاوہ تمہارا ان پر کوئی مطالبہ نہیں

اس کے بعد بڑا عجیب جملہ ارشاد فرمایا، جب بھی اس جملے کی تشریح کی نوبت آتی ہے تو مرد لوگ ناراض ہو جاتے ہیں۔ وہ جملہ یہ ہے کہ:

﴿لَيْسَ تَمْلِكُوْنَ مِنْهُنَّ شَيْئًا غَيْرَ ذٰلِكَ﴾

یعنی تمہیں ان پر صرف اتنا حق حاصل ہے کہ وہ تمہارے گھر میں رہے اس کے علاوہ شرعاً ان پر تمہارا کوئی مطالبہ نہیں۔

ساس، سسر کی خدمت واجب نہیں

ایک بات اور سمجھ لیجیے جس میں بڑی کوتاہی ہوتی ہے، وہ یہ کہ جب عورت کے ذمہ شوہر کا اور اس کی اولاد کا کھانا پکانا واجب نہیں، تو شوہر کے جو ماں باپ اور بہن بھائی ہیں، ان کے لئے کھانا پکانا اور ان کی خدمت کرنا بطریق اولیٰ واجب نہیں۔ ہمارے یہاں یہ دستور چل پڑا ہے کہ جب بیٹے کی شادی ہوئی تو اس بیٹے کے ماں باپ یہ سمجھتے ہیں کہ بہو پر بیٹے کا حق بعد میں ہے اور ہمارا حق پہلے ہے، لہٰذا یہ بہو ہماری خدمت ضرور کرے، چاہے بیٹے کی خدمت کرے یا نہ کرے اور پھر اس کے نتیجے میں ساس بہو، بھاوج اور نندوں کے جھگڑے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور ان جھگڑوں کے نتیجے میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔

ساس، سسر کی خدمت اس کی سعادت مندی ہے

خوب سمجھ لیجیے! اگر والدین کو خدمت کی ضرورت ہے تو لڑکے کے ذمے واجب ہے کہ وہ خود ان کی خدمت کرے۔ البتہ اس لڑکے کی بیوی کی سعادت

مندی ہے کہ وہ اپنے شوہر کے والدین کی خدمت بھی خوش دلی سے اپنی سعادت اور باعث اجر سمجھ کر انجام دے، لڑکے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی بیوی کو اپنے والدین کی خدمت کرنے پر مجبور کرے، جب کہ وہ خوش دلی سے ان کی خدمت پر راضی نہ ہو۔ اور نہ والدین کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی بہو کو اس بات پر مجبور کریں کہ وہ ہماری خدمت کرے۔ لیکن اگر وہ بہو خوش دلی سے اپنی سعادت مندی سمجھ کر اپنے شوہر کے والدین کی جتنی خدمت کرے گی، ان شاء اللہ اس کے اجر میں بہت اضافہ ہوگا۔ اس بہو کو ایسا کرنا بھی چاہئے تاکہ گھر کی فضا خوش گوار رہے۔

بہو کی خدمت کی قدر کریں

لیکن ساتھ ہی دوسری جانب ساس، سسر اور شوہر کو بھی یہ سمجھنا چاہئے کہ اگر یہ خدمت انجام دے رہی ہے تو یہ اس کا حسن سلوک ہے، اس کا حسن اخلاق ہے، اس کے ذمہ یہ خدمت فرض واجب نہیں ہے۔ لہٰذا ان کو چاہئے کہ وہ بہو کی اس خدمت کی قدر کریں، اور اس کا بدلہ دینے کی کوشش کریں۔ ان حقوق اور مسائل کو نہ سمجھنے کے نتیجے میں آج گھر کے گھر برباد ہو رہے ہیں۔ ساس بہو کی اور بھاوج اور نندوں کی لڑائیوں نے گھر کے گھر اجاڑ دیئے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہو رہا ہے کہ ان حقوق کی وہ حدود جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں، وہ ذہنوں میں موجود نہیں ہیں۔

ایک عجیب واقعہ

حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ نے ایک دن بڑا عجیب واقعہ سنایا کہ میرے متعلقین میں ایک صاحب تھے۔ وہ اور ان کی بیوی دونوں میری مجلس میں آیا کرتے تھے اور کچھ اصلاحی تعلق بھی قائم کیا ہوا تھا۔ دونوں نے ایک مرتبہ

اپنے گھر میری دعوت کی۔ چنانچہ میں ان کے گھر گیا، اور جا کر کھانا کھایا۔ اور کھانا بڑا لذیذ بنا ہوا تھا۔" ہمارے حضرت قدس اللہ سرہ کی ہمیشہ کی عادت تھی کہ جب کھانا کھاتے تو کھانے کے بعد کھانا بنانے والی خاتون کی تعریف کرتے کہ تم نے بہت اچھا کھانا پکایا، تاکہ اس کی حوصلہ افزائی ہو، اس کا دل بڑھے، چنانچہ جب حضرت والا کھانا کھا کر فارغ ہوئے تو وہ خاتون پردے کے پیچھے آگئیں اور آکر حضرت والا کو سلام کیا تو حضرت والا نے فرمایا! "تم نے بڑا لذیذ اور اچھا کھانا بنایا، کھانا کھانے میں بڑا مزہ آیا۔ حضرت والا فرماتے ہیں کہ "جب میں نے یہ جملہ کہا تو پردے کے پیچھے سے اس خاتون کی سسکیاں اور رونے کی آواز آئی۔ میں حیران ہو گیا کہ معلوم نہیں کہ میری کس بات سے ان کو تکلیف پہنچی اور ان کا دل ٹوٹا میں نے پوچھا کہ: کیا بات ہے؟ آپ کیوں رو رہی ہیں؟ ان خاتون نے اپنے رونے پر بمشکل قابو پاتے ہوئے یہ کہا کہ حضرت! آج مجھے اپنے شوہر کے ساتھ رہتے ہوئے چالیس سال ہو گئے ہیں لیکن اس پورے عرصے میں کبھی میں نے ان کی زبان سے یہ جملہ نہیں سنا کہ آج کھانا اچھا بنا ہے آج جب آپ کے منہ سے یہ جملہ سنا تو مجھے رونا آگیا۔

حضرت والا بکثرت یہ واقعہ سنا کر فرماتے تھے کہ وہ شخص یہ کام ہرگز نہیں کر سکتا جس کے دل میں یہ احساس ہو کہ یہ بیوی کھانا پکانے کی جو خدمت انجام دے رہی ہے، یہ اس کا حسن سلوک اور حسن معاملہ ہے جو وہ میرے ساتھ کر رہی ہے۔ لیکن جو شخص اپنی بیوی کو نوکر اور خادمہ سمجھتا ہو کہ یہ میری خادمہ ہے اس کو تو یہ کام ضرور انجام دینا ہے، کھانا پکانا اس کا فرض ہے، اگر کھانا اچھا پکا رہی ہے تو اس پر اس کی تعریف کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ایسا شخص کبھی اپنی بیوی کی تعریف نہیں کرے گا۔

شوہر اپنے ماں باپ کی خدمت خود کرے

ایک مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ والدین ضعیف ہیں یا بیمار ہیں، اور ان کو خدمت کی ضرورت ہے، گھر میں صرف بیٹا اور بہو ہے، اب کیا کیا جائے؟ اس صورت میں بھی شرعی مسئلہ یہ ہے کہ بہو کے ذمے واجب نہیں کہ وہ شوہر کے والدین کی خدمت کرے، البتہ اس کی سعادت اور خوش نصیبی ہے اور اجر وثواب کا موجب ہے، اگر خدمت کرے گی تو ان شاء اللہ تعالیٰ بڑا ثواب حاصل ہوگا۔ لیکن بیٹے کو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ کام میرا ہے، مجھے چاہئے کہ اپنے والدین کی خدمت کروں۔ اب چاہے وہ خدمت خود کرے یا کوئی نوکر اور خادم رکھے۔ لیکن اگر بیوی خدمت کر رہی ہے تو یہ اس کا حسن سلوک اور احسان سمجھنا چاہئے۔

عورت کو اجازت کے بغیر باہر جانا جائز نہیں

لیکن ایک قانون اس کے ساتھ اور بھی سن لیں، ورنہ معاملہ الٹا ہو جائے گا۔ اس لئے کہ لوگ جب یک طرفہ بات سن لیتے ہیں تو اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے تفصیل کے ساتھ عرض کیا کہ کھانا پکانا عورت کے ذمے شرعاً واجب نہیں۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ یہ تمہارے گھروں میں مقید رہتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری اجازت کے بغیر ان کے لئے کہیں جانا جائز نہیں۔ لہٰذا جس طرح فقہاء کرام نے کھانا پکانے کا مسئلہ تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، اس طرح فقہاء نے یہ قانون بھی لکھا ہے کہ اگر شوہر عورت سے یہ کہہ دے کہ تم گھر سے باہر نہیں جا سکتی اور اپنے عزیز و اقارب سے ملنے نہیں جاسکتیں، حتیٰ کہ اس کے والدین سے بھی ملنے کے لئے جانے سے منع کر دے تو عورت کے لئے ان سے ملاقات کے لئے گھر سے باہر جانا جائز نہیں۔ البتہ اگر والدین اپنی مرضی سے ملنے کے لئے اس کے گھر آ جائیں تو اب

شوہر ان والدین کو ملاقات کرنے سے نہیں روک سکتا، لیکن فقہاء نے اس کی حد مقرر کر دی ہے کہ اس کے والدین ہفتے میں ایک مرتبہ آئیں اور ملاقات کر کے چلے جائیں۔ یہ اس عورت کا حق ہے۔ شوہر اس سے نہیں روک سکتا۔ لیکن اجازت کے بغیر اس کے لئے جانا جائز نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے دونوں کے درمیان اس طرح توازن برابر کیا ہے کہ عورت کے ذمے قانونی اعتبار سے کھانا پکانا واجب نہیں اور دوسری طرف قانونی اعتبار سے اس کا گھر سے باہر نکلنا شوہر کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔

دونوں مل کر زندگی کی گاڑی کو چلائیں

یہ قانون کی بات تھی۔ لیکن حسن سلوک کی بات یہ ہے کہ وہ اس کی خوشی کا خیال رکھے اور یہ اس کی خوشی کا خیال رکھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اپنے درمیان یہ تقسیم کار فرما رکھی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر کے باہر کے تمام کام انجام دیتے تھے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا گھر کے اندر کے تمام کام انجام دیتی تھیں۔ یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور اسی پر عمل ہونا چاہئے۔ دونوں میاں بیوی قانون کی باریکیوں میں ہر وقت نہ پڑے رہیں، بلکہ شوہر بیوی کے ساتھ اور بیوی شوہر کے ساتھ خوش اسلوبی کا معاملہ کرے۔ اور یہ فطری تقسیم بھی ہے کہ گھر کے کام بیوی کے ذمے اور باہر کے کام شوہر کے ذمہ ہوں۔ اس طرح دونوں مل کر زندگی کی گاڑی کو چلائیں۔

اگر بے حیائی کا ارتکاب کریں تو؟

﴿إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ فَإِنْ فَعَلْنَ فَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ

سَبِيْلًا﴾

ہاں! اگر وہ عورتیں گھر میں کسی بے حیائی کا ارتکاب کریں تو وہ بے حیائی کسی قیمت پر بھی برداشت نہیں۔ اس صورت میں قرآن کریم کے بتائے ہوئے نسخے کے مطابق پہلے ان کو نصیحت کرو، اور اس کے بعد اگر وہ باز نہ آئیں تو ان کا بستر الگ کر دو، اور پھر بھی اگر باز نہ آئیں تو بوجہ مجبوری اس بے حیائی پر مارنے کی بھی اجازت ہے، بشرطیکہ وہ مار تکلیف دینے والی نہ ہو۔ اور اس کے بعد اگر وہ تمہاری اطاعت کر لیں اور باز آ جائیں تو اب اس کے بعد کوئی راستہ ان کے خلاف تلاش نہ کرو، یعنی ان کو مزید تکلیف پہنچانے کی گنجائش نہیں۔

﴿أَلَا وَحَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ أَنْ تُحْسِنُوْا إِلَيْهِنَّ فِيْ كِسْوَتِهِنَّ وَطَعَامِهِنَّ﴾

خبردار! ان عورتوں کا تم پر یہ حق ہے کہ تم ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرو، ان کے لباس میں اور ان کے کھانے میں اور ان کی دوسری ضروریات جو تمہارے ذمے واجب ہیں تم ان میں احسان سے کام لو، صرف یہ نہیں کہ انتہائی ناگزیر ضرورت پوری کر دی، بلکہ احسان، فراخدلی اور کشادگی سے کام لو، اور ان کے لباس اور کھانے پر خرچ کرو۔

بیوی کو جیب خرچ الگ دیا جائے

یہاں دو تین باتیں اس سلسلے میں عرض کرنی ہیں، جن پر حکیم الامت حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ نے اپنے مواعظ میں جا بجا زور دیا ہے اور عام طور پر ان باتوں کی طرف سے غفلت پائی جاتی ہے۔ پہلی بات جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی، وہ یہ کہ نفقہ صرف یہ نہیں ہے کہ بس! کھانے کا انتظام کر دیا، اور کپڑے کا انتظام کر دیا۔ بلکہ نفقہ کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ کھانے اور کپڑے

سے علاوہ بھی کچھ رقم بطور جیب خرچ کے بیوی کو دی جائے جس کو وہ آزادی کے ساتھ اپنی خواہش کے مطابق صرف کر سکے۔ بعض لوگ کھانے اور کپڑے کا تو انتظام کر دیتے ہیں، لیکن جیب خرچ کا اہتمام نہیں کرتے۔

حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ جیب خرچ دینا بھی ضروری ہے، اس لئے کہ انسان کی بہت سی ضروریات ایسی ہوتی ہیں جس کو بیان کرتے ہوئے بھی انسان شرماتا ہے، یا اس کو بیان کرتے ہوئے الجھن محسوس ہوتی ہے۔ اس لئے کچھ رقم بیوی کے پاس ایسی ضروریات کے لئے بھی ہونی چاہئے، تاکہ وہ دوسرے کی محتاج نہ ہو۔ یہ بھی نفقہ کا ایک حصہ ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ جو لوگ یہ جیب خرچ نہیں دیتے، وہ اچھا نہیں کرتے۔

خرچ میں فراخدلی سے کام لینا چاہیئے

دوسری بات یہ ہے کہ کھانے پینے میں اچھا سلوک کرو، یہ نہ ہو کہ صرف "قُوتٌ لا یَمُوْت" دے دی، یعنی کھانا دے دیا جس سے موت نہ آسکے۔ بلکہ احسان کرو، اور احسان کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی آمدنی کے معیار کے مطابق فراخی اور کشادگی کے ساتھ گھر کا خرچہ اس کو دے۔ بعض لوگوں کے دلوں میں یہ خلجان رہتا ہے کہ شریعت میں ایک طرف تو فضول خرچی اور اسراف کی ممانعت آتی ہے اور دوسری طرف یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ گھر کے خرچ میں تنگی مت کرو، بلکہ کشادگی سے کام لو۔ اب سوال یہ ہے کہ دونوں میں حد فاصل کیا ہے؟ کونسا خرچہ اسراف میں داخل ہے اور کونسا خرچہ اسراف میں داخل نہیں؟

رہائش جائز، آسائش جائز

اس خلجان کے جواب میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے گھر کے بارے میں فرمایا کہ ایک "گھر" وہ ہوتا ہے جو قابل رہائش ہو۔ مثلاً جھونپڑی ڈال دی، یا

چھپر ڈال دیا، اس میں بھی آدمی رہائش اختیار کر سکتا ہے۔ یہ تو پہلا درجہ ہے، جو بالکل جائز ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ رہائش بھی ہو اور ساتھ میں آسائش بھی ہو۔ مثلاً پختہ مکان ہے، جس میں انسان آرام کے ساتھ رہ سکتا ہے اور گھر میں آسائش کے لئے کوئی کام کیا جائے تو اس کی ممانعت نہیں ہے اور یہ بھی اس اسراف میں داخل نہیں۔ مثلاً ایک شخص ہے وہ جھونپڑی میں بھی زندگی بسر کر سکتا ہے اور دوسرا شخص جھونپڑی میں نہیں رہ سکتا، تو رہنے کے لئے پختہ مکان چاہئے۔ اور پھر اس مکان میں بھی اس کو پنکھا اور بجلی چاہئے۔ اب اگر وہ شخص اپنے گھر میں پنکھا اور بجلی اس لئے لگاتا ہے تاکہ اس کو آرام حاصل ہو تو یہ اسراف میں داخل نہیں۔

آرائش بھی جائز

تیسرا درجہ یہ ہے کہ مکان میں آسائش کے ساتھ آرائش بھی ہو۔ مثلاً ایک شخص کا پختہ مکان بنا ہوا ہے، پلاستر کیا ہوا ہے، بجلی بھی ہے، پنکھا بھی ہے۔ لیکن اس مکان پر رنگ نہیں کیا ہوا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ رہائش تو ایسے مکان میں بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن رنگ و روغن کے بغیر آرائش نہیں ہو سکتی۔ اب اگر کوئی شخص آرائش کے حصول کے لئے مکان پر رنگ و روغن کرے تو شرعاً وہ بھی جائز ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ رہائش جائز، آسائش جائز، اور آرائش کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی انسان اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے کوئی کام کر لے، تاکہ دیکھنے میں اچھا معلوم ہو، دیکھ کر دل خوش ہو جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، شرعاً یہ بھی جائز ہے۔

نمائش جائز نہیں

اس کے بعد چوتھا درجہ ہے "نمائش" کا۔ اب جو کام کر رہا ہے اس سے نہ تو

آرام مقصود ہے، نہ آرائش مقصود ہے۔ بلکہ اس کام کا مقصد صرف یہ ہے کہ لوگ مجھے بڑا دولت مند سمجھیں اور لوگ یہ سمجھیں کہ اس کے پاس بہت پیسہ ہے اور تاکہ اس کے ذریعہ دوسروں پر اپنی فوقیت جتاؤں اور اپنے آپ کو بلند ظاہر کروں، یہ سب "نمائش" کے اندر داخل ہے اور یہ شرعاً ناجائز ہے اور اسراف میں داخل ہے۔

فضول خرچی کی حد

یہی چار درجات لباس اور کھانے میں بھی ہیں، بلکہ ہر چیز میں ہیں۔ ایک شخص اچھا اور قیمتی کپڑا اس لئے پہنتا ہے تاکہ مجھے آرام ملے اور تاکہ مجھے اچھا لگے اور میرے گھر والوں کو اچھا لگے اور میرے ملنے جلنے والے اس کو دیکھ کر خوش ہوں، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص اچھا اور قیمتی لباس اس نیت سے پہنتا ہے، تاکہ مجھے دولت مند سمجھا جائے، مجھے بہت پیسے والا سمجھا جائے اور میرا بڑا مقام سمجھا جائے، تو یہ نمائش ہے اور ممنوع ہے۔ اس لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسراف کے بارے میں ایک واضح حد فاصل کھینچ دی کہ اگر ضرورت پوری کرنے کے لئے کوئی خرچ کیا جا رہا ہے۔ یا آسائش کے حصول کے لئے یا اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے آرائش کی خاطر کوئی خرچہ کیا جا رہا ہے، وہ اسراف میں داخل نہیں۔

یہ اسراف میں داخل نہیں

میں ایک مرتبہ کسی دوسرے شہر میں تھا، واپس کراچی آ رہا تھا۔ گرمی کا موسم تھا۔ میں نے ایک صاحب سے کہا کہ ایئر کنڈیشن کوچ میں میرا ٹکٹ بک کرا دو، اور میں نے ان کو پیسے دے دیے۔ ایک دوسرے صاحب پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے فوراً کہا کہ صاحب! یہ تو آپ اسراف کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ

ایئرکنڈیشن کوچ میں سفر کرنا تو اسراف میں داخل ہے۔ بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اگر اوپر کے درجے میں سفر کر لیا تو یہ اسراف میں داخل ہے۔ خوب سمجھ لیجئے، اگر اوپر کے درجے میں سفر کرنے کا مقصد راحت حاصل کرنا ہے، مثلاً گرمی کا موسم ہے، گرمی برداشت نہیں، اللہ تعالیٰ نے پیسے دیئے ہیں، تو پھر اس درجے میں سفر کرنا کوئی گناہ اور اسراف نہیں ہے۔ لیکن اگر اوپر کے درجے میں سفر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب میں ایئرکنڈیشن کوچ میں سفر کروں گا تو لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ بڑا دولت مند آدمی ہے، تو پھر وہ اسراف اور ناجائز ہے اور نمائش میں داخل ہے، یہی تفصیل کپڑے اور کھانے میں بھی ہے۔

آمدنی کے مطابق کشادگی ہونی چاہیئے

دوسرے یہ کہ ہر آدمی کی ضرورت اس کے حالات کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے، لہٰذا کشادگی کا معیار بھی ہر انسان کا الگ ہے۔ اب جو شخص کم آمدنی والا ہے، اس کی کشادگی کا معیار اور ہے۔ اور جو متوسط آمدنی والا ہے، اس کا معیار اور ہے، اور جو زیادہ آمدنی والا ہے، اس کی کشادگی کا معیار اور ہے۔ اس لئے ہر شخص کی آمدنی کے اعتبار سے کشادگی ہونی چاہیئے۔ یہ نہ ہو کہ شوہر بے چارے کی آمدنی تو کم ہے۔ اور ادھر بیوی صاحبہ نے دولت مند قسم کے لوگوں کے گھر میں جو چیزیں دیکھیں، ان کی نقل اتارنے کی فکر لگ گئی، اور شوہر سے اس کی فرمائش ہونے لگی۔ اس قسم کی فرمائشوں کا تو کوئی جواز نہیں۔ لیکن شوہر کو چاہیئے کہ اپنی آمدنی کو مدنظر رکھتے ہوئے کشادگی سے کام لے اور اپنی بیوی کے حق میں بخل اور کنجوسی سے کام نہ لے۔

چار ماہ سے زیادہ سفر میں بیوی کی اجازت

اس حدیث کے تحت فقہاء کرام نے یہاں تک لکھا ہے کہ مرد کے لئے چار

مہینے سے زیادہ گھر سے باہر رہنا بیوی کی اجازت اور اس کی خوشی دلی کے بغیر جائز نہیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تمام قلم رو میں یہ حکم جاری فرما دیا کہ جو مجاہدین گھر سے باہر رہتے ہیں، وہ چار ماہ سے زیادہ گھر سے باہر نہ رہیں، اور اسی وجہ سے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کو چار ماہ سے کم کا سفر درپیش ہو تو اس کے لئے بیوی کی اجازت کی ضرورت نہیں، لیکن اگر چار ماہ سے زیادہ کا سفر درپیش ہو تو اس کے لئے بیوی سے اجازت لینی ضروری ہے۔ چاہے وہ سفر کتنا ہی بابرکت کیوں نہ ہو، حتیٰ کہ اگر حج کا سفر ہو تو اس میں بھی اگر وہ چار ماہ کے اندر واپس آ سکتا ہے، تو پھر اجازت کی ضرورت نہیں، اگر نفلی طور پر وہاں زیادہ قیام کا ارادہ ہے تو پھر اجازت لینی ضروری ہے۔ یہی حکم تبلیغ، دعوت اور جہاد کے سفر کا ہے۔

لہٰذا جب ان مبارک سفروں میں بیوی کی اجازت ضروری ہے تو پھر جو لوگ ملازمت کے لئے پیسہ کمانے کے لئے لمبے سفر کرتے ہیں، ان میں تو بطریق اولیٰ بیوی کی اجازت ضروری ہے۔ اگر بیوی کی اجازت کے بغیر جائیں گے تو یہ بیوی کی حق تلفی ہوگی اور شرعاً ناجائز ہوگا اور گناہ ہوگا۔

(اصلاحی خطبات از مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم جلد ۳ صفحہ ۳۳ تا ۷۱)

اب ہم اسی مضمون میں آپ کے مسائل اور ان کا حل سے اس بارے میں ایک مسئلہ نقل کر دیتے ہیں۔

گھر سے دور رہنے کی مدت

سوال: ہم یہاں (دیارِ غیر میں) ایک سال کے عرصہ سے ہیں، لیکن اسلام ہمیں بیوی سے دور رہنے کی کتنی مدت تک اجازت دیتا ہے؟

جواب: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجاہدین کے لئے یہ حکم نافذ فرمایا تھا

کہ وہ چار مہینے سے زیادہ اپنے گھروں سے غیر حاضر نہ رہیں۔ جو لوگ کمائی کرنے کے لئے باہر ملکوں میں چلے جاتے ہیں اور جوان بیویاں چھوڑ جاتے ہیں، وہ بڑی بے انصافی کرتے ہیں۔ اور پھر بعض ستم بالائے ستم یہ کرتے ہیں کہ اپنی بیویوں کو حکم دے جاتے ہیں کہ ان کے والدین کی اور بھائی بہنوں کی "خدمت" کرتی رہیں۔ وہ بے چاریاں دہرے عذاب میں مبتلا رہتی ہیں۔ شوہر کی جدائی اور اس کے گھر والوں کا توہین آمیز رویہ۔ اور بعض یہ ظلم بھی کرتے ہیں کہ باہر ملک جا کر وہاں ایک اور شادی رچا لیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ بسا اوقات "خانہ بربادی" نکلتا ہے اور بعض اوقات "غلط روی"۔ ... اگر اس بے زبان کو یونہی ادھر لٹکانا تھا تو اس کو قید نکاح میں لانے کی کیا ضرورت تھی؟

("آپ کے مسائل اور ان کا حل" جلد ۵ صفحہ ۱۸۸ از مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ)

بہتر لوگ کون ہیں؟

﴿وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اکمل المؤمنین ایمانا احسنھم خلقا، وخیارکم خیارکم لاھلہ﴾

(ترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی حق المرأۃ علی زوجھا، حدیث نمبر ۱۱۶۲)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمام مومنوں میں ایمان کے اعتبار سے سب سے زیادہ کامل وہ شخص ہے جو اخلاق کے اعتبار سے ان میں سب سے اچھا ہو۔"

جو شخص جتنا زیادہ خوش اخلاق ہوگا، وہ اتنا ہی کامل ایمان والا ہوگا۔ اس سے کامل ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان دوسروں کے ساتھ حسن اخلاق کا معاملہ

کرے۔

''اور تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں اور اپنی عورتوں کے لئے بہتر ہوں، ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والے ہوں۔''

آج کے دور میں ''خوش اخلاق''

آج کل ہر چیز کے معنی بدل گئے، ہر چیز کا مفہوم الٹ گیا۔ ہمارے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ''پہلے زمانے کے مقابلے میں اب اس دور میں ہر چیز الٹی ہو گئی۔ یہاں تک کہ پہلے چراغ تلے اندھیرا ہوتا تھا، اور اب بلب کے ''اوپر'' اندھیرا ہوتا ہے۔ پھر فرماتے کہ آج کل ہر چیز کی قدریں بدل گئیں، ہر چیز کا مفہوم الٹ ہو گیا۔ حتیٰ کہ اخلاق کا مفہوم بھی بدل گیا۔ آج صرف چند ظاہری حرکات کا نام اخلاق ہے۔ مثلاً مسکرا کر مل لئے، اور ملاقات کے وقت رسمی الفاظ زبان سے ادا کر دیئے، مثلاً یہ کہہ دیا کہ ''آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی'' وغیرہ۔ اب زبان سے تو یہ الفاظ ادا کر رہے ہیں، لیکن دل کے اندر عداوت اور حسد کی آگ سلگ رہی ہے، دل کے اندر نفرت کروٹیں لے رہی ہے۔ بس! آج اسی کا نام خوش اخلاقی ہے۔ اور آج باقاعدہ یہ ایک فن بن گیا ہے کہ دوسروں کے ساتھ کس طرح پیش آیا جائے تاکہ دوسرے لوگ ہمارے گرویدہ ہو جائیں، اور باقاعدہ اس پر کتابیں لکھی جا رہی ہیں کہ دوسرے کو گرویدہ بنانے کے لئے اور دوسرے کو متاثر کرنے کے لئے کیا طریقے اختیار کئے جائیں۔ لہٰذا سارا زور اس پر صرف ہو رہا ہے کہ دوسرا گرویدہ ہو جائے، دوسرا ہم سے متاثر ہو جائے اور ہم کو اچھا سمجھنے لگے۔ آج اسی کا نام ''اخلاق'' رکھا جاتا ہے۔

خوب سمجھ لیجئے! اس کا اس اخلاق سے کوئی تعلق نہیں جس کا ذکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں۔ یہ اخلاق نہیں، بلکہ ریاکاری اور دکھاوا ہے، یہ

نمائش ہے حب جاہ اور حب شہرت ہے، جو بذات خود بیماری اور بداخلاقی ہے۔ حسن اخلاق سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

''حسن اخلاق'' دل کی کیفیت کا نام ہے

حقیقت یہ ہے کہ ''اخلاق'' دل کی ایک کیفیت کا نام ہے جس کا مظاہرہ اعضاء و جوارح سے ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ دل میں ساری مخلوق خدا کی خیر خواہی اور ان سے محبت ہو، خواہ وہ دشمن اور کافر ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ سوچ کر کہ یہ میرے مالک کی مخلوق ہے، لہٰذا مجھے ان سے محبت رکھنی چاہئے، ان کے ساتھ مجھے اچھا سلوک کرنا چاہئے، اولاً دل میں یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے اور پھر اس جذبے کے تحت اعمال صادر ہوتے ہیں۔ جو اس خیر خواہی پر مبنی ہوتے ہیں اب اس جذبے کے بعد چہرے پر جو مسکراہٹ اور تبسم آتا ہے وہ بناوٹی نہیں ہوتا اور وہ دوسروں کو اپنا گرویدہ کرنے کے لئے نہیں ہوتا، بلکہ وہ اپنی دلی خواہش اور دلی جذبے کا ایک لازمی اور منطقی تقاضہ ہوتا ہے۔ لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ اخلاق میں اور آج کے اخلاق میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اخلاق پیدا کرنے کا طریقہ

اور آج اخلاق کو حاصل کرنے کے لئے محض کتاب پڑھ لینا کافی نہیں ہے۔ نہ محض وعظ سن لینا کافی ہوتا ہے۔ اس کے لئے کسی مربی اور کسی مصلح کی صحبت میں رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تصوف اور پیری مریدی کا جو سلسلہ بزرگوں سے چلا آرہا ہے اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ انسان کے اندر اخلاق فاضلہ پیدا ہوں اور برے اخلاق دور ہوں۔ بہرحال ایمان میں کامل ترین افراد وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہوں، جن کے دل میں صحیح داعیے پیدا ہوتے ہوں اور ان کا اظہار ان کے اعمال و افعال سے ہوتا ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو ان کاملین میں

داخل فرما دیں۔ آمین! (اصلاحی خطبات جلد ۲، صفحہ ۲۰ تا ۴۳، از مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب)

دولہا کے والد اور والدہ کو نصیحت

ہر مسلمان کو چاہیے کہ تمام پریشانیوں اور بے چینی کے وقت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہو اور ضروری ہے کہ ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کا کیا حکم ہے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملے میں کیا مبارک طریقہ اختیار فرمایا ہے، معلوم کرنے کے سلسلے میں اکابر علماء ربانی سے رابطہ رکھے اور جب شریعت میں اس کا حکم معلوم ہو جائے پھر معاشرہ کی مجبوری یا اپنی عقل استعمال کرنا کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

"عقل سے اللہ کو پہچانا، یہ جملہ تو صحیح ہے، لیکن یہ کہنا کہ ہم احکام الٰہیہ بھی عقل سے پہچانیں یہ صحیح نہیں۔"

لہٰذا ہم آپ کی توجہ ایک نہایت اہم امر کی طرف دلانا چاہتے ہیں (اللہ تعالیٰ صحیح سمجھانے کی اور آپ کو صحیح سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین)، وہ یہ کہ شادی کے بعد "بیٹے اور بہو کا بیٹے کے والدین سے الگ رہنا" ہمارے معاشرے میں بہت ہی برا سمجھا جاتا ہے۔ اکثر والدین ہی تیار نہیں ہوتے اور بیٹا بھی تیار نہیں ہوتا کہ اس میں وہ والدین کی حق تلفی سمجھتا ہے۔ اور اگر وہ تیار ہو جائے تو معاشرہ اسے برا بھلا کہتا ہے۔

گویا ان دونوں نے (یعنی بیٹے اور بہو نے) الگ رہ کر بہت بڑا گناہ کر لیا۔ آپ نے غور کیا ہوگا کہ بہت سے گناہ ایسے ہیں جن کو آج معاشرے میں کوئی برا نہیں سمجھتا، لہٰذا لوگ ان کا کھلم کھلا ارتکاب کرتے ہیں۔ کیونکہ اس کی برائی دل سے نکل گئی۔ اسی طرح بہت سے ایسے کام جن کو شریعت نے جائز قرار دیا ہے،

لیکن چوں کہ معاشرہ میں انہیں برا سمجھا جاتا ہے لہٰذا اگر کوئی اس جائز کام کو کرتا ہے تو لوگ اسے برا کہتے ہیں اور تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔

اگر آپ ٹھنڈے دل سے غور کریں تو آپ اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ (ساس بہو، دیورانی، جیٹھانی وغیرہ کے ساتھ رہنے کو لازم سمجھنا اور الگ الگ رہنے کو برا سمجھنا) اس قسم کے خیالات بالکل لغو اور بے کار ہیں۔ بلکہ ہم تو یہ عرض کرتے ہیں کہ اس قسم کے بے ہودہ نظریات تو ہندوؤں کے ساتھ برسہا برس رہنے کی وجہ سے ہمارے ذہنوں میں پیدا ہو گئے ہیں۔ اسی سلسلے میں مولانا شہاب الدین ندوی صاحب لکھتے ہیں:

"ہندو قانون و دستور کے مطابق مسلمانوں میں بھی (مشترکہ خاندان) کا تصور سرایت کر گیا ہے۔ حالانکہ بیوی کو اگر سسرالی رشتہ داروں کے ساتھ رہنے میں اعتراض ہو تو شرعی اعتبار سے شوہر پر لازم ہے کہ وہ اس کو الگ رکھنے کا انتظام کرے۔"

محترم قارئین! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے (یعنی بیٹا اپنی بیوی کے ساتھ، اپنے والدین سے الگ رہے) منع نہیں فرمایا، بلکہ اجازت دی ہے۔ درحقیقت شریعت میں اس بات کو پسند کیا گیا ہے کہ اس بات کی کوشش کی جائے کہ ساس بہو کے لڑائی جھگڑے نہ ہوں، میاں بیوی میں محبت و الفت اور اعتماد کی فضا ہو۔

اور تجربہ شاہد ہے کہ جہاں شوہر صاحب کی ماں بہنیں، بھابھیاں وغیرہ اس کی بیوی کے ساتھ رہتے ہوں، وہاں روز بروز لڑائی جھگڑے ہوتے ہی رہتے ہیں اور میاں بیوی کے لئے اکثر مواقع پر بے چینی کی صورتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں اور انہیں حقیقی سکون نصیب نہیں ہوتا۔

اس لئے والدین کو چاہیے کہ وہ بیٹے اور بہو کے الگ رہنے میں رکاوٹ نہ

نہیں، بلکہ جس کو شریعت نے پسند کیا ہے اس پر عمل کریں اور پہلے ہی دن سے اگر بیٹا بہو آپ سے الگ رہنا چاہیں۔ تو دل کی خوشی کے ساتھ ان کو الگ رہنے دیں، چاہے کرائے کے مکان ہی میں رہیں۔ بلکہ اگر وہ نہ چاہیں تب بھی ان کو الگ رہنے کی ترغیب دیں۔ ہمیں دارالافتاء میں خدمت کے دوران لوگوں کے احوال سامنے آنے سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوا ہے کہ زوجین (میاں بیوی) بلکہ ان دونوں کے خاندان والوں کے لئے بھی ہر حال میں بہتر یہی ہے کہ بیٹا اپنی بیوی کے ساتھ اپنے ماں باپ اور بہنوں سے الگ رہے۔ اس میں دنیا و آخرت کے بے شمار فائدے ہیں۔ یہی بیٹے پر رحم ہے اور بہو پر مہربانی بھی۔ یہاں ہم اسی موقع پر حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے چند ارشادات نقل کرتے ہیں۔

(الف) حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ "میری رائے یہ ہے کہ نکاح کے بعد اولاد کی اور ماں باپ کی معاشرت الگ الگ ہونی چاہیئے۔ یہی مناسب ہے۔" (وعظ حقوق البیت صفحہ ۱۷، تحفہ زوجین صفحہ ۱۸)

(ب) ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں اگر والدین الگ رہنے سے منع کریں اور بیوی کہے کہ مجھے علیحدہ رہنا ہے، تو بیوی کی بات مانی جائے گی۔ کیونکہ حدیث میں آتا ہے "لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ" (مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۳۲۱) اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری میں مخلوق کی بات نہیں مانی جائے گی، (چاہے وہ والدین ہی کیوں نہ ہوں)۔ اور بیوی کو علیحدہ مکان دینا اس کے مطالبہ کے وقت واجب ہے اور واجب کا ترک کرنا معصیت (گناہ) ہے۔ لہٰذا اگر والدین اس معصیت (ترک واجب) کا حکم دیں تو ان کی بات نہیں مانی جائے گی۔ (تحفہ زوجین صفحہ ۳۰)

(ج) ایک جگہ فرماتے ہیں کہ "اس زمانہ میں مناسب یہی ہے کہ نکاح ہوتے ہی

جوان اولاد ماں باپ سے الگ رہے۔ اس میں جانبین کو راحت ہوتی ہے۔"

(ملفوظات حکیم الامت جلد ۱۴ صفحہ ۲۰۸، حسن العزیز جلد ۲ صفحہ ۳۵۹)

(و) ایک شخص حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تعویذ لینے آیا کہ اس کی بہو اس کی اطاعت نہیں کرتی۔ فرمایا، اس کا تعویذ یہی ہے کہ اس کو اور اس کے شوہر کو الگ مکان میں رکھ دو، یعنی اپنے سے جدا کر دو یہ نہایت درجہ مطیعہ ہو جائے گی۔

(تحفہ زوجین صفحہ ۱۸)

اور تجربہ ہے کہ اپنے شوہر کے ساتھ رہ کر فاقہ کشی (چٹنی روٹی) ساس و سسر کے گھر کی مرغ بریانی سے زیادہ مرغوب ہوتی ہے۔

(ح) فرمایا، بعض لوگ بدنامی کے خوف سے اپنے والدین سے جدا نہیں ہوتے۔ انہیں میں شامل ہو کر ہمیشہ تکلیف اٹھاتے ہیں۔ تو راحت اور نیک نامی ایک جگہ تو جمع ہو نہیں سکتے، لیکن راحت نیک نامی سے زیادہ ضروری ہے۔ لہٰذا اس زمانہ میں نکاح کے بعد یہ چاہئے کہ علیحدہ رہے اور جو کچھ بھی ہو سکے اپنی کمائی سے والدین کی بھی خدمت کرتا رہے۔

بیٹے اور بہو کو الگ نہ رہنے دینا ظلم ہے

ایک جگہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "ایک ظلم بہو پر اور بھی ہوتا ہے، جس میں دینداری کے مدعی (دم بھرنے والے) بکثرت مبتلا ہیں۔ وہ یہ کہ بہو اپنے شوہر کے ساتھ الگ رہنا چاہے تو الگ نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ گھر کی ہوا (برکت) نکل جائے گی۔ پرانی بوڑھیوں کے زیادہ تر ایسے ہی خیالات ہوتے ہیں۔ یاد رکھو! حق تعالیٰ کی معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں۔ ایک ہانڈی میں پکنے کی وجہ سے برکت تو ضرور آئے گی، لیکن لڑائی جھگڑے کی وجہ سے جو گھروں میں نفرت، حسد، بغض، غیبت کا دروازہ کھل جاتا ہے، وہ پورے گھر کو اللہ کی رحمت

اس نئی دلہن نے یوں کیا ۔

مجھ کو فلاں طعنہ دیا ۔

اپنے گھر والوں کو یوں نئی سیدھی خبریں پہنچائی۔۔۔

میری بیٹی کے ساتھ ایسا سلوک کیا۔۔۔ وغیرہ وغیرہ ۔ تو آپ بیوی صاحبہ کی باتیں سن کر خود بھی پریشان ہو جائیں گے۔

لہٰذا آپ کی پریشانیوں کو ختم کرنے کا بہترین حل یہ ہے کہ شادی کی پہلی رات ہی سے بیٹا بہو کو خود سے الگ رکھیں۔ اس لئے کہ ہزاروں ایسے ماں باپ جنہوں نے بہو بیٹے کو اپنے ساتھ رکھا، دیورانی جیٹھانی جیسی مختلف مزاجوں اور بدگمانیوں سے پر ہستیوں کو ایک ساتھ خدمت کی غرض سے یا پیسہ بچانے کی غرض سے رکھا، تو وہ خدمت تو ہوئی نہیں، بلکہ زحمت بڑھ گئی، اور ایک پریشانی سے بچنے کے لئے سیکڑوں پریشانی اٹھانی پڑیں۔ ساس، سسر بہو کے ہاتھ کی روٹیاں تو کیا کھاتے، خود بھی پریشان ہوئے اور پورے خاندان کو پریشان کیا۔

دوسرا جواب سمجھنے والوں کے لئے یہ ہے کہ اسلامی شریعت نے بہو کے لئے ساس، سسر کی خدمت کو حسنِ سلوک تو کہا ہے، لیکن واجب یا فرض قرار نہیں دیا۔ اور دیور اور جیٹھ وغیرہ کی خدمت تو بالکل ہی غیر مناسب ہے، کیوں کہ اس میں اکثر بے پردگی کا احتمال ہوتا ہے۔ اور جب یہ سب بہو کے فرائض میں داخل ہی نہیں اور آپ اسی نظریہ سے اس سے زبردستی خدمت لیں گے، تو یہ فتنے اور فساد کی بنیاد ہے اور یہی ظلم کی ابتداء ہے۔

یاد رکھیے! آپ کے بیٹے کی شادی کے نتیجے میں جو بہو آئی ہے وہ اپنے شوہر کے لئے ہے۔ بہت ہی معذرت کے ساتھ ہم کہیں گے کہ وہ کنیز، باندی یا نوکرانی بن کر نہیں آئی۔

کسی باپ نے اپنی لختِ جگر کو آپ کے بیٹے کے حوالے اس لئے کیا ہے کہ

وہ نیا گھر بسائے، خوشیاں دیکھے، اپنی گود پھول جیسے بچوں سے بھرے۔ ورنہ جو خدمت آپ بہو سے لینا چاہتے ہیں اس کے زیادہ مستحق تو خود اس بہو کے بوڑھے والدین ہیں۔

آپ خود ہی ذرا غور کیجئے! ...... کئی شوہروں نے ہمیں بتلایا کہ جس رات میری شادی ہوئی صرف اسی رات میں نے اپنی بیوی کے ساتھ کھانا کھایا اور اس صبح کا ناشتہ ہم نے ساتھ کیا۔ اس کے بعد سے بیوی ہمیشہ میری والدہ، بہنوں اور بھابھیوں کے ساتھ کھاتی ہے اور میں ہمیشہ والد صاحب اور بھائیوں کے ساتھ کھاتا ہوں۔

اب آپ خود ہی انصاف کیجئے کہ جن میاں بیوی کا یہ حال ہوگا، وہ ایک زندگی تو ضرور گزار رہے ہیں، لیکن یہ کوئی بامقصد زندگی نہیں۔ یہ ایسی زندگی ہے جس میں باہمی پیار و محبت، ہمدردی اور خوش اخلاقی، ہم آہنگی نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔

اسی طرح اچھے بھلے نوجوانوں میں ذہنی اور نفسیاتی بیماریوں کا سبب اعظم یہ بنا کہ ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی ان کی زندگیاں اپنی بیویوں سے دور رہ کر گزریں اور میاں بیوی نہ تو ایک دوسرے کا مزاج معلوم کر سکے اور نہ ہی آپس میں مکمل تعارف ہو سکا، جس کی وجہ سے دونوں کو حقیقی سکون مل سکے۔ وجہ یہ ہوئی کہ شادی کے چند دنوں بعد ہی سے صبح اٹھتے ہی بیوی صاحبہ کو باورچی خانے میں حاضری دینا پڑی۔ اگر ذرا سی بھی دیر ہو جائے تو جیٹھانی صاحبہ یا دیورانی صاحبہ بڑبڑاتی ہوئی اپنے اپنے شوہروں کو، اور ساس کو، اور نندیں بھائی کو، ساس صاحبہ سسر صاحب کو شکایتیں لگانے میں ذرا دیر نہیں کرتیں کہ۔

"ہائے بہو کو تو دیکھو، سورج چڑھ آیا اور ان کو سونے سے فرصت ہی نہیں۔ بچی (یعنی نند) کی اسکول کی وین آگئی اور ابھی تک اس کے کپڑے استری بھی نہیں

ہو گئے۔"

بعض شوہروں نے یہ بھی بتایا کہ جب صبح دکان یا ملازمت پر جاتے ہیں تو بیوی باورچی خانہ میں ہوتی ہے اور جب رات کو گھر آتے ہیں تو وہ تھکی ہاری، سسرال کی ماری سو چکی ہوتی ہے۔ یہ کوئی زندگی ہے، صبح فجر کے بعد ناشتوں سے جو دن کی ابتداء ہوئی تو رات گیارہ بجے تک لنگر جاری ہے فرض نمازوں کے اوقات کا اہتمام نہ چاشت اور اشراق کی فکر، نہ محلہ کی عورتوں کو دین پر لانے کا غم، نہ تعلیم میں حاضری نہ تسبیحات کا وقت۔

اب آپ ہی بتایئے کہ آپ کی یہ بہو جو آپ ہی کے بیٹے کے لئے سامان راحت تھی اور وحشت میں انس کا ذریعہ تھی، اس کی گھبراہٹ میں تسلی دینے کا ذریعہ، کچھ اپنے دل کی سنانے اور کچھ ان کی سننے والی تھی، وہ تھک کے چور ہو کر اپنے ماں باپ کے گھر میں سکون سے گزارے ہوئے لمحات ماضی کی دیگر راحتوں کو سوچتی ہوئی اور اس سسرال میں اگلے دن پھر گاڑی کے پہیے کی طرح کی ڈیوٹی نبھانے کا غم لئے سو گئی۔

یہ تو ایسا ہو گیا کہ گویا نوکرانی کی ایک آسامی خالی تھی، اس کی جگہ یہ بہو مل گئی اور اب وہ اپنی ڈیوٹی پوری کر کے سو گئی۔ تو پھر پانچ طرح کا میٹھا اور چھ طرح کا روسٹ اور بروسٹ رکھوا کر اور ہزاروں روپے خرچ کر کے جو دھوم دھام سے بیٹے صاحب کا ولیمہ کیا تھا، تو اس سب کا حاصل کیا یہی تھا کہ آپ کا یہ لخت جگر جب تھکا ہارا گھر کو آئے تو گھر میں پرتپاک استقبال کی فضا کے بجائے اسے پرملال انتقال والا سناٹا اور غم ملے اور روٹھے بول، بول کر ہنس کر مسکرا کے خوش آمدید کہنے والی زوجہ بھی بشاشت کے ساتھ موجود نہ ہو بلکہ وہ تو ذہنی پریشانی کے ساتھ ٹوٹا ہوا بدن لے کر سو رہی ہو؟ ...... تو آپ کے بیٹے کے دل کا چین اور آرام کہاں گیا؟ کیا تھا وہ ولیمہ...؟ کیا تھے وہ شادی اور ولیمہ کے کارڈوں

کے جملے ہمارے بیٹے اور فلاں کی بیٹی زندگی کے نئے سفر کا آغاز کر رہے ہیں، رشتہ ازدواج میں منسلک ہو رہے ہیں۔ ... پاکیزہ بندھن میں بندھ رہے ہیں؟ ......

جس تھکے ہارے بیٹے کو آتے ہی ٹھنڈے پانی کا گلاس پکڑانے والی تو چھ فٹ مٹی کے بستر میں جا سوئی، ..... چند نوالوں اور چار دیواری کی روٹیاں پکا کر، گھر بھر کی کڑوی کسیلی سن کر اپنی ڈیوٹی ختم کر کے سوگئی ہے اب کون شربت کے گلاس کو پوچھے گا؟ کون محبت کے ساتھ کھانا دے گا؟

یاد رکھیے! اگر ایسا شوہر دینی سوچ رکھنے والا، اللہ کے حکموں کا دھیان رکھنے والا اور دیندار ہے، تو وہ اپنی محرومیوں کو سوچ کر اندر اندر ہی گھٹے گا۔ پاس ادب میں نہ باپ ماں سے کچھ گزارش یا شکوہ کر سکے گا، نہ طبعی شفقت اور بردباری کی بنا پر ناراض ہو سکے گا۔ یہ کیفیت طرح طرح کے نفسیاتی، اعصابی اور جسمانی امراض کا سبب بنے گی۔ اور اس کی اندر کی صلاحیتیں جو کسی مفید کام پر لگتیں، ضائع ہوں گی......

اور دوسرا رخ جو اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے یہ ہے کہ اگر بیٹا غیر صالح ہے اور دین سے دوری والے ماحول کا (مانوس) ہے، نگاہ کی حفاظت، پاک دامنی اور عفت کی اہمیت اس کے دل و دماغ میں نہیں تو پھر جس طرح ماں باپ کے پیار و محبت کے ترسے ہوئے بچے جلد کسی ہوس پرست کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں ٹھیک اسی طرح آپ کا یہ بیٹا اور نیا دولہا جب بیوی سے یوں دوری پائے گا۔

تو کیا شیطان محبت کے اس بھوکے کو آفس کی چنچل مسکراتی سیکرٹری یا شاپنگ سینٹر کی سیلز گرل، یا ایڈورٹائزنگ کمپنی کی ماڈل گرل کی صورت اور آنکھیں دکھلا کر ان میں محبت کی چاشنی اور ہمدردی والی کشش نہ دکھلائے گا اور اگر وہ ان کے چکر میں آگیا تو آپ کی اپنی ہی دنیا اور آخرت دونوں سے گیا۔

اور یہ بات کب تک چھپے گی؟ اگر بیوی کو بھنک پڑ گئی کہ میاں صاحب کہیں اور بھی دل لگی کا سامان کر رہے ہیں، تو وہ بھی میکے سدھاری ..... اب گھر اجڑنے میں کیا کسر رہ گئی... یہ آپ خوب اچھی طرح سمجھیں کہ یہ محض مفروضات نہیں ہیں، بلکہ یہ ایک حقیقت اور کئی گھروں میں یہ آگ لگی ہوئی ہے۔

آپ سے اسی بنا پر عاجزانہ گزارش ہے کہ بہتر اور اسلم اور انفع طریقہ یہی ہے کہ بیٹے اور بہو کو الگ رکھیں، تاکہ بیوی کو یکسوئی سے زیادہ سے زیادہ وقت شوہر کی خدمت کا ملے اور شام تک یعنی شوہر کی آمد کے وقت تک وہ ضروری کام سمٹا کر اس کی آمد کی منتظر ہو اور خوش ہو کر استقبال کرے اور بچوں کی بھی بہتر تربیت کر سکے۔

رہا یہ اشکال کہ دادی دادا چاہتے ہیں کہ اب آخر عمر میں کوئی ہمارے ساتھ ہو اور پوتے پوتیوں سے گھر میں رونق ہو، تو اس کے لئے یوں کر سکتے ہیں کہ اگر ایک سے زائد شادی شدہ بیٹے ہوں تو اس بیٹے اور بہو کو اپنے ساتھ رکھیں جن سے مزاج ملتا ہو اور اس میں زیادہ اہم یہ ہے کہ بہو کا مزاج ساس سے ملتا ہو۔ بسا اوقات مثلاً عدنان کا مزاج باپ سے ملتا ہے اور فوزان کی اہلیہ کا ماں (یعنی ساس) سے ملتا ہے تو اس میں سسر صاحب تھوڑی سی قربانی دے کر اپنی اہلیہ کی رعایت رکھتے ہوئے حتی الامکان اس بات کی کوشش کریں کہ اپنی اہلیہ کے ساتھ اس بہو کو رکھیں جس کا مزاج ساس سے بھی ملتا ہو اور ان کو بھی دعائیں دیں کہ یہ ہمارے ساتھ رہ رہے ہیں۔

اور اس میں ایک اور بات کا خیال بھی رکھیں کہ جب کسی بیٹے بہو کو ساتھ بھی رکھیں تو بھی اگر گھر بڑا ہے اور گنجائش ہے تو ان کا باورچی خانہ علیحدہ ہو، تاکہ ہانڈی چولہے کے جھگڑے کی نوبت ہی نہ آئے۔ اور اگر باورچی خانہ علیحدہ نہیں کر سکتے اور بہو اتنی نالائق ہے کہ ساس کی ڈانٹ یا تنبیہ کو ماں کی ڈانٹ نہیں سمجھتی تو

اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ ساس صاحب صبر اور دعا کرتے ہوئے بہو کے معاملات یا معمولات میں دخل نہ دیں۔ بلکہ کسی بہتری کا مشورہ دے دیں یا کسی واقعی کوتاہی پر بالکل اپنی بیٹی سمجھ کر اس کو نصیحت کر دیں تو کچھ مضائقہ نہیں اور بہو کی بھی یہ سعادت مندی ہے کہ وہ ساس کو ماں کے مقام پر اور اپنے آپ کو بیٹی سمجھ کر ان کے مشوروں اور ان کی نصیحتوں کی محتاج سمجھے اور ان کی دعائیں لینے والے کام کرے۔

حتی الامکان دو بہوؤں کو ایک ساتھ نہ رکھیں

اگر آپ سمجھتے ہیں کہ کسی بچے کو شادی کے بعد ساتھ رکھنا ہی کسی مصلحت سے مناسب ہے تو برائے مہربانی دو بچوں کو ایک ساتھ اس طرح نہ رکھیں کہ دونوں بہوؤں کے لئے ایک ہی باورچی خانہ ہو۔ اگر گنجائش ہو تو بالکل ہی علیحدہ علیحدہ رکھیں۔ اگر شادی کی فضول خرچیوں سے بچا بچا کر بھی اتنی گنجائش نہیں رہتی کہ الگ مکان دلوایا جا سکے تو دونوں کے گھر کے آنے جانے کا راستہ، باورچی خانہ وغیرہ علیحدہ ہوں، اسی لئے کہ بڑوں نے کہا ہے کہ:

"خانگی گھریلو فسادات سے بچنے کی ایک عمدہ تدبیر یہ ہے کہ چند خاندان ایک گھر میں اکٹھا نہ رہا کریں، کیونکہ چند عورتوں کا ایک مکان میں اکٹھا رہنا ہی فساد کا سبب ہوتا ہے۔" (ملفوظات اشرفیہ صفحہ ۲۷)

یاد رکھیے! ساس بہو کا اکٹھا رہنا بعض اوقات بالعموم اتنا نقصان دہ نہیں ہوتا جتنا دیورانی جیٹھانی کا ساتھ رہنا۔ خود بھی پریشان ہوتی ہیں، اور پورے گھر کو پریشان رکھتی ہیں۔ اگر دونوں کا آپس میں اچھا تعلق ہے تو ساس اور نند پریشان رہتی ہیں کہ دونوں ہمارے خلاف محاذ تیار کر رہی ہیں، اور اگر بڑی جیٹھانی کا ساس سے اچھا تعلق ہے تو دیورانی پریشان کہ ماں (ساس) اور بڑی جیٹھانی

میرے خلاف سازش کر رہی ہیں۔ اور اگر کسی گھر میں خوش قسمتی سے یہ دونوں سالم رہیں تو دیورانی جیٹھانی کی کمی ہیں اس کام کی ذمہ داری اپنے سر پر اٹھا لیتی ہیں، اور اگر یہ نہ بھی ہو تو ماسیاں جو گھر میں کام کرتی ہیں وہ ہی دونوں میں فساد پیدا کر دیتی ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کے گھروں سے ان بیماریوں کو ختم فرمائے۔ آمین!

اس لئے سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ بار بار دیورانی جیٹھانی کا اجتماع ہی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ مردوں کو اس بات کی سمجھ عطا فرمائے کہ وہ عورتوں کو دین کے کام میں اتنا مشغول رکھیں کہ ان کو ادھر کی ادھر کرنے کی فرصت ہی نہ ملے۔

دو بیویوں کو ساتھ رکھنے کے بہت ہی زیادہ نقصانات سامنے آئے ہیں۔

ایک سوال ہم آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں، خود اس پر غور فرمالیں۔

کیا یہ بہتر ہے......؟ کہ ایک بڑی کوٹھی ہو، ایک بڑا فلیٹ ہو جس میں تین یا چار بھائی ساتھ رہتے ہوں اور سب ایک ہانڈی میں پکا کر کھائیں، لیکن سب کے دل آپس میں میل سے بھرے ہوئے ہوں، ہر ایک دوسرے کی غیبت چغل خوری میں لگا ہوا ہو، خاندان اور بچوں کا مستقبل تباہ ہو رہا ہو، معصوم جانوں کو اخلاقی اور دماغی صدموں سے دوچار ہونا پڑ رہا ہو۔ یا یہ بہتر ہے کہ ہر بھائی اپنی بیوی بچوں کے ساتھ الگ الگ رہے، شادی بالکل سادی کر کے فضول اور لغویات سے پیسہ بچا کر چھوٹے سے اپنے یا کرائے کے مکان ہی میں اپنی حیثیت کے موافق الگ رہ کر زندگی گزاریں، اور سب بھائیوں میں محبت ہو، الفت ہو، مودت ہو، اپنائیت ہو، چھوٹے بھائیوں کے دلوں میں بڑے بھائیوں کی عزت اور عظمت ہو، دور دور رہتے ہوئے تمام بھائی ہر جمعہ کے دن مل کر آپس میں سب کھانا کھا رہے ہوں، ہر ایک دوسرے کی خوشی و غمی میں شریک ہو، ہر ایک دوسرے کے لئے دعائیں کر رہا ہو، چھوٹے بچوں میں آپس میں ایک دوسرے کے چچا اور پھوپھی

کے بیٹوں میں محبت ہو تمام بھائی کسی دن ایک جگہ (مثلاً والدین کے گھر) اکٹھے ہو جاتے ہوں۔ اب ہم فیصلہ آپ پر چھوڑتے ہیں۔ اور یاد رکھیئے جب کینہ بغض، غیبتوں کا غبار سگے بھائی بہنوں میں پھوٹ جاتا ہے تو اس کے جراثیم آنے والی نسلوں تک پھیلتے ہیں۔ اور دیورانی جیٹھانی اور نند کو ساتھ رکھ کر یہ کہنا کہ جھگڑنا مت، غیبت و چغل خوری مت کرنا، یہ ایسے ہی ہے جیسے سمندر کے اندر چلنے والے سے یہ کہنا کہ پاؤں گیلے نہ ہوں۔

عموماً آج کل بہو ساس کو ماں نہیں سمجھتی، نہ آج کی ساس بہو کو بیٹی سمجھتی ہے، ہمیں ایسے کئی گھروں کے تجربہ ہوئے جن میں بہو ساس کی سگی بہن، یا سگے بھائی کی بیٹی ہے، یعنی ساس سگی خالہ یا سگی پھوپھی ہے، اس کے باوجود چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایسے جھگڑے کہ میاں بیوی دونوں کی زندگی اجیرن، سارے گھر کا سکون تباہ و برباد۔ نہ دنیا کا کوئی کام صحیح طرح ہو سکتا ہے، نہ دین کا، یہاں تفصیل سے لکھنے کی گنجائش نہیں۔

کبھی آپ نے غور کیا کہ آپ کے ننھے منے پوتے پوتیاں ساس بہوؤں کے جھگڑے اور میاں بیوی کی ناچاقیاں، نااتفاقیاں، دل شکنی، آپس کی رنجش دیکھیں گے تو ان کے ننھے سے ذہن میں دادی، پھوپھی اور چچی کا کیا تصور بنے گا؟ اور کیا وہ ہمیشہ ماں کے مقابلہ میں دادی، پھوپھی کو ظالم تصور نہیں کریں گے؟ روزانہ کے یہ جھگڑے اور لڑائیاں دیکھ کر یہ بچے نفسیاتی طور پر بزدلی، خوف، ڈر، جھوٹ، خود اعتمادی اور حوصلہ اور ہمت کی کمی کے شکار ہو جائیں گے۔ اور عمر بھر اس میں مبتلا رہیں گے۔ اور اس طرح یہ بچے ملک و ملت کے لئے مفید ہونے کے بجائے نقصان دہ بن جائیں گے۔

دوسرا نقصان: یہ کہ روز روز کی دیورانی جیٹھانی کی ناچاقیاں، ساس بہو کی نااتفاقیاں، نند بھابھی کے گلے شکوے، پچیس سال کی عورت کو چالیس سال کی عمر

تک پہنچی دیکھی ہیں۔ یہ غم بے طرح طرح کی جسمانی، اعصابی اور نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا کر دیتے ہیں اور کئی تو پگلی ذہن کو جوانی میں بوڑھی کر دیتے ہیں۔ اور نونہال معصوم بچے نہ صرف یہ کہ ماں کی ممتا سے محروم ہو جاتے ہیں بلکہ بعض اوقات ماں اپنے غصہ اور ٹینشن کی وجہ سے ساس و نند کا غصہ ان بچوں پر نکالتی ہے اور ان کو برا بھلا کہتی ہے، بددعائیں دیتی ہے اور بعض اوقات یہ بددعا بچے کی دنیا و آخرت تباہ کر دیتی ہے۔ اور وہ بچہ اب ماں کی ممتا سے محروم گلیوں میں آوارہ پھرتے پھرتے بری صحبت میں مبتلا ہو کر معاشرہ کا ناسور بن جاتا ہے۔

یہ سب کچھ کیوں ہوا؟: صرف اس لئے کہ شریعت کے مزاج کے خلاف آپ نے بیٹے کو اپنے ساتھ رہنے پر مجبور کیا۔ اور چند پیسے بچانے کی خاطر اس کو الگ نہ ہونے دیا۔

تیسرا نقصان: یہ ہوا کہ اگر نئی بہو کو آپ اپنے ساتھ رکھیں گے اور چھوٹے بیٹے بھی ساتھ ہیں تو عموماً دیور آج کے زمانے میں بھابھی سے پردہ نہیں کرتے۔ اٹھنا بیٹھنا اور کھانا پینا پورے گھر کا ایک ساتھ ہی ہوتا ہے تو ساتھ رہنے میں بے پردگی کا گناہ بھی ہوگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے دیور تو موت کی طرح ہے۔ (کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۱۲۸ رقم ۱۳۰۳۵) یعنی اس سے بے پردہ ملنا جلنا، بے تکلفی، مذاق وغیرہ، اس سے ایسے بچنا چاہئے جیسے موت سے بچتے ہیں۔ الگ رہنے میں پردہ کا بھی اہتمام ہو جائے گا اور سب اس گناہ سے بچ جائیں گے اور ساتھ رہنے میں اگر دین داری کی وجہ سے بیٹے کو توفیق بھی ہوئی اور وہ ٹی وی اور وی سی آر کے گناہوں سے بھی بچتا ہے تب بھی ساتھ رہنے کی وجہ سے اس کی بیوی اور اولاد اس بے پردگی کے گناہ سے نہ بچ سکیں گے۔

چوتھا نقصان: یہ ہوگا کہ جیسے جیسے خاندان بڑھتا جائے گا، ساتھ ہی ان کے

لئے آپ کی فکر میں اضافہ ہوتا جائے گا ان کی بیماری پر، بچہ کی ولادت پر، شادی، غمی، ہر موقعہ پر ساتھ رکھنے کی وجہ سے آپ ہی کو فکریں اور پریشانیاں برداشت کرنی پڑیں گی، اس لئے جتنا کم انتظام ہوگا اور فکریں تقسیم ہوں گی، اتنی ہی راحت ہوگی۔

پانچواں نقصان: ساتھ رہنے کا یہ ہوتا ہے کہ جب جھگڑے انتہا کو پہنچ جاتے ہیں تو مجبوراً بیٹا الگ مکان لے لیتا ہے یا دلہن میکے بیٹھ جاتی ہے اور پنچایت الگ مکان کا فیصلہ کرتی ہے۔ اس سے پھر ہمیشہ کے لئے دل کٹ جاتے ہیں۔ بیٹے کو یا تو ماں اور بہنوں سے نفرت ہو جاتی ہے کہ انہوں نے میری بیوی اور بچوں کے ساتھ ظلم کیا یا بیوی سے نفرت کہ اس کی وجہ سے والدین سے ناچاقی ہوئی۔ اگر والدین خوش دلی سے بیٹے کو الگ کر دیتے ہیں تو یہ نوبت نہ آتی۔

چھٹا نقصان: یہ ہوتا ہے کہ بہو یا ساس یا بہو کی ماں روز روز کے جھگڑوں سے تنگ آ کر جادو گروں، نجومیوں، اور جھوٹے عاملوں وغیرہ کے چکر میں پڑ جاتی ہیں۔ اس سے ایک تو ان کا عقیدہ خراب ہوتا ہے اور دوسرا مال برباد ہوتا ہے اور بجائے نفع کے ایک کے بدلے چار پریشانیاں مزید لے آتی ہیں اور کبھی تو اس سے بہت بڑے نقصانات اور حوادثات بھی پیش آ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔

ساتواں نقصان: یہ ہے کہ والد یا والدہ کے انتقال کے بعد میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ سب یہی سمجھتے اور کہتے ہیں کہ ہم لوگ ایک ساتھ ہی ہیں، لہٰذا تقسیم کی کیا ضرورت، لیکن کچھ عرصہ بعد ایسے بڑے جھگڑے اٹھتے ہیں کہ ان کا تدارک مشکل ہوتا ہے اور خاندان میں بدنامی الگ کہ "بھی پیسوں پر لڑ پڑے ہیں۔" اگر سب الگ الگ ہوں تو یہ مسئلہ ہی کھڑا نہ ہو۔

آٹھواں نقصان: اگر کسی بھائی کا کوئی بچہ رنگ روپ یا بھول پن میں دوسرے

بھائی کی اولاد سے زیادہ پیار ہے اور دادا دادی یا چچا چچی کی یا پھوپھیوں کی طبعی رغبت اس کی طرف زیادہ ہو جاتی ہے تو دوسرے لڑنا حسد میں مبتلا ہوں گے۔ اس کے نتیجے میں گھر کا پورا ماحول مکدر ہو جاتا ہے۔

اس لئے ہماری رائے یہ ہے کہ اگر آپ کے پاس اتنی وسعت ہے تو اس زمانہ میں بچوں کے عاقل بالغ ہوتے ہی کاروبار بھی سب کے الگ الگ کر دینا چاہئیں اور مکانات بھی اور جتنے دور دور مکانات و کاروبار ہوں گے، اتنی ہی زیادہ محبت ہوگی۔ اور اگر آپ کے پاس اتنی وسعت نہیں ہے تو کوشش کیجئے کہ جتنا بھی ہو سکے سب کے معاملات الگ الگ رہیں اور راحت سے رہیں، دوسرے کے کاموں میں دخل کم سے کم ہو۔ بڑے چھوٹے بھائیوں پر والد والا رعب نہ جمائیں اور بڑی بھابھیاں اپنی چھوٹی بھابھیوں پر ساس کی نظر نہ رکھیں کہ اس میں طرفین کے لئے عافیت ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب.

ہم شوہر صاحب کے والدین کی خدمت میں کتاب "آپ کے مسائل اور ان کا حل" از مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ میں سے ایک مسئلہ تحریر کرتے ہیں امید ہے کہ اسے پڑھ کر آپ اس پر سنجیدگی سے غور کریں گے کہ اپنے بیٹے اور بہو سے خود کو الگ رکھنے میں دین و دنیا کی حقیقی عافیت ہے۔ لہٰذا اس مضمون کو ٹھنڈے دل سے خوب دھیان کے ساتھ پڑھیں اور دعا بھی کریں کہ اللہ پاک ہم سب کو اس پر آسانی کے ساتھ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

آپ اور آپ کے شوہر کے لئے وبال

سوال: میری شادی کو ڈھائی سال ہوگئے۔ اس عرصے میں میرے سسرال والوں سے میری معمولی معمولی بات میں ٹھن گئی۔ میرے ساتھ اور میرے شوہر

کے ساتھ بھی ان کے ماں باپ کی یہی نیت تھی۔ ان لوگوں نے مجھے کبھی پیار محبت سے نہیں دیکھا اور میری بچی کے ساتھ بھی وہ لوگ بہت تنگ مزاج ہیں۔ بات بات پر جھگڑا کرنا کھانے کے لئے جھگڑا کرنا کاروبار ہمارے یہاں مل کر کرتے ہیں اور تمام محنت میرے شوہر ہی کرتے ہیں۔ الحمدللہ ہمارے یہاں رزق میں بے حد برکت ہے۔ ڈھائی سال کے عرصے میں میں کئی بار اپنی والدہ کے یہاں آ گئی اور ان لوگوں کے کہنے پر کہ اب کوئی جھگڑا نہیں ہوگا، بڑوں کا لحاظ کرتے ہوئے، والدین کا کہنا مانتے ہوئے میں معافی مانگ کر دوبارہ چلی جاتی۔ تھوڑے عرصے تک ٹھیک رہتا، پھر وہی حال۔ اس بار بھی میرے شوہر اور ان کے والد میں معمولی بات پر جھگڑا ہو گیا اور میں مع شوہر اپنی والدہ کے یہاں ہوں۔ میرے شوہر اور میں دونوں چاہتے ہیں کہ ماں باپ کی دعاؤں اور پیار محبت سے الگ مکان لے لیں، کاروبار سے الگ نہ ہوں، اس لئے کہ ماں باپ کی خدمت بھی ہو۔ وہ لوگ دوبارہ بلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب ہم کچھ نہیں کہیں گے، جیسے پہلے کہتے تھے۔ آپ بتائیے کہ جب گھر میں روز جھگڑا ہو تو برکت کہاں سے رہے گی؟ آپ ہمیں مشورہ دیں کہ ہم الگ مکان لے لیں؟ ان مسائل کا حل بتائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر دے گا اور میں تازندگی دعا دیتی رہوں گی۔ میں بے حد دکھی ہوں۔

جواب: آپ کا خط غور سے پڑھا۔ ساس بہو کا تنازعہ تو ہمیشہ سے پریشان کن رہا ہے۔ اور جہاں تک تجربات کا تعلق ہے اس میں قصور عموماً کسی ایک طرف کا نہیں ہوتا، بلکہ دونوں طرف کا ہوتا ہے۔ ساس: بہو کی اونی اونی باتوں پر تنقید کرتی اور ناک بھوں چڑھایا کرتی ہے۔ اور بہو جو اپنے میکے میں ناز پروردہ ہوتی ہے، ساس کی مشفقانہ نصیحت کو بھی توہین تصور کرتی ہے۔ یہ دو طرفہ نازک مزاجی مستقل جنگ کا اکھاڑہ بن جاتی ہے۔

آپ کے مسئلہ کا حل یہ ہے کہ اگر آپ اتنی ہمت اور حوصلہ رکھتی ہیں کہ بچی

خوشدامن کی ہر بات برداشت کرسکتی، ان کی ہر نازک مزاجی کا خندہ پیشانی سے استقبال کرسکیں اور ان کی کسی بات پر "ہوں" کہنا بھی گناہ سمجھیں تو آپ ضرور ان کے پاس دوبارہ چلی جائیں اور یہ آپ کی دنیا و آخرت کی سعادت و نیک بختی ہوگی۔ اس ہمت وحوصلہ اور صبر و استقلال کے ساتھ اپنے شوہر کے بزرگ والدین کی خدمت کرنا آپ کے مستقبل کو قابل رشک بنادے گا اور اس کی برکتوں کا مشاہدہ ہر شخص کھلی آنکھوں سے کرے گا۔

اور اگر اتنی ہمت اور حوصلہ آپ اپنے اندر نہیں پاتیں کہ اپنی رائے اور اپنی "انا" کو ان کے سامنے ختم نہ کرسکیں تو پھر آپ کے حق میں بہتر یہ ہے کہ آپ اپنے شوہر کے ساتھ الگ مکان میں رہا کریں۔ لیکن شوہر کے والدین سے قطع تعلق کی نیت نہ ہونی چاہئے بلکہ نیت یہ کرنی چاہئے کہ۔

ہمارے ایک ساتھ رہنے سے والدین کو جو اذیت ہوتی ہے اور ہم سے ان کی جو بے ادبی ہو جاتی ہے، اس سے بچنا مقصود ہے۔ الغرض اپنے کو قصور وار سمجھ کر الگ ہونا چاہئے۔ والدین کو قصور وار ٹھہرا کر نہیں۔

اور الگ ہونے کے بعد بھی ان کی مالی و بدنی خدمت کو سعادت سمجھا جائے۔ اپنے شوہر کے ساتھ میکے میں رہائش اختیار کرنا موزوں نہیں۔ اس میں شوہر کے والدین کی سبکی ہے۔ ہاں، الگ رہائش اور اپنا کاروبار الگ کرنے میں میکے والوں کا تعاون حاصل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ میں نے آپ کی الجھن کی ساری صورتیں آپ کے سامنے رکھ دی ہیں، آپ اپنے حالات کے مطابق جس کو چاہیں اختیار کرسکتی ہیں۔ آپ کی وجہ سے آپ کے شوہر کا اپنے والدین سے رنجیدہ و کبیدہ اور برگشتہ ہونا ان کے لئے بھی وبال کا موجب ہوگا اور آپ کے لئے بھی۔

اس لئے آپ کی ہر ممکن کوشش یہ ہونی چاہئے کہ آپ کے شوہر کے تعلقات

ان کے والدین سے زیادہ سے زیادہ خوشگوار ہوں اور وہ ان کے زیادہ سے زیادہ اطاعت شعار ہوں، کیونکہ والدین کی خدمت و اطاعت ہی دنیا و آخرت میں کلید کامیابی ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد ۵ صفحہ ۱۸۱ تا ۱۸۱)

بیٹے کو علیحدہ مکان دینے کا مطلب اور اس کی آسان صورت

اگر اتنی گنجائش نہیں ہے کہ بیٹے کو الگ مکان دے سکیں تو ایک کوٹھری یا تو اپنے گھر ہی میں ایسی دیں کہ اس کی اور اس کی بیوی کی ضرورت کو کافی ہو سکے، وہ اس میں اپنا مال و اسباب سامان منتقل کر سکے۔ اور آزادی کے ساتھ اپنے میاں کے ساتھ تنہائی میں بیٹھ سکے۔ باورچی خانہ (کچن) تو الگ ضروری ہے ہی (اگرچہ امریکی کچن نہ ہو، چھوٹا ہی ہو)، کیونکہ زیادہ تر آگ اس چولہے ہی سے بھڑکتی ہے۔ (اصلاح انقلاب امت جلد ۱ صفحہ ۱۸)

اگر غور کریں اور شادی میں کم از کم خرچ کریں اور اس پیسہ کو بچا لیں تو چند سال تک تو کرایہ کے مکان کا اسی شادی سے بچی ہوئی رقم سے آسانی سے انتظام ہو سکتا ہے، مثلاً لڑکی والے کھانے کی ضیافت نہ کریں، لڑکے والے ولیمہ مختصر کریں، محفل مہندی، جہیز دکھاوا، ان سب رسوم سے پیسہ بچائیں، جہیز کی فضول چیزیں، محض زینت کے لئے قالین، بے جا پردے، سجاوٹ بناوٹ کی اضافی چیزیں، صوفے، ائرکنڈیشنر، وغیرہ لینے سے بھی حتی الامکان بچے رہیں اور بالخصوص ناجائز حرام چیز ٹی وی، وی سی آر، مووی، فوٹو کھنچوانا، وغیرہ ان سب کی رقم بچا لیں، تو غریب سے غریب کے لئے بھی، کرایہ کے مکان کی رقم چند سالوں کے لئے جمع ہو جائے گی۔ اور نکاح کرتے ہوئے نیت اپنی عفت کی حفاظت اور سنت پر عمل کرنے کی ہو اور پھر اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر یقین رکھے:

﴿ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ ﴾ (سورۂ نور، آیت ۳۲)

ترجمہ: ''اگر وہ لوگ مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ (اگر چاہے گا) ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔'' (معارف القرآن جلد ۶ صفحہ ۴۰۸)

اس آیت کی تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ نہ تو نادار ہونے کی وجہ سے نکاح سے انکار کرو اور نہ یہ خیال کرو کہ نکاح ہو گیا تو خرچ بڑھ جائے گا۔ جو موجودہ حالت میں غنی و مالدار ہے وہ بھی نکاح کرنے سے محتاج و مفلس ہو جائے گا۔ کیونکہ رزق کا مدار اصل میں اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے۔ وہ کسی مالدار کو بغیر نکاح کے بھی فقیر و محتاج کر سکتا ہے اور کسی غریب نکاح والے کو نکاح کے باوجود فقر وافلاس سے نکال سکتا ہے۔

آپ خود ہی تصور کریں کہ گھر میں جہیز کم ہو، بالکل سادہ گھر ہو، نہ غیر ضروری قالین ہوں، نہ بہت بڑھیا فرنیچر ہو، نہ مہنگے پلنگ ہوں، نہ صوفے ہوں اور میاں بیوی میں محبت ہو، ساس سے بھی محبت ہو، نند کی بھی عزت ہو، بڑی بھاوج کی قدر ہو، دونوں خاندانوں میں اچھے تعلقات ہوں، جو میاں بیوی سے ہو سکے ہو، ماں باپ کی خدمت کرتے ہوں، یہ بہتر ہے اس گھر سے جس میں بہت ساری چیزیں ہوں، کئی شادی شدہ بھائی ساتھ رہتے ہوں، ایک ہی ہانڈی میں کھانا پکتا ہو لیکن آپس میں دل پھٹے ہوئے ہوں، روزانہ جھگڑے بڑھ رہے ہوں، ایک دوسرے سے حسد ہو، حرص کی بیماریاں پیدا ہو رہی ہوں، سگے بھائیوں میں عداوت اور دشمنی کے بیج بوئے جا رہے ہوں، غیبت، چغل خوری، جھوٹ کے جراثیم پیدا ہو کر بڑی بڑی روحانی بیماریاں پیدا کر رہے ہوں، بیٹے ماں اور بہن سے دور ہو رہے ہوں، بیوی خلع و طلاق کا مطالبہ کر رہی ہو، ساس تعویذ گنڈوں کی فکر میں ہو، شوہر عدالت کے دارالافتاء کے مفتیوں کے پاس یا نفسیات کے ہسپتالوں کے چکر کاٹ رہا ہو، لڑکے کا سسر ہر نماز کے بعد بددعا کر رہا ہو، لڑکے

کی ساس پورے خاندان میں سمدھن اور سمدھن کی برائیاں کر رہی ہو، چھوٹی چھوٹی باتوں کو بڑے بڑے عیوب بنا کر پیش کئے جا رہے ہوں۔ لہٰذا ان سب امراض اور پریشانیوں کا حل یہی ہے کہ بیٹے کو شادی کے بعد الگ رکھیں۔

باورچی خانہ تو علیحدہ ہونا ضروری ہے

اس لئے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''چولہا تو ضرور ہی علیحدہ ہونا چاہئے۔ زیادہ تر جنگ اس چولہے ہی سے ہوتی ہے۔ بعض لوگ یہ سوچتے ہیں کہ ہر آدمی کی اتنی استطاعت کہاں ہے کہ الگ رہ سکے، یا والد شادی کے بعد لڑکے کو فوراً مکان دلوا سکیں؟ لہٰذا اس کے لئے آسان حل یہ ہے کہ کرایہ کا مکان لے لیں، اور اگر اس کی بھی گنجائش نہ ہو تو اسی بڑے مکان میں باورچی خانہ الگ کر لیں فرمایا! آج کل طبیعتوں، اور واقعات کا مقتضٰی تو یہ ہے کہ اگر عورت ساتھ میں رہنے پر راضی بھی ہو اور علیحدہ رہنے سے سب اعزہ رشتہ دار ناخوش بھی ہوں تب بھی مصلحت یہی ہے کہ جدا ہی رکھے۔ اس میں ہزاروں مفاسد کا انسداد اور ہزاروں خرابیوں کی روک تھام ہے۔ اور بس میں چند روز کے لئے سب عزیزوں کا ناک منہ چڑھے گا اور وہ ناراض ہوں گے، برا بھلا کہیں گے۔ دیکھا فلانی کو؟! اپنی بیٹی بہو کو ہی نہیں سنبھال سکی۔ دیکھو فلانی نے ساری عمر بھی اپنی بہو کو روٹی نہیں کھلائی، دیکھا فلانی کی بیٹی ساس کے ساتھ نہیں رہ سکی۔ ارے یہ کیا رہے گی؟ کبھی اس کی ماں نے ساس کا کوئی کام نہیں کیا یہ کیا کرے گی؟! ان کا تو پورا خاندان ایسا ہے۔ بہرحال ایسی بہت باتیں سننے کو ملیں گی لیکن جب وہ اس علیحدہ رہنے کے فوائد دیکھ لیں گے تو سب خوش ہو جائیں گے۔

(اصلاح انقلاب امت صفحہ ۸۸)

یہ ہمارا آنکھوں دیکھا حال ہے۔ روزانہ دارالافتاء میں ہمیں ایسے کئی لوگوں

سے واسطہ پڑتا ہے، جن کے اچھے بھلے گھر گھریلو جھگڑوں کی وجہ سے اجڑ گئے۔ اب دونوں خاندانوں کی دنیا بھی خراب، دین بھی خراب۔ اب نہ نمازوں میں دھیان جمتا ہے نہ کاروبار میں توجہ صحیح رہتی ہے۔ اب دماغ پر ٹینشن ہر وقت سوار ہے، بلڈ پریشر بڑھ رہا ہے۔

اور اس کے علاوہ خدا نہ کرے خدا نہ کرے خدا نہ کرے جب مرد تنگ ہو جاتا ہے روز روز کے جھگڑوں سے تو اپنی غلطی سے طلاق کا وہ لفظ جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال امور میں سب سے برا ہے، وہ زبان پر لے آتا ہے۔ اور بیوی تو ویسے ہی ناقصات العقل میں سے ہے، کہہ رہی ہے کہ تمہارے اس گھر میں مصیبت اٹھانے سے تو بہتر ہے کہ چار گھروں کے کام کر کے پیٹ پال لوں، سلائی کر کے اپنے بچوں کی تربیت کر لوں۔ اور یہ نونہال، مہکتے ہوئے چمن کے گلدستے، جن معصوموں کا کوئی گناہ نہیں ہمیشہ کے لئے ماں کی ممتا یا باپ کی شفقت سے محروم ہو جاتے ہیں اور نتیجے سے آپ خوب واقف ہیں۔

ہم نے آپ کے سامنے دونوں زندگیاں رکھ دی ہیں۔ شریعت کی منشا بھی آپ کو بتا دی، اور دونوں کا نتیجہ بھی بتا دیا۔ اب فیصلہ عقل و انصاف کے ترازو اور وقت کے مدنی اور سکون کے وکیل اور ہمت اور جرأت کے قاضی سے آپ لیجیے۔ اور حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ بھی آپ تک پہنچا دیا (مزید تفصیل اس کی دیکھنا چاہیں تو تحفہ خواتین، اصلاح خواتین، امداد الفتاوی، تحفہ زوجین، حقوق الزوجین میں دیکھی جا سکتی ہے)۔

خدارا اس معاشرہ کو بدلیے جو بات احکم الحاکمین کی شریعت میں بری نہیں اس کو برا نہ سمجھئے شریعت میں جس کی اجازت ہے اس پر پابندی نہ لگائیے اگر بیٹا بہو الگ رہنا چاہیں تو ان کو الگ رہنے دیں۔

ایک نئی تازہ اور بڑی اچھی مثال ہماری میمن بانٹوا برادری کی ہے جو ہم

یہاں آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ پہلے ان کے یہاں لڑکی کے والدین لڑکے کو کیش پگڑی دیتے تھے، لاکھ، دو لاکھ روپے۔ لیکن اس کے باوجود اتنے جھگڑے کہ ان کی جماعت کو فرصت نہیں ملتی تھی جھگڑے نمٹانے سے۔ اس کے بعد یہ طے ہوا کہ کیش کے بجائے لڑکی کو گھر اور گھر کا سامان دے دیں، اور شادی ہوتے ہی میاں بیوی الگ گھر میں رہیں۔ ساس نند کا جھگڑا ہی ختم۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ طلاقیں واقع ہونا کم ہوگئیں، اور کئی گھروں کے جھگڑے الحمد للہ ختم ہوگئے اور اب بانتوا جماعت والوں کو کافی سہولت نصیب ہوئی ہے۔ اور کئی اہم کاموں کے لئے فرصت بھی ملتی ہے۔ اس کے گواہ آپ کو ایک دو نہیں، بہت ملیں گے۔

بیوی کا مقصد

اللہ جل شانہ عورت (بیوی) کی پیدائش کا مقصد یہ فرماتے ہیں کہ:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ (سورۂ روم آیت:۲۱)

ترجمہ: ''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے یہ کہ بنا دیئے تمہارے واسطے تمہاری قسم سے جوڑے کہ چین سے رہو ان کے پاس اور رکھا تمہارے بیچ میں پیار اور مہربانی البتہ اس میں بہت پتے کی باتیں ہیں ان کے لئے جو دھیان کرتے ہیں۔'' (معارف القرآن جلد۶ صفحہ۷۳۰)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مفتی اعظم پاکستان) فرماتے ہیں۔ ''لِتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا'' یعنی ان کو اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ تمہیں ان کے پاس پہنچ کر سکون ملے۔ مرد کی جتنی ضروریات عورت سے متعلق ہیں ان سب میں غور کیجئے تو سب کا حاصل سکونِ قلب اور راحت و اطمینان نکلے

گا۔ قرآن کریم نے ایک لفظ میں ان سب کو جمع فرما دیا ہے۔

(معارف القرآن جلد ۱ صفحہ ۳۰۷)

اس سے معلوم ہوا کہ ازدواجی زندگی کے تمام کاروبار کا خلاصہ سکون و راحت قلب ہے۔ جس گھر میں یہ موجود ہے وہ اپنی تخلیق کے مقصد میں کامیاب ہے۔ جہاں قلبی سکون نہ ہو اور چاہے سب کچھ ہو، وہ ازدواجی زندگی کے لحاظ سے ناکام و نامراد ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ باہمی سکون قلب صرف اسی صورت سے ممکن ہے کہ مرد و عورت کے تعلق کی بنیاد شرعی نکاح اور ازدواج پر ہو۔ جن ممالک اور جن لوگوں نے اس کے خلاف حرام صورتوں کو رواج دیا، اگر تفتیش کی جائے تو ان کی زندگی کو کہیں پرسکون نہ پائیں گے۔ جانوروں کی طرح وقتی خواہش پوری کر لینے کا نام سکون نہیں ہو سکتا۔

ازدواجی زندگی کا مقصد سکون ہے

اس آیت سے مرد و عورت کی ازدواجی زندگی کا مقصد سکون قلب قرار دیا ہے۔ اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ طرفین ایک دوسرے کا حق پہچانیں اور ادا کریں، ورنہ حق طلبی کے جھگڑے خانگی سکون کو برباد کر دیں گے۔ اس ادائے حقوق کے لئے ایک صورت تو یہ تھی کہ اس کے قوانین بنا دیئے اور احکام نافذ کر دینے پر اکتفا کیا جاتا، جیسے دوسرے لوگوں کے حقوق کے معاملہ میں ایسا ہی کیا گیا ہے کہ ایک دوسرے کی حق تلفی کو حرام کر کے اس پر سخت وعیدیں سنائی گئیں، سزائیں مقرر کی گئیں، ایثار و ہمدردی کی نصیحت کی گئی، لیکن تجربہ شاہد ہے کہ صرف قانون کے ذریعہ کوئی قوم اعتدال پر نہیں لائی جا سکتی جب تک اس کے ساتھ خدا کا خوف نہ ہو، اسی لئے معاشرتی معاملات میں احکام شرعیہ کے ساتھ ساتھ پورے قرآن میں ہر جگہ "اِتَّقُوا اللّٰہَ، وَاخْشَوْا" وغیرہ کے کلمات بطور تکملہ کے لائے گئے

ہیں۔

مرد و عورت کے باہمی معاملات کچھ اس نوعیت کے ہیں کہ ان کے حقوق باہمی پورے ادا کرنے پر نہ کوئی قانون حاوی ہوسکتا ہے، نہ کوئی عدالت ان کا پورا انصاف کرسکتی ہے۔ اسی لئے خطبہ نکاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی وہ آیات انتخاب فرمائی ہیں جن میں تقویٰ اور خوف خدا و آخرت کی تلقین ہے کہ وہی درحقیقت زوجین کے باہمی حقوق کا ضامن ہوسکتی ہیں۔

اس پر ایک مزید انعام حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ازدواجی حقوق کو صرف شرعی اور قانونی نہیں رکھا بلکہ طبعی اور عادی بنا دیا۔ جس طرح ماں باپ اور اولاد کے باہمی حقوق کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ فرمایا کہ ان کے قلوب میں فطرتاً ایک ایسی محبت پیدا فرمادی کہ ماں باپ اپنی جان سے زیادہ اولاد کی حفاظت کرنے پر مجبور ہیں اور اسی طرح اولاد کے قلوب میں بھی ایک فطری محبت ماں باپ کے لئے رکھ دی گئی ہے۔ یہی معاملہ زوجین کے متعلق بھی فرمایا گیا۔ اس کے لئے ارشاد فرمایا "وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً" یعنی اللہ تعالیٰ نے زوجین کے درمیان صرف شرعی اور قانونی تعلق نہیں رکھا، بلکہ ان کے دلوں میں مودت اور رحمت پیوست کر دی ود اور مودت کے لفظی معنی "چاہنے" کے ہیں، جس کا ثمرہ محبت و الفت ہے۔ یہاں حق تعالیٰ نے دو لفظ اختیار فرمائے، ایک "مودت" دوسرا "رحمت۔" ممکن ہے اس میں اشارہ اس طرف ہو کہ مودت کا تعلق جوانی کے اس زمانے سے ہو جس میں طرفین کی خواہشات ایک دوسرے سے محبت و الفت پر مجبور کرتی ہیں، اور بڑھاپے میں جب یہ جذبات ختم ہوجاتے ہیں تو باہمی رحمت و ترحم طبعی ہوجاتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا "اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ" یعنی اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔ یہاں ذکر تو ایک

نشانی کا کیوں کیا ہے اور اس کے آخر میں اس کو "آیات" اور "نشانیاں" فرمایا۔ وجہ یہ ہے کہ ازدواجی تعلق جس کا ذکر اس میں کیا گیا اس کے مختلف پہلوؤں پر اور ان سے حاصل ہونے والے دینی اور دنیوی فوائد پر نظر کی جائے تو یہ ایک نہیں بہت سی نشانیاں ہیں۔ (معارف القرآن جلد ۷ صفحہ ۲۳)

وضاحت: مذکورہ بالا آیت کی تفسیر پڑھ کر آپ کی سمجھ میں یہ بات آگئی ہوگی کہ بیوی کی پیدائش کا ایک مقصد عظیم یہ ہے کہ اس کا شوہر اس سے ذہنی و جسمانی سکون حاصل کرے۔ لہٰذا اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کی بہو اس گھر میں نندوں، دیورانیوں اور جیٹھانیوں کے ساتھ رہ کر بھی ایسے ماحول میں رہے کہ جہاں روز لڑائی جھگڑے اور فتنہ و فساد ہو اور ہر وقت طعن و تشنیع کی فضا ہو اور وہ پھر اپنے شوہر کو محبت و مودت، قلبی سکون و اطمینان اور جسمانی راحت مکمل طور پر دے سکتی ہے تو پھر اپنے بیٹے اور بہو کو بے شک اپنے ساتھ رکھ لیجئے اور اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو پھر وہی کیجئے جس کی ہم نے پچھلے صفحات میں رائے دی ہے۔

کم از کم ہمارے خیال میں تو ساس کے ساتھ تو بہت ہی ممکن ہے نباہ ہو جائے اور چین و سکون کی زندگی گزرے بعض جگہ ساس اور بہو تو بیٹی اور ماں کی طرح رہتی ہیں لیکن دیورانی، جیٹھانی اور فسادی نند کے ساتھ رہنے سے تو بیوی کا اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے جو قرآن کریم نے بتلایا ہے کہ تم اس سے سکون حاصل کرو، بلکہ اور وہ پریشانی کا سبب بن جاتی ہے خود پریشان رہتی ہے تو وہ دوسرے کے لئے کیا سبب سکون بنے گی۔ لہٰذا ہم فیصلہ آپ پر چھوڑتے ہیں اس پر ٹھنڈے دل سے غور فرماتے ہوئے اپنے اور اپنے بیٹے اور بہو کے سکون و اطمینان کو مدنظر رکھتے ہوئے کسی نتیجے پر پہنچ جائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح فیصلہ کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

اب ہم مسئلہ مکمل طور پر واضح کرنے کے لئے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ کے جنگ اخبار میں شائع ہونے والے کالم "آپ کے مسائل اور ان کا حل" سے بعض مسائل کو نقل کرتے ہیں۔ امید ہے دولہا کے والد اور والدہ اس کو پڑھ کر ضرور اپنی سوچ کا زاویہ درست کر کے ان شاء اللہ تعالیٰ کیا مثبت قدم اٹھائیں گے جو جھگڑوں کی جڑوں کو گھر سے ختم کر دے اور ہر گھر کا ماحول خوشگوار بن جائے تاکہ دولہا دلہن دونوں اطمینان اور سکون کی زندگی گزارتے ہوئے قبر و آخرت کی تیاری کرنے والے بنیں۔

بیوی کی طرف سے الگ گھر کا مطالبہ

سوال: شوہر اپنی بیوی کی کفالت کس طرح کرے جب کہ وہ کھانے اور پہننے میں کوئی کمی نہیں رکھتا۔ اس کے علاوہ تمام پیسے جو کہ ذاتی خرچ یعنی شوہر اور بیوی دونوں کے لئے ہوں وہ ہر وقت الماری میں رکھے رہتے ہوں اور شوہر یہ بھی کہتا ہو کہ جب کبھی بھی ضرورت ہو الماری سے لے لیا کرو اور خرچ کر لیا کرو۔

جواب: بیوی کا نان و نفقہ شوہر کے ذمے ہے اور آپ کی تحریر کے مطابق وہ شوہر کر رہا ہے۔ اس کے بعد بیوی کو کیا شکایت ہے۔

سوال: کیا بیوی اپنے شوہر پر یہ دباؤ ڈال سکتی ہے کہ مجھ کو الگ گھر لے کر دیں جب کہ شوہر کی حیثیت نہیں ہے اور اس کے علاوہ شوہر زیر تعلیم بھی ہے اور وہ یہ بھی کہتا ہے کہ صبر کرو کچھ دن بعد سب ٹھیک ہو جائے گا۔ کیا ایسی صورت میں گھر لے کر دینا ضروری ہے؟ اور اگر گھر لینا ہی پڑ جائے تو قرض لینا ہوگا؟۔

جواب: فساد کی جڑ و بنیاد ہی یہی ہے کہ بیوی ساس کے ساتھ نہیں رہ سکتی، اس کو الگ گھر چاہئے۔ یہ تو شوہر کے ذمے ہے کہ اس کو ایسی جگہ ٹھہرائے کہ اس میں کسی اور کا عمل دخل نہ ہو، لیکن اگر شوہر میں ہمت نہ ہو کہ اس کو الگ گھر میں

ٹھہرائے تو اس مکان کا ایک حصہ اس کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔ وہ اپنا پکائے، اپنا کھائے، نہ اس کی ذمے داری کسی پر ہو اور نہ وہ کسی کی ذمے داری اٹھائے۔ الغرض ہر سلا۔

الغرض عورت کا یہ مطالبہ تو بجا ہے کہ مکان کے ایک حصے میں اس کا ہانڈی چولہا الگ کر دیا جائے اور اس کی رہائش میں کسی دوسرے کو عمل دخل نہ دیا جائے۔ یہ شوہر کی استطاعت پر ہے۔ اگر شوہر کے پاس اتنی گنجائش نہ ہو تو الگ مکان کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔

سوال: عورت اپنے شوہر کی والدہ (ساس) اور والد (سسر) کی عزت کس طرح کرے۔ قرآن اور حدیث کی روشنی میں بتائیں جب کہ ساس صرف کھانے اور کپڑے وغیرہ دھونے پر باتوں باتوں میں نشاندہی کر رہی ہو تو کیا وہ ان سے لڑ جھگڑ سکتی ہے۔

جواب: ساس سسر اس کے ماں باپ کی جگہ ہیں، اس کا اخلاقی فرض ہے کہ جس طرح اپنے والدین کی عزت کرتی ہے اسی طرح شوہر کے والدین کی عزت کرے بلکہ شوہر کے والدین کو اپنے والدین سے زیادہ عزیز سمجھے اور ساس سسر کو بھی چاہیے کہ اسے بیٹی سے بڑھ کر عزت دیں، لیکن افسوس ہے کہ ایسا ہوتا نہیں۔ ساس سسر بہو کو بیٹی جیسی عزت نہیں دیتے اور بہو ان کو ماں باپ کی جگہ نہیں سمجھتی۔

اس میں لڑکی کا قصور کم ہوتا ہے اور لڑکی کی ماں اور ساس کا قصور زیادہ ہوتا ہے۔ ماں کی تربیت اور اس (ساس) کی ترش روئی کے نتیجے میں لڑکی ساس کو ذائن سمجھتی ہے اور اپنے نئے گھر کو عقوبت خانہ (بلکہ بوچڑ خانہ) سمجھتی ہے۔ اسے اپنے نئے گھر میں محبت کی خوشبو نہیں ملتی، بلکہ نفرت، ترش روئی اور بات بات پر طعنہ زنی کی بدبو ملتی ہے۔ اسے ایسا لگتا ہے کہ مجھے جنت سے نکال کر دوزخ میں

ڈال دیا گیا۔ بالآخر وہ ساس سسر سے بغاوت کرتی ہے اور الگ گھر کا مطالبہ کرتی ہے۔

ان کے جھگڑے لڑائی کا حل یہی ہے کہ شیر اور بکری کو ایک کھونٹے سے باندھنے کی حماقت نہ کی جائے۔ دونوں کا چولہا الگ کر دیا جائے۔ شوہر کے والدین، خصوصاً ماں کو اگر سلیقہ ہو تو خوش دلی کے ساتھ بہو سے جتنی چاہیں خدمت کرائیں، یہ بہو کے لئے سعادت ہے اور ساس سسر کے اخلاق کی بلندی کی علامت ہے، لیکن بہو کو زرخرید غلام سمجھ کر ڈنڈے کے ساتھ اس سے خدمت لینا نہ شرعاً جائز ہے اور نہ اخلاقاً صحیح ہے۔

سوال: کیا بیوی اپنے والدین کے گھر پر اپنے شوہر سے یہ بات کہہ سکتی ہے کہ پہلے گھر خرید لو پھر مجھے لے جانا، جب کہ اس کی حیثیت نہیں۔

جواب: گھر خریدنے کا مطالبہ تو غلط ہے البتہ اس کا یہ مطالبہ تو بجا ہے کہ اس کا چولہا الگ ہو اور کوئی جھونپڑی ایسی ہو جس میں کسی دوسرے کا عمل دخل نہ ہو۔

لمحۂ فکریہ

کسی نئی دلہن کے لئے سسرال کا ماحول جب کہ دیورانیاں، جیٹھانیاں اور نندیں وغیرہ ساتھ رہتی ہوں بہت سنگین اور پرُ تنگی کا سبب بنتے ہیں۔ سسرال والوں کا غالب و حاوی ہونا قابل فہم ہے، لیکن سسرال والوں سے نباہنا اور ان کی مزاج داری کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اور سسرال والوں کا میاں بیوی کی ازدواجی زندگی میں دخل در معقولات کرنا عموماً خطرناک ہی ثابت ہوتا ہے۔ اس غلط رجحان اور طرز زندگی کی وجہ سے ہزاروں خاندان تباہ ہوتے ہم روزانہ دیکھتے اور سنتے رہتے ہیں۔

ماں اپنے بیٹے کی شادی کر کے بہو جب گھر لاتی ہے .... تو اس کی

عجیب عجیب توقعات مضحکہ خیز حد تک ظالمانہ اور احمقانہ ہوتی ہیں۔ اور جس گھر میں بہو کو اپنے شوہر کی چند بہنوں سے بھی سابقہ ہو، پھر ایک محاذ جنگ تیار ہو جاتا ہے۔ بعض بہوئیں جو سلیقہ شعار، جذبہ خدمت اور ایثار سے سرشار ہوتی ہیں اور مدبر اور سمجھ دار، ملنسار اور منکسار ہوتی ہیں، وہ تو کسی نہ کسی طرح نباہ لیتی ہیں، لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے۔

بعض بیویاں سسرال والوں سے تنگ آ کر اور ساس صاحبہ کی صلواتیں سن سن کر، فسادی نندوں کی طنزوں کے تیر کھا کھا کر، دیورانیوں اور جیٹھانیوں، ماسیوں، نوکرانیوں کی لگائی بجھائی سے مجبور ہو کر ایسے ماحول سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے، اپنی ازدواجی زندگی کو پرسکون بنانے کے لئے، اپنے بچوں کو تباہ کر دینے والے ماحول سے بچانے کے لئے صرف ایک راستہ اختیار کرتی ہیں کہ وہ اپنے شوہر کو سو فیصد اپنے قبضہ میں کر لیتی ہیں۔ اور وہ بے چارا شوہر جو آپ کا لخت جگر نور نظر ہے، چکی کے دو پاٹوں (یعنی ماں بہنوں اور بیوی) کے بیچ میں پستا رہتا ہے، جس کے متعلق دنیا کی مثال دیتے ہوئے کبیر بھگتی نے خوب کہا ہے۔

چلتی چکی دیکھ کر دیا کبیرا روئے
دو پاٹن کے بیچ میں ثابت گیا نہ کوئے

اور جس بے چاری بہو کے قبضہ میں نہ شوہر آتا ہے اور نہ اس کے گھر والے تو وہ اپنے ماں باپ اور میکے والوں سے کمک حاصل کرتی ہے۔

یہ سارا تقضیہ اور جھگڑا اور بربادی اس وجہ سے ہمارے معاشرہ میں مروج چلی آ رہی ہیں کہ ہم قرآن و حدیث اور فطرت کے بتائے ہوئے اصولوں سے گریز کرتے ہیں اور ہر شخص اپنا حق اور مقام حاصل کرنا چاہتا ہے دوسروں کا حق مار کر خاص طور پر سسرال والے۔

دارالافتاء میں خدمت کے دوران کئی ایسی شکایات سامنے آئیں جنہیں سن کر

نہایت دکھ ہوا۔

''جب سے میں اس گھر میں آئی ہوں، میرے شوہر نے مجھ کو اور میرے بچوں کو کبھی پیار نہیں دیا۔ بس اپنی ماں اور بہنوں کے کہنے میں رہتا ہے، مجھ کو لونڈی سے بدتر سمجھ رکھا ہے۔ ایسی زندگی سے تو موت ہی اچھی۔''

بقول ساس کے کہ:

''جب سے یہ عورت ہمارے گھر آئی ہے گھر کا چین و سکون، خوشی، راحت سب ختم ہو گئی ہے۔ میاں کو اپنے قبضے میں کر لیا ہے۔ وہ صرف بیوی کی سنتا ہے اور ہم سب اس کے لونڈی غلام ہیں۔''

بہت سے دلخراش واقعات آپ اور ہم اخبارات میں بھی پڑھتے رہتے ہیں کہ ''عورت نے اپنے اوپر مٹی کا تیل چھڑک کر خودکشی کر لی''، ''ساس اور نندوں نے مل کر بہو (بھابھی) کو جلا دیا''

''بیوی کے کہنے پر شوہر نے ماں کا گلا گھونٹ دیا'' یا ''شوہر نے بیوی کو ذبح کر دیا'' وغیرہ وغیرہ۔

اگر ٹھنڈے دل سے ان تمام شکایات اور واقعات پر غور کریں تو ان کے پیچھے ایک ہی چیز کارفرما ہے اور وہ بہو کا ساس سسر، نند و بھاوج کے ساتھ رہنا ہے۔

اب ہم آپ کی تشفی کے لئے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کے اخبار جنگ میں چھپنے والے کالم ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' میں سے ایک مسئلہ نقل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو پڑھنے کے بعد اس کی حقیقت نصیب فرمائے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

میاں بیوی کے درمیان تفریق کرانا گناہ کبیرہ ہے

سوال: شوہر کو اس کی بیوی سے بدظن کرنا کیسا فعل ہے؟

جواب: حدیث میں ہے کہ "وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عورت کو اس کے شوہر کے خلاف بھڑکائے۔" (ابوداؤد جلد ا صفحہ ۲۹۶)

اس سے معلوم ہوا کہ میاں بیوی کے درمیان منافرت پھیلانا اور ایک دوسرے سے بدظن کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ اور ایسا کرنے والے کے بارے میں فرمایا کہ "وہ مسلمانوں کی جماعت میں شامل نہیں۔" جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا یہ فعل مسلمانوں کا نہیں۔ اور قرآن کریم میں میاں بیوی کے درمیان تفریق پیدا کرنے کو یہودی جادوگروں کا فعل بتایا گیا ہے۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد ۵ صفحہ ۱۷۵)

وضاحت: غور کیجئے اس حدیث مبارکہ میں کتنی سخت وعید آئی ہے۔ اور ایک گھر میں مختلف المزاج، بلکہ ضد المزاج دو عورتوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے یہ کام جس کو قرآن کریم نے یہودی جادوگروں کا فعل بتلایا ہے ہمارے ہاں دیورانیوں اور جیٹھانیوں کے ذریعے یا نند و ساس کے ذریعہ ہوتا ہے۔ آپ کہیں بھی اس کا جائزہ لے لیجئے، کسی ملک اور معاشرہ میں بھی جا کر اس کو دیکھ لیجئے، جہاں کہیں بھی بیٹا بہو، ساس اور نند ساتھ رہتے ہیں اور کم قسمتی سے دیورانیاں اور جیٹھانیاں بھی ساتھ ہوں تو وہاں یا تو بیٹے اور بہو میں دلوں کی جدائی ہوگی یا سوچ کی جدائی یا خلع یا میکے بیٹھ جانا۔ یا روز کے جھگڑے ہوں گے یا طلاق ہوگئی ہوگی۔

آپ دور نہ جائیں، اپنے خاندان میں ہی دیکھ لیں۔ فسادی جیٹھانی اور نند نے پٹی پڑھائی یا ساس نے اپنے بیٹے کے کان ایسے بھرے کہ یا تو جدائی ہوگئی یا نہ ختم ہونے والے جھگڑے شروع ہوگئے۔

دولہا صاحب سے گزارش

یہ تو سب نصیحتیں دولہا کے والدین کے لئے تھیں، برائے مہربانی آپ اس کو پڑھ کر ہرگز کوئی ایسے اقدام نہ اٹھایئے گا جس سے آپ کے والدین کو تکلیف پہنچے۔ خدا نہ کرے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس مضمون کو پڑھ کر اپنی والدہ سے یہ کہیں کہ دیکھیں فلاں فلاں مثالیں آپ پر اس طرح صادق آتی ہیں۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ یاد رکھیے! یہ مضمون آپ کے لئے نہیں ہے، یہ آپ کے والدین کے لئے ہے۔ ہرگز آپ کے لئے مناسب نہیں ہے کہ آپ اس طرح والدین سے کہیں۔ خصوصا والدہ محترمہ سے بالکل کچھ نہ کہیے۔ اس لئے ہم نے پہلے ہی آپ کو نصیحت کی ہے کہ بیوی کی کوئی بات سن کر والدہ کو بالکل نہ کہیں۔ اگر بہت مجبوری میں کچھ کہنا ہو تو والدہ کا مزاج دیکھ کر بہت ہی عاجزانہ لہجے میں صرف پوچھنے کی غرض سے کہیے کہ والدہ صاحبہ! کیا ایسی ایسی بات ہوئی تھی؟ اور ہوئی تھی تو والدہ صاحبہ یہ اس طرح کہنا یا بغیر تحقیق کئے ڈانٹ دینا یا دوسری بہوؤں کے سامنے میری بیوی کو ذلیل کر دینا مناسب نہیں وغیرہ وغیرہ۔

ورنہ سب سے بہتر اور اسلم طریقہ تو وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا تھا کہ بیوی کو پہلی رات ہی سمجھا دیں کہ میری والدہ کی طرف سے جو بھی تمہیں تکلیف پہنچے مجھے ہرگز ہرگز مت بتانا اور انہیں تم اپنی والدہ سمجھ کر اس پر صبر کرنا، اسی طرح والدہ صاحبہ سے بھی کہہ دیں کہ یہ آپ کی بیٹی کی طرح ہے آپ کو اس سے جو تکلیف پہنچے تو آپ اسی سے کہہ دیں مجھے مت کہیے گا۔

یہ تو آپ نے ایک نصیحت کر دی اس کے بعد بھی اگر جھگڑے ہوتے رہتے ہیں اور آپ کی بیوی نے آپ کو آپ کی والدہ کی کوئی برائی بتائی تو اپنی والدہ کو ہرگز کچھ نہ کہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جو دولہا کے والد کو ہم نے نصیحتیں کی ہیں وہ آپ

سچے الفاظ میں اور اپنے لہجہ میں کہنا شروع کردیں۔ اور اپنی عاقبت بگاڑ لیں۔

ہاں اگر آپ سمجھتے ہیں والدہ کو خدمت کی ضرورت نہیں ہے یا دوسری بھابھیاں یا چھوٹی بہنیں ہیں تو شادی سے پہلے ہی الگ ہونے سے ذہن میں میل اور دوری پیدا ہو جاتی ہے اور اگر شادی کے بعد الگ ہونا ہے تو بھی یہ نہیں کہ بیوی صاحبہ کے کہنے ہی بغیر تحقیق کے فوراً الگ ہو جائیں۔ اگر اس کو باورچی خانہ الگ نہ ہوا ہے، بھابھیاں بھی نہیں ہیں، یا ہیں تو کوئی تنگ نہیں کر رہا، صرف ساس سسر کے لئے دو روٹیاں پکانی ہیں اور یہ بھی بیوی صاحبہ پر بھاری ہو رہی ہیں، یا بیوی کے کان کسی نے بھر دیئے ہیں، یا اس کی والدہ نے ہی سکھا دیا ہے کہ بس تم صرف اور صرف الگ رہنے کا مطالبہ کرو، تو ایسی صورت میں کوئی قدم اٹھانے سے پہلے خوب غور و فکر کر لیں۔ بعض اوقات بیوی اتنی بھولی بھالی ہوتی ہے کہ وہ ساس سسر کی خدمت بھی کرنا چاہتی ہے اور ساس سسر بھی اس میں خوش ہوتے ہیں کہ پوتے پوتیاں ہمارے پاس ہیں وغیرہ وغیرہ۔۔۔

لیکن بدقسمتی سے دلہن کی ماں یا دلہن کی بہن اس کو غلط پٹی پڑھا دیتی ہیں کہ تو الگ ہو جا، گھر کی رانی بن کر رہے گی، یا جیٹھانی صاحبہ اور دیورانی صاحبہ الگ رہ رہی ہیں اس کو دیکھ کر اس کے اندر بھی یہ جذبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ میں بھی الگ رہوں، اس لئے آپ اتنے زن مرید نہ بنئے کہ ذرا بیوی نے اشارہ کیا اور گئے الگ کرایہ کا مکان ڈھونڈنے۔ بعض دفعہ ناحق یہ اتنی بڑی تبدیلی بچوں کے بگاڑ کا سبب بن جاتی ہے، بچے دادا دادی اور چچا پھوپھی کے پیار و شفقت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ان کے گھرانے کے اچھے طور طریق سیکھنے سے محروم ہو جاتے ہیں، کیونکہ جب آپ اپنی زوجہ اور بچوں کو لے کر بالکل الگ ہو گئے جس کی ایسی شدید ضرورت بھی نہ پڑی تھی، تو پھر آپ کی بیوی اپنے گھرانے کے رنگ ڈھنگ کے موافق آپ کے بچوں کی تربیت کرے گی اور ہو سکتا ہے کہ وہ آپ

کے معیار کے بالکل موافق نہ ہو..... تو یہ آپ کا نقصان ہوا۔

دوسرا نقصان آپ کے والدین کو یہ اٹھانا پڑے گا کہ آپ کی بیوی صاحبہ نے الگ رہنے کا شوشہ چھوڑا۔ یعنی بلاوجہ اور صرف اپنی ماں یا بہنوں کے پٹی پڑھانے پر کہ "تو راج کرے گی" اپنی مرضی سے سوئے گی، جاگے گی، ہم لوگ بھی خوب آیا کریں گے، دولہا بھائی تو صبح کے گئے شام کو آئیں گے وغیرہ۔ لہٰذا تم ایک ہی رٹ لگاؤ کہ الگ رکھو گے تو رہوں گی ورنہ نہیں۔ یا یہ کہو کہ آپ ہمارے گھر آجائیں۔ ہمارے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں ہے وغیرہ وغیرہ بڑا گھر ہے۔ تو کیا یہ محترمہ جو رخصت ہوکر آئی تھی محض ڈھونگ رچانے آئی تھی اور اس کا اصلی مقصد شوہر کی رخصتی کرانا تھا؟

خدارا ہوش کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑیے گا۔ ایک آپ کی بیوی کی وجہ سے جنسا بستا گھرانہ بربادی کے گڑھے میں نہ گر جائے۔ جو پہلے شیر و شکر ہوکر رہ رہے تھے، آپ کی بیوی صاحبہ کی طرف سے الگ رہنے کا شوشہ چھوڑے جانے کی وجہ سے اور بہوؤں کو بھی پر لگے اور تکلیف کرنے سب فرمائش اور ضد کہ سب کو الگ کر دو۔ حالانکہ کسی کو کچھ مشکل نہ تھی اور مل جل کر بڑوں کی دعاؤں کے سائے میں سب رہ رہے تھے۔

اس لئے اگرچہ بے شک بعض صورتوں میں الگ رہنے میں ہی خیر ہے مگر یہ بھی یاد رہے کہ بیوی کی بلاوجہ بیوی کے خادم بن کر بھی ایسا فیصلہ نہ کریں۔ ایسی صورت میں شوہر صاحب اگر سنجیدگی سے کام لیں اور اپنی بیوی صاحبہ کو پیار و محبت سے اور سمجھدار بڑوں کے مشوروں سے تھوڑی سی سختی سے سمجھا دیں، تو ان شاء اللہ تعالیٰ والدین کی دعا بھی مل سکتی ہے اور بیوی بھی خوش رہ سکتی ہے۔

لہٰذا ہم شوہر صاحب سے درخواست کریں گے کہ وہ بیوی صاحبہ کی باتیں سن کر اپنے والدین اور چھوٹے بھائی بہنوں (خصوصاً اگر وہ یتیم ہوں) کو ہرگز

ہرگز شک نہ کریں۔ اور اگر آپ نے اپنے حالات کو دیکھتے ہوئے الگ ہی رہنے کا فیصلہ کیا ہے تو بھی یاد رکھیے کہ یہ والدین آپ کے والدین ہیں آپ کی بیوی کے نہیں ہیں، اس لئے ان کی وہ خدمت جو آپ اپنی بیوی سے ان کی دعائیں لینے کے لئے چاہتے ہیں وہ آپ ہی کر لیں۔ مثلاً روزانہ اپنی وسعت کے مطابق جو کچھ ممکن ہو اپنے والدین اور بھائیوں بہنوں کے لئے ہدیہ لے کر جائیں اور اپنے بچوں اور بچیوں کو بھی ان کے دادا دادی اور چچا پھوپھی کی دعائیں لینے کے لئے لے کر جائیں۔

اور اللہ تعالیٰ سے خوب عاجزی اور گڑگڑا کر دعا مانگیے کہ "اے اللہ! مجھے اپنے والدین کے سارے حقوق ادا کرنے والا بنا اور آپ نے ہمارے والدین کو جو مرتبہ دیا ہے ہمیں بھی وہ مرتبہ پہچاننے اور پھر اس کے شایان شان ہمیں ان کی خدمت کرنے والے بنا، تاکہ تو بھی مجھ سے راضی ہو جائے۔

لیکن ہم یہاں یہ بھی بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر آپ کی بیوی آپ کے والدین کی خدمت کرنے میں آپ کا ساتھ نہ دے تو اس پر جبر و ظلم تو نہ کیجئے، ہاں آپ خود ہرگز اپنے والدین کی خدمت نہ چھوڑیئے۔ اس لئے کہ اگر آپ کے والدین کو اس سے کوئی تکلیف پہنچی تو وہ اتنے دکھی نہیں ہوں گے جتنا آپ کی کسی بات سے تکلیف پہنچنے پر ہوں گے۔ قرآن و حدیث میں والدین کا جو مقام اور ان کی خدمت کی جو اہمیت بیان کی گئی ہے اور اس کی تشریح جو اہل علم حضرات نے بیان فرمائی ہے اب اس کا کچھ خلاصہ ہم بیان کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن و حدیث میں بیان کردہ احکام پر عمل کرنے والا بنائے آمین!

والدین کے حقوق

اللہ جل شانہ، قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

﴿اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۚ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝﴾ (سورۂ بنی اسرائیل آیت: ۲۳ تا ۲۵)

ترجمہ: ''اگر وہ (یعنی ماں باپ) تیرے سامنے (یعنی زندگی میں) بڑھاپے کو پہنچ جائیں، چاہے ایک ان میں سے پہنچے یا دونوں (اور بڑھاپے کی بعض باتیں جوانوں کو گراں ہونے لگتی ہیں اور اس وجہ سے ان کی کوئی بات تجھے گراں ہونے لگے) تب بھی ان سے کبھی ''ہوں'' بھی مت کرنا اور نہ ان سے جھڑک کر بولنا۔ ان سے خوب ادب سے بات کرنا اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری سے جھکے رہنا اور یوں دعا کرتے رہنا کہ اے ہمارے پروردگار! تو ان پر رحمت کر جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے پالا ہے۔ (اور صرف ظاہر داری ہی نہیں بلکہ دل سے ان کا احترام کرنا) تمہارا رب تمہارے دل کی بات کو خوب جانتا ہے۔ اگر تم سعادت مند ہو (اور اگر غلطی سے کوئی بات خلاف ادب سرزد ہو جائے اور تم توبہ کرلو) تو توبہ کرنے والے کی خطائیں بڑی کثرت سے معاف کرنے والا ہے۔''

فائدہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کی تفسیر میں نقل کیا گیا ہے کہ اگر وہ بوڑھے ہو جائیں اور تمہیں ان کا پیشاب پاخانہ دھونا پڑ جائے تو کبھی اف بھی نہ کرو جیسا کہ وہ بچپن میں تمہارا پیشاب پاخانہ دھوتے رہے ہیں۔

(التفسیر المظہری جلد۵ صفحہ ۴۳۱)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر بے ادبی میں اف کہنے سے

کوئی ادنیٰ درجہ ہوتا، تو اللہ جل شانہ اس کو بھی حرام فرما دیتے۔

(معارف القرآن جلد ۵ صفحہ ۴۴۰)

حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے عرض کیا کہ قرآن پاک میں حسن سلوک کا حکم تو بہت جگہ ہے، وہ میں اس کو سمجھ گیا، لیکن "قول کریم" کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ تو انہوں نے اس کا مطلب بتاتے ہوئے فرمایا "جیسا کہ بہت سخت مجرم غلام، سخت مزاج آقا سے بات کرتا ہے۔" (قرطبی جلد ۵ صفحہ ۱۷۸)

ایک حدیث میں ہے:

﴿عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَنْ اَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِیْ قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اَبُوْكَ وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ اُمُّكَ ثُمَّ اُمُّكَ ثُمَّ اُمُّكَ ثُمَّ اَبَاكَ ثُمَّ اَدْنَاكَ اَدْنَاكَ﴾

(مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۴۱۸)

ترجمہ: "حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے دریافت کیا کہ میرے بہترین تعلقات (احسان و سلوک) کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ماں۔" پھر دوبارہ، سہ بارہ ماں کو ہی بتایا۔ پھر (چوتھی بار) فرمایا کہ "باپ" پھر دوسرے رشتہ دار الاقرب فالاقرب (جو جتنا قریب ہو، اتنا ہی مقدم ہے)۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے۔ ان کے ساتھ ایک بڑے میاں بھی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ یہ میرے والد ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ان سے آگے نہ چلنا، ان

سے پہلے نہ بیٹھنا، ان کا نام لے کر نہ پکارنا اور ان کو برا نہ کہنا۔“

(مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۱۴۷ رقم ۱۳۳۹۲)

حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ قرآن پاک میں ان (والدین) کے سامنے جھکنے کا حکم فرمایا ہے، اس کا کیا مطلب ہے، انہوں نے فرمایا کہ اگر وہ کوئی بات تیری ناگواری کی کہیں، تو ترچھی نگاہ سے ان کو مت دیکھ، کہ آدمی کی ناگواری اول اس کی آنکھ سے ہی پہچانی جاتی ہے۔ (قرطبی جلد ۵ صفحہ ۱۰۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ جس نے باپ کی طرف تیز نگاہ کر کے دیکھا، وہ فرماں بردار نہیں ہے۔

(مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۱۰۸ رقم ۱۳۳۹۷)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز کا اپنے وقت پر پڑھنا۔ میں نے عرض کیا کہ اس کے بعد کونسا عمل ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ میں نے عرض کیا کہ اس کے بعد، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جہاد۔ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۹۰ باب فضل الجہاد والسیر)

(ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہے کہ اللہ کی رضا والد کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے۔)

(مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۴۱۹)

صاحب مظاہر حق نے لکھا ہے کہ ماں باپ کے حقوق میں سے یہ ہے کہ انکی تواضع کرے اور ادائے خدمت کرے کہ وہ راضی ہو جائیں۔ جائز کاموں میں ان کی اطاعت کرے، بے ادبی نہ کرے، تکبر سے پیش نہ آئے، اگرچہ وہ کافر ہی ہوں۔ اپنی آواز کو ان کی آواز سے بلند نہ کرے، ان کو نام لے کر نہ پکارے، کسی

کام میں ان سے پہل نہ کرے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں نرمی کرے۔ ایک بار کہے، اگر وہ قبول نہ کریں تو خود سلوک کرتا رہے اور ان کے لئے دعا و استغفار کرتا رہے۔ یہ بات قرآن پاک سے نکالی ہے۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اپنے باپ کو نصیحت کرنے سے (مظاہر حق جدید جلد ۴ صفحہ ۵۰۸، ۵۰۹) حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ نصیحت کرنے کے بعد کہہ دیا تھا کہ "اچھا اب میں اللہ سے تمہارے لئے دعا کرتا ہوں" جیسا کہ سورۂ مریم کے تیسرے رکوع میں آیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں جس کے والدین حیات ہوں اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہو اور اس کے لئے جنت کے دروازے نہ کھل جاتے ہوں۔ اور اگر ان کو ناراض کردے تو اللہ جل شانہ اس وقت تک راضی نہیں ہوتے جب تک ان کو راضی نہ کرے۔ کسی نے عرض کیا کہ اگر وہ ظلم کرتے ہوں؟ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، اگرچہ وہ ظلم کرتے ہوں۔ (اخرجہ بخاری فی الادب المفرد)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے، اور جہاد میں شرکت کی درخواست کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری والدہ زندہ ہیں، انہوں نے عرض کیا، زندہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کی خدمت کو مضبوط پکڑ لو، جنت ان کے پاؤں کے نیچے ہے۔ (مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۳۲)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میرا جہاد کو بہت دل چاہتا ہے لیکن مجھ میں قدرت نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمہارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا، والدہ زندہ ہیں۔ حضور صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو (یعنی ان کے حقوق کی ادائیگی میں فتویٰ سے آگے بڑھ کر تقویٰ پر عمل کرتے رہو)۔ جب تم ایسا کرو گے تو تم حج کرنے والے بھی ہو، عمرہ کرنے والے بھی ہو، جہاد کرنے والے بھی ہو۔ یعنی جتنا ثواب ان چیزوں میں ملتا ہے، اتنا ہی تمہیں ملے گا۔

(الترغیب والترہیب جلد ۳ صفحہ ۲۱۹)

حضرت محمد بن المنکدر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرا بھائی عمر تو نماز پڑھنے میں رات گزارتا تھا اور میں والدہ کے پاؤں دبانے میں رات گزارتا تھا۔ مجھے اس کی کبھی تمنا نہ ہوئی کہ ان کی رات (کا ثواب) میری رات کے بدلہ میں مجھے مل جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ عورت پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خاوند کا۔ میں نے پھر پوچھا کہ مرد پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ماں'' کا۔

(الترغیب والترہیب جلد ۳ صفحہ ۲۳۲)

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم لوگوں کی عورتوں کے ساتھ عفیف رہو، تمہاری عورتیں بھی عفیف رہیں گی۔ تم اپنے والدین کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو، تمہاری اولاد تمہارے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرے گی۔

(الترغیب والترہیب جلد ۳ صفحہ ۲۱۸)

حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک شخص کے چار بیٹے تھے۔ وہ بیمار ہوا۔ ان بیٹوں میں سے ایک نے اپنے تین بھائیوں سے کہا کہ اگر تم باپ کی تیمارداری اس شرط پر کرو کہ تم کو باپ کی میراث میں سے کچھ نہیں ملے گا، تو تم کرو ورنہ میں اس شرط پر تیمارداری کرتا ہوں کہ میراث میں سے کچھ نہ لوں گا۔ وہ

اس پر راضی ہو گئے کہ آج کی اس شرط پر تیمارداری کرو، ہم نہیں کرتے۔ اس نے خوب خدمت کی۔ لیکن باپ کا انتقال ہی ہو گیا اور شرط کے موافق اس نے کچھ نہ لیا۔ رات کو خواب میں دیکھا، کوئی شخص کہتا ہے "فلاں جگہ سو دینار (اشرفیاں) گڑے ہوئے ہیں، وہ تو لے لے۔" اس نے خواب میں ہی دریافت کیا کہ ان میں برکت بھی ہوگی؟ جواب ملا کہ برکت ان میں نہیں ہے۔ صبح کو بیوی سے خواب کا ذکر کیا۔ اس نے ان کے نکالنے پر اصرار کیا مگر وہ نہ مانا۔ دوسرے دن پھر خواب دیکھا جس میں کسی دوسری جگہ دس دینار بتائے۔ اس نے پھر وہی برکت کا سوال کیا۔ پھر جواب ملا کہ برکت ان میں نہیں ہے۔ اس نے صبح کو بیوی سے اس کا بھی ذکر کیا۔ اس نے پھر اصرار کیا مگر اس نے نہ مانا۔ تیسرے دن اس نے پھر خواب دیکھا، کوئی شخص کہتا ہے۔ فلاں جگہ ہے۔ وہاں تجھے ایک دینار (اشرفی) ملے گا۔ وہ لے لے۔ اس نے پھر وہی برکت کا سوال کیا۔ اس شخص نے کہا "ہاں! اس میں برکت ہے۔" یہ جا کر وہ دینار لے آیا اور بازار میں جا کر اس سے دو مچھلیاں خریدیں۔ جن میں سے ہر ایک کے اندر سے ایک ایسا موتی نکلا کہ اس جیسا کبھی کسی نے دیکھا نہیں تھا۔ بادشاہ نے ان دونوں کو بہت اصرار سے نوے خچروں کے بوجھ کے بقدر سونے کے عوض خریدا۔

والدین کے ادب کی رعایت، خصوصاً بڑھاپے میں

والدین کی خدمت و اطاعت والدین ہونے کی حیثیت سے کسی زمانے اور کسی عمر کے ساتھ مقید نہیں، ہر حال میں اور ہر عمر میں والدین کے ساتھ اچھا سلوک واجب ہے۔ لیکن واجبات و فرائض کی ادائیگی میں جو حالات عادۃً رکاوٹ بنا کرتے ہیں، ان میں قرآن حکیم کا عام اسلوب یہ ہے کہ احکام پر عمل کو آسان کرنے کے لئے مختلف پہلوؤں سے ذہنوں کی تربیت بھی کرتا ہے اور اپنے

حالات میں تعمیل احکام کی پابندی کی مزید تاکید بھی۔

والدین کے بڑھاپے کا زمانہ جب کہ وہ اولاد کی خدمت کے محتاج ہو جائیں، ان کی زندگی کے رحم وکرم پر رہ جائے، اگر اولاد کی طرف سے ذرا سی بے رخی محسوس ہو تو وہ ان کے دل کا زخم بن جاتی ہے۔ دوسری طرف بڑھاپے کے عوارض طبعی طور پر انسان کو چڑچڑا بنا دیتے ہیں۔ تیسرے بڑھاپے کے آخری دور میں جب عقل وفہم بھی جواب دینے لگتے ہیں تو ان کی خواہشات ومطالبات کچھ ایسے بھی ہو جاتے ہیں جن کو پورا کرنا اولاد کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ قرآن حکیم نے ان حالات میں والدین کی دلجوئی اور راحت رسانی کے احکام دینے کے ساتھ انسان کو اس کا زمانہ طفولیت یاد دلایا کہ کسی وقت تم بھی اپنے والدین کے اس سے زیادہ محتاج تھے جس قدر آج وہ تمہارے محتاج ہیں۔ تو جس طرح انہوں نے اپنی راحت وخواہشات کو اس وقت تم پر قربان کیا اور تمہاری بے عقلی کی باتوں کو شفقت کے ساتھ برداشت کیا، اب جب کہ ان پر محتاجی کا یہ وقت آیا تو عقل و شرافت کا تقاضا ہے کہ ان کے اس سابق احسان کا بدلہ ادا کرو۔ آیت میں "**كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا**" سے اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور آیت مذکورہ میں والدین کے بڑھاپے کی حالت کو پہنچنے کے وقت چند تاکیدی احکام دیئے گئے ہیں۔

اول یہ کہ ان کو اف بھی نہ کہے۔ لفظ "اف" سے مراد ہر ایسا کلمہ ہے جس سے اپنی ناگواری کا اظہار ہو۔ یہاں تک کہ ان کی بات سن کر اس طرح لمبا سانس لینا جس سے ان پر ناگواری کا اظہار ہو، وہ بھی اسی کلمہ اف میں داخل ہے۔ ایک حدیث میں ہے بروایت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایذاء رسانی میں اف کہنے سے بھی کم کوئی درجہ ہوتا تو یقیناً وہ بھی ذکر کیا جاتا (حاصل یہ ہے کہ جس چیز سے ماں باپ کو کم سے کم بھی اذیت پہنچے وہ بھی ممنوع ہے)۔

دوسرا حکم "وَلَا تَنْهَرْهُمَا" نہر کے معنی جھڑکنے، ڈانٹنے کے ہیں۔ اس کا سبب ایذا ہونا ظاہر ہے۔ تیسرا حکم "وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا" ہے۔ پہلے دو حکم منفی پہلو سے متعلق تھے، جن میں والدین کی ادنیٰ سے ادنیٰ بار خاطر کو روکا گیا ہے۔ اس تیسرے حکم میں مثبت انداز سے والدین کے ساتھ گفتگو کا ادب سکھایا گیا ہے کہ ان سے محبت و شفقت کے نرم لہجہ میں بات کی جائے۔ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی شرح میں فرمایا، جس طرح کوئی غلام اپنے تُند مزاج آقا سے بات کرتا ہے۔

چوتھا حکم "وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ" ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کے سامنے اپنے آپ کو عاجز و ذلیل آدمی کی صورت میں پیش کرے، جیسے غلام آقا کے سامنے۔ جناح کے معنی "بازو" کے ہیں۔ لفظی معنی ان الفاظ کے یہ ہیں کہ والدین کے لئے اپنے بازو عاجزی کے ساتھ جھکائے۔ آخر میں "مِنَ الرَّحْمَةِ" کے لفظ سے تنبیہ تو اس پر مقصود کیا کہ والدین کے ساتھ یہ معاملہ محض دکھاوے کا نہ ہو، رحمت و عزت کی بنیاد پر ہو۔ دوسرے شاید اشارہ اس طرف بھی ہے کہ والدین کے سامنے ذلت کے ساتھ پیش آنا حقیقی عزت کا مقدمہ ہے۔ کیونکہ یہ واقعی ذلت نہیں، بلکہ اس کا سبب شفقت و رحمت ہے۔

پانچواں حکم "وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا" جس کا حاصل یہ ہے کہ والدین کی پوری راحت رسانی تو انسان کے بس کی بات نہیں۔ اپنی مقدور بھر راحت رسانی کی فکر کے ساتھ ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتا رہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کی سب مشکلات کو آسان اور تکلیفوں کو دور فرمائے۔ یہ آخری حکم ایسا وسیع اور عام ہے کہ والدین کی وفات کے بعد بھی جاری ہے، جس کے ذریعہ وہ ہمیشہ والدین کی خدمت کر سکتا ہے۔

مسئلہ: والدین اگر مسلمان ہوں تو ان کے لئے رحمت کی دعا ہر وقت کی جا سکتی

ہے، لیکن اگر وہ مسلمان نہ ہوں تو ان کی زندگی میں یہ دعا اس نیت سے جائز ہوگی کہ ان کو دنیوی تکلیف سے نجات ہو اور ایمان کی توفیق ہو۔ مرنے کے بعد ان کے لئے دعائے رحمت جائز نہیں۔ (قرطبی مختصا جلد۵صفحہ۷۹:)

ایک واقعہ عجیب

قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اسناد متصل کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی کہ میرے باپ نے میرا مال لے لیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے والد کو بلا کر لاؤ۔ اسی وقت جبرئیل امین تشریف لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ جب اس کا باپ آجائے تو آپ اس سے پوچھیں کہ وہ کلمات کیا ہیں جو اس نے دل میں کہے ہیں، خود اس کے کانوں نے بھی ان کو نہیں سنا؟ جب یہ شخص اپنے والد کو لے کر پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے والد سے کہا کہ کیا بات ہے؟ آپ کا بیٹا آپ کی شکایت کرتا ہے۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ اس کا مال چھین لیں؟

والد نے عرض کیا کہ آپ اسی سے یہ سوال فرمائیں کہ میں اس کی پھوپھی، خالہ یا اپنے نفس کے سوا کہاں خرچ کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ایہ" (جس کا مطلب یہ تھا کہ بس حقیقت معلوم ہوگئی اب اور کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں)۔ اس کے بعد اس کے والد سے دریافت کیا کہ وہ کلمات کیا ہیں جن کو ابھی تک خود تمہارے کانوں نے بھی نہیں سنا؟ اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ آپ پر ہمارا ایمان اور یقین بڑھا دیتے ہیں (یعنی جو بات کسی نے نہیں سنی، اس کی آپ کو اطلاع ہوگئی، جو ایک معجزہ ہے)۔

پھر اس نے عرض کیا کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ میں نے چند اشعار دل میں کہے تھے جن کو میرے کانوں نے بھی نہیں سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ہمیں سناؤ اس وقت اس نے یہ اشعار سنائے

غَذَوْتُكَ مَوْلُوْدًا وَمُنْتُكَ يَافِعًا
تُعَلُّ بِمَا اَجْنِيْ عَلَيْكَ وَتَنْهَلُ

ترجمہ: ''میں نے تجھے بچپن میں غذا دی اور جوان ہونے کے بعد بھی تمہاری ذمہ داری اٹھائی تمہارا سب کھانا پینا میری ہی کمائی سے تھا۔''

اِذَا لَيْلَةٌ ضَافَتْكَ بِالسُّقْمِ لَمْ اَبِتْ
لِسُقْمِكَ اِلَّا سَاهِرًا اَتَمَلْمَلُ

ترجمہ: ''جب کسی رات میں تجھے کوئی بیماری پیش آ گئی تو میں نے تمام رات تیری بیماری کے سبب بیداری اور بے قراری میں گزاری۔''

كَاَنِّيْ اَنَا الْمَطْرُوْقُ دُوْنَكَ بِالَّذِيْ
طُرِقْتَ بِهٖ دُوْنِيْ فَعَيْنِيْ تَهْمَلُ

ترجمہ: ''گویا کہ تیری بیماری مجھے ہی لگی ہے تجھے نہیں جس کی وجہ سے میں تمام شب روتا رہا۔''

تَخَافُ الرَّدٰى نَفْسِيْ عَلَيْكَ وَاِنَّهَا
لَتَعْلَمُ اَنَّ الْمَوْتَ وَقْتٌ مُؤَجَّلُ

ترجمہ: ''میرا دل تیری ہلاکت سے ڈرتا رہا، حالانکہ میں جانتا تھا کہ موت کا ایک دن مقرر ہے، آگے پیچھے نہیں ہو سکتی۔''

فَلَمَّا بَلَغْتَ السِّنَّ وَالْغَايَةَ الَّتِيْ
اِلَيْهَا مَدٰى مَا كُنْتُ فِيْكَ اُؤَمِّلُ

ترجمہ: ''پھر جب تو اس عمر اور اس حد تک پہنچ گیا جس کی میں تمنا کیا

کرتا تھا۔"

جَعَلْتَ جَزَائِیْ غِلْظَۃً وَّفِظَاظَۃً
کَاَنَّکَ اَنْتَ الْمُنْعِمُ الْمُتَفَضِّلُ

ترجمہ: "تو تو نے میرا بدلہ سختی اور سخت کلامی بنا دیا۔ گویا کہ تو ہی مجھ پر احسان وانعام کر رہا ہے۔"

فَلَیْتَکَ اِذْ لَمْ تَرْعَ حَقَّ اُبُوَّتِیْ
فَعَلْتَ کَمَا الْجَارُ الْمُصَاقِبُ یَفْعَلُ

ترجمہ: "کاش! اگر تجھ سے میرے باپ ہونے کا حق ادا نہیں ہوسکتا تو کم از کم ایسا ہی کر لیتا جیسا ایک شریف پڑوسی کیا کرتا ہے۔"

فَاَوْلَیْتَنِیْ حَقَّ الْجِوَارِ وَلَمْ تَکُنْ
عَلَیَّ بِمَالٍ دُوْنَ مَالِکَ تَبْخَلُ

ترجمہ: "تو کم از کم مجھے پڑوسی کا حق تو دیا ہوتا اور خود میرے ہی مال میں میرے حق میں بخل سے کام نہ لیا ہوتا۔"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اشعار سننے کے بعد بیٹے کا گریبان پکڑ لیا اور فرمایا۔ "اَنْتَ وَمَالُکَ لِاَبِیْکَ" یعنی جا تو بھی اور تیرا مال بھی سب تیرے باپ کا ہے۔ (تفسیر قرطبی جلد ۵ صفحہ ۲۴۹، بحوالہ معارف القرآن جلد ۵ صفحہ ۴۶۸)

لہٰذا بوڑھے والدین کا بہت ہی زیادہ خیال رکھے اور یاد رکھے کہ اس عالم پیری اور ناتوانی میں تمام گھلا دینے والی بیماریاں، جوان بوڑھوں کو محض ہڈی کا ڈھانچہ بنا دیتی ہیں درا صل کوئی خاص بیماری نہیں ہوتی، بلکہ یہ تو ایک کیفیت ہوتی ہے جو احساس تنہائی، مایوسی، ناامیدی، ماضی کی یادوں اور مستقبل کے خدشات کی غمازی کرتی ہے کہ "ہائے اب میں کیا کروں"... میں اکیلی ہی رہ گئی۔ ایک ہی بہن تھی وہ بھی اللہ کو پیاری ہوگئی، کوئی بہو بھی اچھی نہ ملی، بیٹوں نے بھی آنا چھوڑ

دیا...... بیٹی کو بھی سکھ نہیں ملا وغیرہ وغیرہ...... یا کوئی بوڑھا اور ضعیف اپنی شریک حیات کو عمر کے ایسے آخری کنارے پر کھو بیٹھتا ہے جو اس کے ساتھ محبت کرتی تھی، ہر طرح اس کو سہارا دیتی تھی۔ اور جیسے جیسے عمر ڈھلتی جاتی ہے وہ اپنے چاہنے والوں اور محبت کرنے والوں سے محروم ہوتے چلے جاتے ہیں، یہی کیفیات ہیں جن کو عرف عام میں بیماریوں اور معذوریوں اور بڑھاپے کی ناکاریوں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

بہر حال! اگر آپ کے والدین بوڑھے ہو رہے ہیں تو یہ آپ کی بہت ہی بڑی خوش قسمتی اور سعادت ہوگی کہ آپ اور آپ کی اہلیہ ان کے لئے اعتماد اور ہمت پیدا کرنے کا ذریعہ بنیں کہ "پیارے ابا، پیاری امی! آپ کسی قسم کی فکر نہ کریں۔" بلکہ جس طرح آپ اپنے بچوں کی تربیت کر رہے ہیں، اسی طرح ان کی ہر کڑوی کسیلی کو برداشت کریں تو یہ آپ کی بہت بڑی سعادت ہوگی۔

اپنا مقام پہچانیے، زن مرید نہ بنیے

ہم نے جو پچھلے مضامین میں آپ کو بیوی سے نرم رویہ اختیار کرنے اور اس کی دل جوئی کا خیال رکھنے اور اس کی کسی نامناسب بات یا کام پر تحمل اور برداشت سے کام لینے، یا اس کی واقعی غلطی پر بھی تنبیہ کرتے وقت طعنہ دینے یا بداخلاقی ...... سے احتیاط کرنے کی ترغیب دی ہے تو اس کا یہ حاصل نہ سمجھئے گا کہ بیوی آپ پر حاکم ہے اور آپ محکوم۔ وہ آپ کو ڈانٹ اور جھڑک سکتی ہے اور آپ کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ایسا ہرگز نہیں۔ لہٰذا خبردار! زن مرید نہ بنیے گا۔ نرمی کا رویہ رکھنا اپنی جگہ، ضروری فرمائش کی جائز چیزیں بے شک اسے لا کر دیں، لیکن "کھلاؤ سونے کا نوالہ دیکھو شیر کی آنکھ سے" اس نصیحت کو بھی یاد رکھیے جو بڑوں نے سالہا سال کے تجربوں کے بعد بتائی ہے۔

یاد رکھئے! گھر کے سربراہ کی حیثیت سے آپ کا ایک مقام اور ذمہ داری ہے۔ آپ کے ڈھیلے پن سے گھر کا نظام اندھیر نگری چوپٹ راج کا مصداق ہے، بچے بگڑ سکتے ہیں، بیٹیاں باپ کو ماں کے سامنے دبتا دیکھیں گی تو وہ بھی اپنے شوہروں سے ایسے ہی رویے کی متمنی ہو جائیں گی اور پھر گھرانے کے گھرانے اجڑیں گے۔

ہاں، شفقت کا معاملہ رکھیے، اس لئے کہ بزرگوں نے بھی یہی فرمایا ہے کہ شفقت کرنے والے میں جو رعب ہے وہ ہر وقت ڈانٹ ڈپٹ کرنے والے میں نہیں ہوتا۔

بے شک بیوی آپ کی جانب سے حسن سلوک اور نرم رویے کی محتاج ہے، لیکن ایسا رویہ جو خود کو محکوم بنا دے، سراسر غلط ہے۔ حدیث کی رو سے یہ حکم بھی ہے کہ خود کو ذلیل کرنا جائز نہیں ہے، اور ظاہر ہے کہ مرد کو بوجہ اس کے مرد ہونے کے اللہ تعالیٰ نے جو مقام دیا ہے اس کو کھونا، اس کی ناقدری کرنا خود اپنے آپ کو ذلیل کرنا ہے۔ شوہر اگر حالاً یا قالاً بیوی کی ہر بات پر، اس کے اشارے پر سوچے سمجھے بغیر فوراً حرکت میں آ جائے تو وہ زن مرید ہی کہلائے گا۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ عورت ناقص العقل والدین ہے، امامت کرنا اور اذان دینا اس کے لئے جائز نہیں، بغیر محرم مرد کے سفر نہیں کر سکتی۔ (یعنی شرعاً اجازت نہیں)، ہر ماہ کچھ عرصہ (عام طور پر) نماز پڑھنا اس کے لئے ناجائز ہے، میراث سے اس کا آدھا حصہ، کمائی کا اس کو ذمہ دار نہیں بنایا گیا اس کا خرچہ نفقہ اس کے والد، شوہر، دادا، بیٹے، وغیرہ پر ہے، اس کی گواہی نصف ہے عام حکم میں، یہ خود اپنے نکاح سے جدا نہیں ہو سکتی، حج میں اس کو لبیک تیز آواز میں کہنا جائز نہیں۔ یہ یاد رہے کہ ان شرعی احکام ہی میں عورت کی عزت ہے۔ قرآن پاک میں ہے "اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ" (سورۃ الملک آیت ۱۴) (بھلا کیا وہ نہ جانے جس نے

پیدا کیا)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے "وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ" (سورۂ مؤمنون آیت ۱۷) (اور نہیں ہیں ہم اپنی مخلوق (کی مصلحتوں اور ضروریات) سے غفلت رکھنے والے۔)

بناؤ سنگھار اس کی گھٹی میں پڑا ہے، بننے سنورنے، اور اوپر اوپر اترا ہٹ کے اسباب اختیار کرنا اس کا شیوہ ہے جو کہ بقول حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے خود دلیل ہے کمال سے محروم ہونے کی، کیونکہ جو باکمال ہوں وہ مصنوعی اسباب عزت کے اختیار نہیں کرتے کہ تمام طور پر کسی دنیوی فن ہی میں ماہر مثلاً طبیب حاذق، ماہر انجینئر، بہترین مصنف عمدہ کاریگر وغیرہ کو دیکھ لیجئے، سیدھے سادھے لباس میں رہتے ہیں، کیونکہ ان کی وجاہت اور شہرت کے لئے یہی کافی ہوتا ہے کہ وہ کسی ہنر اور فن میں کمال پیدا کر چکے ہوتے ہیں، (وہ ظاہری بناوٹ سے عام طور پر آزاد ہوتے ہیں اور عورتیں اپنے کمال کی کمی کو اوپر کی سجاوٹ سے چھپاتی ہیں)۔ مزید یہ کہ جھگڑے کے وقت کھل کر مدعا یہ بیان نہیں کر سکتی، علیٰ ہذا القیاس۔ اس وقت کسی عورت کے دینی مناصب یا دنیوی وجاہت یا ان کے اسباب وغیرہ کا تذکرہ کرنا مقصود نہیں۔ ہمارا یہ مقصود ہے کہ پھر یہ صنف نازک آپ پر اگر کسی طرح حاوی ہوتی ہے یا آپ اس کے "ہاں جی" والے غلام بنتے ہیں تو آپ کائنات کے نظام میں فساد کا بیج بو رہے ہیں۔

آپ ذرا غور کریں، آپ تھکے ہارے بیٹھے ہیں۔ گھر میں ضرورت کے موافق کھانا سادگی سے تیار ہے، لیکن آپ کی اہلیہ زبردستی کر رہی ہے کہ اسی وقت باہر کسی ریسٹوران میں کھانا کھانے چلیں، یا بچوں کو فلاں (Toy Land) (کھیلنے کی چیزوں کا مرکز) سے وہ بیٹری سے چلنے والی ساڑھے چھ سو والی گاڑی دلائیں، یا میری بہن کی شادی ہو رہی ہے، کچھ گفٹ دلوا دیجئے وغیرہ وغیرہ۔ آپ کے ذہن پر دن جھیلے ہیں۔ تنخواہ سے بجلی، گیس کا بل نکالنا مشکل ہو رہا ہے، چلو یہ جانا ہے

اس کے لئے پیسے جمع کرنے ہیں، بہن کی شادی کے لئے پیسے جمع کرنا ہے وغیرہ وغیرہ، بیوی صاحبہ اپنی فرمائشوں پر مصر ہیں۔ اب آپ کشمکش و پیچ میں پڑ رہے ہیں کہ اگر اب اسی وقت یہ فرمائشیں پوری نہ ہوئیں تو بس! پھر تین دن تک بیگم صاحبہ کا منہ بنا رہے گا۔

اس لئے چار و ناچار آپ سارے کام چھوڑ چھاڑ کر لباس تبدیل کر کے چلنے کے لئے تیار ہو رہے ہیں تو خوب سمجھ لیں کہ اس کے نقصانات تنہا آپ ہی کو برداشت کرنے پڑیں گے اور بیوی تو روز بروز شیر ہوتی جائے گی۔

لہٰذا آپ ان چیزوں میں اس طرح نہ دبیں کہ وہ آپ پر حاوی ہو کر آپ کے بھی نظام خراب کرے۔ مرد اور سردار بن کر رہیں۔ آپ گھر کے بادشاہ ہیں۔ حکم آپ کا ہی نافذ رہے گا۔ وہ وزیر ہے، وہ اس کے نفاذ میں ہاتھ بٹائے گی اور گھر کی رعایا اس سے فائدہ اٹھائے .. بیوی سے ڈرے سہمے مت رہیں۔ اللہ تعالیٰ سے اپنا معاملہ صاف رکھیں: گھر میں تعلیم کریں، دنیا کی بے رغبتی اور آخرت کی ترقی کے تذکرے ضرور کریں، رات کو اٹھ کر مانگیں اور پھر اگر صوفی باصفا بننے کا طعنہ بھی ملنے لگے، اس پر بھی صبر کریں، بلکہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اسے بھی قلب کی صفائی والا بنا دے کسی ایک تجربہ کار عالم دین سے مشورہ لیتے رہیں۔ بلکہ کبھی کبھار بیوی کے گھر کے بڑوں سے بھی ضروری احوال کا مشورہ برائے گھریلو اصلاح (نہ کہ بطور شکایت یا غیبت) کرتے رہیں۔ بلکہ اگر بیوی سے کوئی شکایت ہو اور اس کی اصلاح نہ ہو رہی ہو تو بیوی کے والد کو ضرور بتائیں۔

بعض اوقات دولہا اپنے سسر صاحب کو کچھ نہیں بتاتا اور بیوی صاحبہ اپنی بہنوں، خالاؤں اور والدہ کو مرچ مصالحہ لگا کر اپنی برائیاں بتلاتی ہیں اور وہ عورتیں اس دلہن کو ایسے غلط مشورے دیتی ہیں کہ دونوں خاندان تباہی کے دہانے پر پہنچ جاتے ہیں۔ جب سسر صاحب کو معلوم ہوتا ہے تو کفِ افسوس ملتے رہ جاتے ہیں۔

اپنے ہی نوجوانوں کا تجربہ ہے کہ انہوں نے جو گھر کا ماجرا ساری دنیا کو بتا دیا لیکن لڑکی کے والدین کو بتلایا، اور بعد میں بہت پچھتائے۔ لہٰذا ہر دولہا سے ہم گزارش کرتے ہیں کہ کوئی شکایت ہو تو خود سدھار کی کوشش کریں، پھر دعا کریں۔ پھر بھی کوئی صورت نہ بنے تو بات کی واسطے کے اپنے سسر سے کہیے، ان کی غیر موجودگی میں بیوی کے بڑے بھائی سے یا کسی اور محرم سے بات کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ آمین!

بے شک بالکل گھر میں ایسے رہیں کہ جیسے بچے شیر و شکر ہو کر آپس میں رہتے ہیں۔ مگر اس میں اپنا رعب بھی رہے۔ سارا گھر آپ کے اشارۂ ابرو پر چلے۔ آپ نے کہہ دیا کہ فلاں تقریب میں گناہوں کا ڈر ہے، وہاں کوئی نہ جائے، تو بس۔ پھر کوئی نہ جائے۔ جب اس گھر میں کوئی اللہ کا حکم نہیں توڑے گا، پھر کیا مجال ہے کہ کسی کی نماز قضا ہو یا کوئی گھر میں ٹی وی لائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی اور ناصر ہو اور آپ کی محبت آپ کی بیوی کے دل میں ایسی ڈال دے کہ آپ کی اطاعت خوش دلی سے کرے۔ آمین!

خاندانی نظام

عائلی زندگی معاشرے کا وہ بنیادی پتھر ہے جس پر تہذیب و تمدن کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ اگر معاشرے میں خاندانی نظام کا ڈھانچہ ٹوٹ پھوٹ اور افراتفری کا شکار ہو، تو خواہ زمینیں سونا اگل رہی ہوں، یا مشینوں سے لعل و جواہر برآمد ہو رہے ہوں، زندگی سکون سے محروم ہو جاتی ہے۔ آج یورپ اور امریکہ کی وہ دنیا جو سیاسی اور معاشی اعتبار سے ہمہ عروج اور ترقی پذیر ملکوں کے لئے قابلِ رشک سمجھی جاتی ہے، خاندانی نظام کی ٹوٹ پھوٹ کی وجہ سے ایک سنگین مسئلے سے دوچار ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دولت کی ریل پیل اور تیز رفتار مادی ترقی کے

باوجود لوگ ایک انجانے اضطراب کا شکار ہیں۔ اپنی اندرونی بے چینی سے گھبرا کر کوئی یوگا کے دامن میں پناہ لے رہا ہے اور کوئی نشیات اور خواب آور دواؤں میں سکون ڈھونڈ رہا ہے، اور جب ان میں سے کوئی چیز اس بے چینی کا علاج نہیں کر پاتی تو آخری چارہ کار کے طور پر لوگ خود کشی کر لیتے ہیں، اور خود کشی کرنے والوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

ابھی کچھ عرصہ پہلے میں سوئٹزر لینڈ میں تھا۔ میرے میزبانوں نے آمد و رفت کے لئے جس گاڑی کا انتظام کیا تھا اس کا ڈرائیور ایک اطالوی نسل کا تعلیم یافتہ آدمی تھا اور انگریزی روانی سے بولتا تھا۔ وہ چند روز میرے ساتھ رہا۔ اس کی عمر چالیس سال کے قریب تھی لیکن ابھی تک اس نے شادی نہیں کی تھی۔ میرے پوچھنے پر اس نے سبب یہ بتایا کہ ہمارے معاشرے میں شادی اکثر اس لئے بے مقصد ہو جاتی ہے کہ شادی کے بعد شوہر اور بیوی کے درمیان زندگی کی پائیدار رفاقت کا تصور بہت کمیاب ہے۔ یہاں شادی اب محض ایک رسمی تعلق کا نام رہ گیا ہے جس کا مقصد بڑی حد تک ایک دوسرے سے مالی فوائد حاصل کرنا ہوتا ہے۔ بہت سی خواتین شادی کے بعد جلد ہی طلاق حاصل کر لیتی ہیں اور یہاں کے قوانین کے مطابق شوہر کی جائیداد کا بڑا حصہ اینٹھ کر اسے دیوالیہ کر جاتی ہیں، اور یہ پہچاننا مشکل ہوتا ہے کہ کونسی عورت صرف شوہر کی جائیداد پر قبضہ کرنے کے لئے شادی کر رہی ہے اور کون سی وفاداری کے ساتھ زندگی گزارنے کے لئے۔ اس نے حسرت بھرے انداز میں یہ بات کہہ کر ساتھ ہی یہ تبصرہ بھی کیا کہ آپ کے ایشیائی ممالک میں شادی واقعی بامقصد ہوتی ہے اس سے ایک جڑا ہوا خاندان وجود میں آتا ہے جس کے افراد آپس میں دکھ سکھ کے ساتھی ہوتے ہیں۔ ہم ایسے خاندانی ڈھانچے سے محروم ہوتے جا رہے ہیں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا تمہارے والدین یا بہن بھائی تمہیں اچھی بیوی کی تلاش میں مدد نہیں دیتے؟ اس

نے یہ سوال بڑے تعجب کے ساتھ سنا، اور کہنے لگا کہ "میرے والدین تو رخصت ہو چکے۔ بہن بھائی ہیں۔ لیکن ان کا میری شادی سے کیا تعلق؟ ہر شخص اپنے مسائل کو خود ہی حل کرتا ہے۔ میری تو ان سے ملاقات کو بھی سال گزر جاتے ہیں۔"

یہ ٹیکسی ڈرائیور کے تاثرات تھے واضح رہے کہ یورپ کے سفید فام ڈرائیور بھی اکثر پڑھے لکھے اور بعض اوقات خاصے تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ جس ڈرائیور کا میں نے ذکر کیا اس کا نام آرلینڈو تھا۔ وہ گریجویٹ تھا، اور تاریخ، جغرافیہ اور بہت سے سماجی معاملات پر اس کا مطالعہ خاصا وسیع تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنے ذاتی حالت کی وجہ سے کچھ مبالغے سے بھی کام لیا ہو، لیکن مغرب میں خاندانی ڈھانچے کی ٹوٹ پھوٹ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر زیادہ دلائل قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بات پوری دنیا میں مشہور و معروف ہے۔ مغرب کے اہل فکر اس پر ماتم کر رہے ہیں اور اس کے علاج کی سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں، مگر مرض بڑھنے کی رفتار اتنی زیادہ ہے کہ ہر تدبیر بے اثر ہو کر رہ جاتی ہے۔

سابق سوویت یونین کے آخری صدر میخائل گورباچوف اب دنیا کے سیاسی منظر سے تقریباً غائب ہو چکے ہیں، لیکن ان کی کتاب پریسترائیکا (Perestroika) جو انہوں نے اپنے اقتدار کے زمانے میں لکھی تھی، نہ صرف سوویت یونین، بلکہ پورے مغرب کے سماجی اور معاشی نظام پر ایک جرأت مندانہ تبصرے کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کے بعض حصوں میں آج بھی غور و فکر کا بڑا سامان ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے "خواتین اور خاندان" کے عنوان سے خاندانی نظام کی شکست و ریخت پر بھی بحث کی ہے۔ انہوں نے شروع میں لکھا ہے کہ تحریک آزادی نسواں کا یہ پہلو تو بے شک قابل تعریف ہے کہ اس کے ذریعے عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق ملے، عورتیں زندگی کے ہر شعبے میں مردوں کے شانہ بشانہ

کام کرنے کے قابل ہوئیں اور اس کے نتیجے میں ہماری معاشی پیداوار میں اضافہ ہوا لیکن آگے چل کر اس کے مضمرات پر بحث کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں۔ جس کا اردو ترجمہ یہ ہے۔

"لیکن اب اپنی مشکل اور جرأت مندانہ تاریخ کے پچھلے سالوں میں ہم خواتین کے ان حقوق اور ضروریات کی طرف توجہ دینے میں ناکام رہے جو ایک ماں اور گھر کی حیثیت میں، نیز بچوں کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں ان کے ناگزیر کردار سے پیدا ہوتے ہیں۔ خواتین چونکہ سائنسی تحقیق میں مشغول ہو گئیں، نیز زیر تعمیر عمارتوں کی دیکھ بھال میں، پیداواری کاموں اور خدمات میں اور دوسری تخلیقی سرگرمیوں میں مصروف رہیں، اس لئے ان کو اتنا وقت نہیں مل سکا کہ وہ خانہ داری کے روز مرہ کے کام انجام دے سکیں، بچوں کی پرورش کر سکیں اور ایک اچھی خاندانی فضا پیدا کر سکیں۔ اب ہمیں اس حقیقت کا انکشاف ہوا ہے کہ ہمارے بہت سے مسائل جو بچوں اور نوجوانوں کے رویئے، ہماری اخلاقیات، ثقافت اور پیداواری عمل سے تعلق رکھتے ہیں، اس وجہ سے بھی کھڑے ہوئے ہیں کہ خاندانی رشتوں کی گرفت کمزور پڑ گئی ہے اور خاندانی فرائض کے بارے میں ایک غیر ذمہ دارانہ رویہ پروان چڑھا ہے۔

ہم نے عورتوں کو ہر معاملے میں مردوں کے برابر قرار دینے کی جو مخلصانہ اور سیاسی اعتبار سے درست خواہش کی تھی، یہ صورت حال اس کا تضاد آفرین نتیجہ ہے۔ اب اپنی تعمیر نو کے دوران ہم نے اس خامی پر قابو پانے کا عمل شروع کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم پریس میں، عوامی تنظیمات میں، کام کے مقامات میں اور خود گھروں میں ایسے گرم گرم مباحثے منعقد کر رہے ہیں جن میں اس سوال پر بحث کی جا رہی ہے کہ عورت کو اس کے خالص نسوانی مشن کی طرف واپس لانے کے لئے ہمیں کیا اقدامات کرنے چاہئیں۔" (Perestroika. p117. ed 1987)

یہ ایک ایسے سیاسی لیڈر کا تبصرہ ہے جس کے معاشرے میں خاندان سے متعلق یا مرد وعورت کے حقوق وفرائض کے بارے میں کسی قسم کی مذہبی اقدار کا کوئی تصور یا تو موجود ہی نہیں ہے، یا اگر ہے تو اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔ لہٰذا خاندانی نظام کی ٹوٹ پھوٹ پر اس کا اظہار افسوس کسی اعلیٰ آسمانی ہدایت کے زیر اثر نہیں، بلکہ تجربے اور مشاہدے کی بنا پر ہے۔

ہمارے پاس تو الحمدللہ قرآن وسنت کی شکل میں اعلیٰ وارفع آسمانی ہدایات بھی موجود ہیں جن کے ہم بحیثیت مسلمان پابند بھی ہیں۔ اگر ہم قرآن وسنت کے مطابق زندگی گزارنے والے بنیں تو ہمیں اہل مغرب کی طرح پانی سر سے اونچا ہونے کے بعد پچھتانے کی نوبت ہی نہ آئے۔

بدقسمتی سے ذرائع ابلاغ کی ترقی کے ساتھ ہمارے معاشرے میں مغربی افکار کا ایک سیلاب امڈ آیا ہے۔ اور بالخصوص جب سے ٹی وی اور انگریزی فلموں کی یلغار نے ہمارے معاشرے پر ثقافتی یلغار شروع کی ہے، اس وقت سے ہم شعوری یا غیر شعوری طور پر انہی معاشرتی تصورات کی طرف بڑھ رہے ہیں جن کی داغ بیل مغرب نے ڈالی تھی۔ اس کے نتیجے میں وہی ساری خرابیاں جن سے مغرب کے اہل فکر ہی پریشان ہیں، ہمارے درمیان جنم لینے لگی ہیں۔

الحمدللہ ابھی ہمارا خاندانی نظام درہم برہم نہیں ہوا، لیکن جس رفتار سے مغربی ثقافت ہمارے درمیان پھیل رہی ہے، انگریزی فلموں کے سیلاب نے مغربی طرز زندگی کو جس طرح گھر گھر اور گاؤں گاؤں پھیلا دیا ہے، جس طرح بے سوچے سمجھے خواتین کو گھروں سے نکالنے اور انہیں ایک عامل پیداوار (Factor of production) بنانے پر زور دیا جا رہا ہے اور گھر اور خاندان کے بارے میں اسلامی تعلیمات سے جس تیزی کے ساتھ دوری اختیار کی جا رہی ہے، اس کی روک تھام آج ہی سے ضروری ہے اور اس روک تھام کا طریقہ اسلام کی ان معتدل تعلیمات کی ٹھیک

ٹھیک پیروی کے سوا کچھ نہیں جو نہ مشرقی ہیں نہ مغربی، جن کا ماخذ و منبع وحی الٰہی ہے اور وہ ایک ایسی ذات کی وضع کردہ تعلیمات ہیں جو انسان کے حال و مستقبل کی تمام ضروریات سے بھی پوری طرح باخبر ہے اور انسانی نفس کی ان چوریوں کو بھی خوب جانتی ہے جو زہر ہلاہل پر قند و شکر کی تہیں چڑھانے میں مہارت تامہ رکھتی ہیں۔

لہٰذا ہمارا کام وقت کے ہر چلتے ہوئے نعرے کے پیچھے چل پڑنا نہیں، بلکہ اسے قرآن و سنت کی کسوٹی پر پرکھ کر یہ فیصلہ کرنا ہے کہ یہ ہمارے مزاج و مذاق کے مطابق ہے یا نہیں۔ جب تک ہم میں یہ جرأت اور یہ بصیرت پیدا نہ ہوگی، ہم باہر کی ثقافتی یلغار کے لئے ایک تر نوالہ بنے رہیں گے اور ہماری اجتماعی زندگی کی ایک ایک چول رفتہ رفتہ ہلتی چلی جائے گی۔

بچوں کی تربیت

بچوں کو نرمی سے سمجھایئے

ہماری عاجزانہ گزارش ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد سے نوازا ہے تو اس کا شکر یہ بھی ہے کہ ان بچوں پر توجہ دیجئے، ان معصوم پھولوں کی قدر کیجئے، ان کی معمولی معمولی یا بلا اختیار بڑی بڑی غلطیوں پر آپے سے باہر نہ ہوئیے، نہ ان معصوم بچوں کو ماریئے بلکہ خود احتیاط کیجئے کہ اپنی چھوٹی چھوٹی اہم اشیاء ایسی جگہ نہ رکھیں جہاں بچوں کے ہاتھ پہنچ سکیں۔

غور کیجئے نیوٹن ۱۵ سال سے ایک کتاب تیار کر رہا تھا، تھوڑی دیر کے لئے وہ کسی وجہ سے اٹھا تو اس کے کتے کا پاؤں موم بتی پر لگا، جس سے موم بتی گر گئی اور مسودہ کے کافی صفحات جل گئے تو اس نے تعجب سے کتے سے کہا:

"ہائے میں تمہیں کیا کہوں"

یہ کہہ کر وہ دوبارہ اپنی محنت میں لگ گیا اور اس کا کہنا ہے کہ میں نے دوبارہ محنت کر کے جمع کرنا شروع کر دیا اور تھوڑے عرصہ کی محنت سے میں نے اس پرانے مسودہ سے بہت ہی بہتر مسودہ جمع کر لیا۔ لہذا آپ بھی بڑا دل رکھتے ہوئے بچوں کی چھوٹی چھوٹی کوتاہیوں کو معاف کر دیجئے۔ اس پر پورے گھر کو سر پر نہ اٹھائیے۔ اسی طرح ان کی بیماریوں، شرارتوں پر پریشان اور مایوس ہونے کی بجائے یہ سمجھ لیجئے کہ بس جس گھر میں بچے ہوں اس میں کہاں راحت ہے کہ آج کسی کو نزلہ ہے، کسی کو بخار ہے، کسی نے کوئی چیز توڑ دی، کوئی شور مچا رہا ہے، کوئی نیند خراب کر رہا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ ان سب تکلیفوں اور پریشانیوں کو ہنستے ہنستے قبول کیجئے اور بھول جائیے، گذشتہ کل کی پریشانی آج دوبارہ یاد کر کے خود اپنے آپ کو، اپنی اہلیہ کو اور اپنے بچوں کو پریشان نہ کیجئے۔

ملکی اور غیر ملکی اسکولوں اور مدرسوں کے مختلف بچوں سے تعلیمی اور تربیتی بنیاد پر ہمارا واسطہ پڑتا رہتا ہے اس سے یہ بات مشاہدے میں آتی ہے کہ کسی بچے کے بار بار ناکام (فیل) ہونے، مدرسے (یا اسکول) کثرت سے غیر حاضر ہونے، درسگاہ میں بھی گم سم رہنے، یا کھیل کود میں حصہ نہ لینے اور استاذ کے پوچھنے پر جواب معلوم ہونے اور سبق یاد کر لینے کے باوجود زبان سے کچھ نہ کہہ سکنے کی اصل وجہ وہی خوف، خود اعتمادی سے محرومی اور احساس کمتری ہوتی ہے۔ جو ماں باپ کی طرف سے گھر کی فضا خراب کر دینے کی وجہ سے ان میں پیدا ہوتا ہے۔

اس کے نتیجے میں بچوں کی زندگی تو برباد ہوئی ہی، لیکن آپ خود بھی عمر بھر پریشان رہیں گے۔ اگر بچے سے خطا ہو جائے تو اسے پیار سے سمجھائیں اور اس کے لئے دعا کریں۔ بچوں کی تربیت کے لئے "اسلام اور تربیت اولاد"، "مثالی باپ"، "جو تم مسکراؤ تو سب مسکرائیں" کتابوں کا مطالعہ بے حد مفید ہوگا۔

بچوں کی دینی تربیت پر توجہ دیجئے

نکاح ایک ایسی عظیم نعمت ہے کہ شوہر اور زوجہ دونوں ہی اس سے بحکم خداوندی فائدہ اٹھاتے ہیں اور جہاں گناہ سے بچنا اور جائز فطری خواہش حلال طریقوں پر پوری کرنا اس کا اہم ترین فائدہ، بلکہ اصلی غرض و غایت ہے، بالکل وہیں اس کا ایک اہم مقصد حصول اولاد بھی ہے اور یہ نتیجہ عام طور پر مرتب ہوتا ہے۔ اب اولاد جیسی نعمت مل گئی اور اس کی جسمانی نگہداشت نہ ہوئی اور وہ اخلاقی تربیت نہ ہوئی جو شرعاً وعقلاً مطلوب ہے تو اس صاحب اولاد جوڑے نے اولاد کی قدر نہ کی۔ مثلاً ماں نے بچے کو خود دودھ نہ پلایا، یا مطلوبہ شرعی مدت رضاعت پوری نہ کی، یا بچے کی بڑھتی عمر کے ساتھ جو لازمی مراحل ہیں ان کی تکمیل میں دراڑیں پڑ گئیں۔

یا بچوں کے اخلاقی معیار اور طور طریقوں کی طرف سے لاپرواہی برتی گئی۔ اور ان کی تربیت میں کوتاہی کی گئی۔ تو اس کا لازمی نتیجہ جسمانی بیماریوں، اور غیر ذمہ داری، بدتمیزی، کاہلی، ناکامی اور بے دینی کی شکل میں نکلے گا۔ بچے کی شخصیت مسخ ہو کر رہ جائے گی۔ ماں باپ بھی پریشان رہیں گے اور خاندان کی ساکھ بھی خراب ہوگی۔

کیا آپ نے ان تمام امور کی جڑ اور بنیاد پر غور کیا ہے؟ اس میں سے ایک اہم وجہ تو یہ ہے کہ ہم لوگ دین سے کافی دور ہیں۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اپنے گھروں میں دینی فضا پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو پورے دین پر عمل کرنے والا بنائے۔ دوسری اہم وجہ بچوں پر مناسب توجہ نہ دینا ہے، تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ بعض گھرانوں میں بچوں کی پیدائش میں مناسب وقفہ نہ ہونے اور مسلسل بچوں کی پیدائش سے ماں لاغر اور کمزور ہو جاتی ہے۔

گھر کے کام کاج الگ اور بچوں کو سنبھالنا الگ۔ ایک بچے کو اپنا دودھ پلا رہی ہے تو دو کے فیڈر بھر رہی ہے۔ اس کو نہلاتا، اس کو دھلانا، دو بچے لڑ پڑے، ان کا جھگڑا نمٹانا، کسی کو چوٹ لگ گئی، کوئی بیمار ہو گیا، اسے سنبھالنا سب کے کپڑے بدلنا الگ، انہیں دھونا الگ۔ غرض دن بھر بے چاری انہی جھمیلوں میں گھری رہتی ہے تھک آ کر انہیں مارتی بھی ہے اور کوسنے سے بچا بھی دیتی ہے۔ بچوں کی ضروری تربیت کے لئے اس بے چاری کے پاس کہاں وقت.... ماں کا یہ حال کہ ایک بچہ ابھی شیرخوارگی کے زمانے ہی میں ہے کہ دوسرا حمل ٹھہر گیا دودھ خراب ہوا، اس پچھلے کا دودھ چھڑایا، اب وہ لاغر ہو رہا ہے۔ نندیں یا بہنیں ہر وقت دیکھ نہیں سکتیں۔ جو پاؤں چل رہا ہے وہ کہیں چولہے یا پکتی ہانڈی پر نہ جائے، ماں حمل کی وجہ سے بھاگ دوڑ نہیں کر سکتی۔ دوسرا بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اسی طرح کے بعض گھرانوں میں مذکورہ بالا پریشانیوں کی وجہ سے نہ فرض نمازوں کا اہتمام، نہ تلاوت و ذکر کی فکر نہ دینی کتابوں کے مطالعہ کا وقت، نہ محلّہ کی عورتوں کو پورے دین پر لانے کی فکر وغیرہ۔

لہٰذا اصل حقیقت پر غور کریں کہ صرف اولاد ہونا مطلوب نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندوں کا وجود مقصود ہے۔ اس لئے ہم سب کی ذمہ داری ہے بچوں کی صحیح تربیت کریں۔ پورا دن ذریعہ معاش کے لئے فکر کرنے کی بجائے ضرور کچھ وقت نکال کر ان کی دینی تربیت کریں۔ روزانہ ان کو بٹھا کر احادیث نبویہ سنائیں، اللہ تعالیٰ کی عظمت اور محبت اور فکر آخرت ان کے دلوں میں بٹھانے کی کوشش کریں۔

اور یہ بھی خیال میں رہے کہ بچوں کی دینی تربیت میں بگاڑ سے بچنے کے لئے اور زچہ و بچہ کی صحت قائم رکھنے کے لئے (کہ ایک بچہ جب مکمل شرعی مدت تک ماں کا دودھ پئے اور پھر سنبھالا ہوا ہو جائے اور ماں بھی کھوئی ہوئی کمزوری پر

قابو پالے اور بہت سے بچے والے جھمیلے سے اس کی گردن چھوٹے پھر) مناسب وقفہ زوجین کی باہمی رضا مندی سے جائز ہے..... لہٰذا آپ اس سہولت اور شرعی گنجائش سے فائدہ اٹھائیں اور خود پر اور اپنے گھرانے پر رحم کھائیں۔ ایسی صورت میں دو بچوں کے درمیان مناسب وقفہ کرنا مستحب ہے۔ کتابوں میں آتا ہے۔

﴿وَفِي الْفَتَاوٰى اِنْ خَافَ مِنَ الْوَلَدِ السُّوْءِ فِي الْحُرَّةِ يَسَعُهُ الْعَزْلُ بِغَيْرِ رِضَاهَا لِفَسَادِ الزَّمَانِ فَلْيُعْتَبَرْ مِثْلُهُ مِنَ الْاَعْذَارِ مُسْقِطًا لِاِذْنِهَا﴾ (شامی جلد۲ صفحہ ۱۷۶)

ترجمہ: ''اگر ماحول کے بگاڑ اور فساد زمانہ کی وجہ سے اولاد کے بگڑ جانے (یعنی بے دین ہونے) کا قوی امکان ہو..... تو ایسی صورت میں عزل جائز ہے۔ ایسی صورت میں بعض اوقات بیوی کی اجازت کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔''

اسی طرح شخصی اور انفرادی طور پر کسی کو کوئی عذر پیش آ جائے تو اسی طرح کا عمل بلا کراہت جائز ہوگا۔ مثلاً عورت اتنی کمزور ہے کہ بارِ حمل کا تحمل نہیں کر سکتی، یا مسلسل ولادت سے عورت کی صحت پر واقعی نقصان دہ اثرات مرتب ہو رہے ہوں اور وہ لاغر ہوتی جا رہی ہو (جو خود مخل ہے اولاد کی صحیح نگہداشت کرنے میں) یا کسی دور دراز کے سفر میں ہے، یا کسی ایسے مقام میں ہے جہاں پر قیام و قرار کا امکان نہیں، یا زوجین کے باہمی تعلقات ہموار نہیں، علیحدگی کا قصد ہے، اسی طرح شیر خوار بچہ سے دودھ پر لازمی اثر پڑے، جلد دوسرا حمل ٹھہر جانے یعنی ماں کی جانب سے بھرپور نگہداشت نہ ہونے کی وجہ سے دونوں بچوں کی صحت متاثر ہونے کا اندیشہ ہو (اور ایام طفولیت و رضاعیت کا ضعف آخر عمر تک باقی رہ جاتا ہے) یا کسی ماہر تجربہ کار دین دار ڈاکٹر کی ہدایت ہو کہ مثلاً فلاں مدت تک دوبارہ حمل ٹھہرنے نہ پائے، ورنہ عورت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے وغیرہ، تو ان حالات

میں اجازت ہوگی، بلکہ بعض اوقات بہتر ہوگا کہ دو بچوں کے درمیان عارضی مانع حمل کی تدبیر کے ذریعہ مناسب وقفہ کیا جائے البتہ یہ نظریہ ہرگز نہیں ہونا چاہیے کہ اگر بچے زیادہ ہو گئے تو ہم کہاں سے کھلائیں گے اور ان کے رزق کا انتظام کہاں سے ہوگا؟ کیونکہ یہ نظریہ قرآن کریم کے صریح حکم کے خلاف اور حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا﴾ (سورۃ الاسراء آیت: ۳۱)

ترجمہ: ''اور تم اپنی اولاد کو غریبی کے ڈر سے قتل مت کرو، کیونکہ ہم ہی انہیں اور تمہیں رزق دیتے ہیں، بے شک ان کو قتل کرنا گناہ کبیرہ ہے۔''

اسی طرح اس کو آبادی کی روک تھام کی غرض سے قومی اور اجتماعی شکل دینا شریعت و سنت کا مقابلہ ہوگا اور اس ''وقفہ'' کے نام پر طوفان بدتمیزی برپا کرنے اور ''روزی کہاں سے آئے گی؟'' یا ''لڑکی کے جہیز کا کیا ہوگا؟'' اور ''ملک آبادی کی وجہ سے مقروض ہو گیا ہے'' یا بطور فیشن خاندان کو مختصر رکھنے کے اور اسی قسم کے دوسرے بے تکے اوٹ پٹانگ خیالات کی بنا پر وقفہ کرنا ہرگز جائز نہیں۔ بلکہ دنیا کی حکومتیں جتنا خرچہ خاندانی منصوبہ بندی پر کرتی ہیں اگر یہی خرچہ تعمیری اسباب پر کیا جائے اور وسائلِ معاش کی صحیح تقسیم پر کیا جائے، پیداوار میں اضافہ پر کیا جائے، حاصل شدہ وسائل کی حفاظت پر کیا جائے تو آبادی خواہ کتنی ہی بڑھ جائے، معاشی تنگی کبھی پیدا نہ ہوگی۔

وضاحت: امید ہے کہ ہماری ان گزارشات کو اسی جذبے کے تحت پڑھا جائے گا جو مقصود ہے۔ اس لئے کہ یہ اصول مسلم ہے ''اَلْاُمُوْرُ بِمَقَاصِدِهَا.'' اگر نیت صحیح تھی تو بلاشبہ جائز ہوگا اور اگر نیت فاسد تھی، کوئی مذموم مقصد تھا جو شرعی

نقطۂ نظر سے اور رب العالمین کے نظام میں دخل اندازی تھی، تو پھر یقیناً ناجائز اور حرام ہوگا۔ مزید تفصیل کے لئے معتبر علماء کرام و مفتیان عظام کی خدمت میں جا کر پوچھ لیا جائے، ہم نے اس کتاب کے اخیر میں علماء کرام سے رابطہ کیلئے خط لکھنے کے پتے اور فون نمبرز لکھے ہیں بڑے مہربانی ان کو خط لکھ کر یا فون کر کے پوچھ لیے جائے اور اہل علم حضرات مزید تفصیل کے لئے کتاب ''ضبط ولادت کی عقلی و شرعی حیثیت'' (تالیف حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ) اور ''جدید فقہی مباحث'' (جلد اول، از مولانا مجاہد الاسلام قاسمی صاحب زید مجدہ) کا مطالعہ کریں، واللہ اعلم بالصواب۔

ماں باپ کے درمیان لڑائی جھگڑا اور اختلاف

بچے کو دین سے دور کرنے اور اس کو جاہل اور نفسیاتی مریض بنانے کا ایک اہم سبب ماں باپ کے درمیان لڑائی جھگڑا اور باہمی نزاع و اختلاف ہے۔ چنانچہ جب بچہ گھر میں آنکھیں کھولتا ہے اور اپنی آنکھوں کے سامنے لڑائی جھگڑا دیکھتا ہے تو غیر شعوری طور پر وہ گھر کی اس تاریک فضا سے دور ہونا چاہتا ہے۔ چنانچہ آفت زدہ خاندان کے دائرہ سے نکل کر اپنے من پسند دوستوں کے ساتھ اپنا وقت گزارتا ہے، اور فراغت کے اوقات ان کی رفاقت میں بسر کرتا ہے۔ یہ دوست اگر گندے اخلاق والے، گھٹیا قسم کے لوگ ہوں تو یہ بچہ بھی ان کے ساتھ خراب ہوتا چلا جاتا ہے اور بری عادتیں اور گندے اخلاق اختیار کر لیتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات وہ عادی مجرم اور ملک وقوم کے لئے خطرہ کی نشانی بن جاتا ہے۔

اسلام نے اپنے پُر حکمت اور ہمیشہ ہمیشہ باقی و برقرار رہنے والے اصول و قواعد کے ذریعے نکاح کے خواہش مند مرد کے لئے بیوی کے انتخاب و اختیار کرنے میں صحیح راستہ متعین کیا، اور اسی طرح لڑکی کے اولیاء و سرپرستوں کی شوہر

کے اختیار کرنے میں صحیح اور اعلیٰ ترین رہنمائی فرمائی ہے، جس کا بنیادی مقصد یہی
ہے کہ میاں بیوی میں الفت ومحبت اور باہمی مفاہمت اور تعاون کی فضا پیدا ہو
اور میاں بیوی ان ازدواجی پریشانیوں اور لڑائی جھگڑوں سے بچ جائیں جو عام طور
سے میاں بیوی میں پیدا ہو جاتے ہیں۔

آپ نے اس کتاب کی پہلی فصل میں ان اہم بنیادی باتوں کو پڑھ لیا ہوگا
جنہیں میاں بیوی کے انتخاب کے سلسلہ میں جید واساس بنانا چاہئے۔ اور
درحقیقت یہ وہ اساسی بنیادیں ہیں جن کا وجود ایک سعید ونیک بخت خاندان کے
تیار کرنے اور محبت والفت سے بھرپور مثالی خاندان کے وجود کے لئے ضروری
ہے۔

بچوں پر طلاق کے اثرات

وہ بنیادی عوامل جو عام طور سے بچے کے انحراف اور خراب ہونے کا ذریعہ بنتے
ہیں، طلاق اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے حالات ہیں، جس کی وجہ سے
دونوں خاندانوں میں اختلاف وافتراق کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔

وہ متفق علیہ اور مشاہد امور جن میں کسی دو آدمیوں کا اختلاف نہیں، ان میں
سے ایک یہ بھی ہے کہ بچہ جب دنیا میں آنکھ کھولتا ہے اور اس پر شفقت کرنے
والی ماں اور اس کی نگرانی اور دیکھ بھال کرنے اور ضروریات پورا کرنے والا باپ
نہیں ہوتا تو وہ لازمی طور پر جرائم اور برائیوں کی طرف مائل ہوتا ہے اور اس میں
فساد وانحراف نشوونما پاتا رہتا ہے۔

طلاق کے بعد اس پریشانی کو ماں کی غربت مزید پیچیدہ بنا دیتی ہے۔ اس
لئے ایسی صورت حال میں مطلقہ عورت کام کاج کے لئے گھر سے نکلنے پر مجبور
ہوتی ہے۔ لہذا وہ گھر کو چھوڑ کر کام کرنے چلی جاتی ہے اور چھوٹے چھوٹے بچے

بے یار و مددگار ادھر ادھر پھرتے ہیں۔ حوادث ایام اور شب و روز کے فتنے ان کو کھلونا بنا لیتے ہیں۔ نہ کوئی ان کی دیکھ بھال کرنے والا ہوتا ہے، نہ نگہداشت کرنے والا۔ اب آپ ہی بتایئے کہ ایسی اولاد سے آپ کیا توقع رکھتے ہیں جسے باپ کی محبت میسر ہو نہ اس کی نگرانی و نگہداشت، ماں کا پیار ملا ہو نہ اس کی توجہ اور ہمدردی۔

ہم ان سے ایسی صورت حال میں کیا توقع کر سکتے ہیں جب وہ اپنے بڑوں پیٹ بھر کر روٹی، بدن ڈھانپنے کو کپڑا اور سر چھپانے کو مناسب گھر بھی نہ پائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی صورت میں ہم ان سے آوارگی ہی کی توقع کر سکتے ہیں، اور جرائم اور آوارگی سے بچنے کی اسی سے امید کر سکتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ اپنا خاص رحم فرمائے، اور ایسے لوگ درحقیقت کم ہی ملتے ہیں۔ یہ صورت حال اس وقت اور زیادہ خراب ہو جاتی ہے جب مطلقہ عورت دوسری شادی کر لیتی ہے۔ تو اس کے نتیجے میں عام طور سے اولاد خراب اور ضائع ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بنیادی احکامات میں میاں بیوی میں سے ہر ایک کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے اپنے فرائض و واجبات کو پورا کرے اور ایک دوسرے کے حقوق ادا کرے تاکہ ایسی صورت حال پیدا نہ ہو جس کا انجام آخرکار برا اور قابل ملامت ہو۔

ان حقوق میں سے شوہر کے ذمے بیوی بچوں کے نان نفقہ کی ذمہ داری کا پورا کرنا بھی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾

(سورۃ البقرۃ آیت ۲۳۳)

ترجمہ: ”اور لڑکے والے یعنی باپ پر ہے کھانا اور کپڑا ان عورتوں کا دستور کے موافق۔“

اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا:

﴿فاتقوا اللّٰہ فی النساء فانکم اخذتموھن بامان اللّٰہ واستحللتم فروجھن بکلمۃ اللّٰہ ..... ولھن علیکم رزقھن وکسوتھن بالمعروف.﴾ (مسلم جلد ا صفحہ ۳۹۷)

ترجمہ: ”عورتوں کے سلسلہ میں خدا سے ڈرو اس لئے کہ تم نے انہیں اللہ کے امان کے ذریعہ حاصل کیا ہے اور ان کی شرمگاہوں کو اللہ کے کلمہ کے ذریعہ حلال کیا ہے، تم پر ان کے نان نفقہ اور کپڑے کی دستور کے موافق ذمہ داری ہے۔“

انہی حقوق میں سے گھر کے معاملات میں شوہر کا بیوی سے مشورہ کرنا بھی داخل ہے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

﴿آمروا النساء فی بناتھن.﴾ (کنزالعمال جلد ۱۶ صفحہ ۱۳۱ رقم ۴۴۱۲۳)

ترجمہ: ”عورتوں سے ان کی بچیوں کے بارے میں مشورہ کر لیا کرو۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ لڑکیوں کی شادی سے قبل ان کی ماؤں سے مشورہ کر لیا کرو۔

انہی حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ شوہر بیوی کی بعض کمزوریوں اور عیوب سے درگزر کرے اور خصوصاً اگر اس میں کچھ ایسی خوبیاں اور اوصاف پائے جاتے ہوں جو ان کمزوریوں اور عیوب کی تلافی کرتے ہوں، اس لئے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مبارک روایت کرتے ہیں:

﴿لا یفرک مؤمن مؤمنۃ ان کرہ منھا خلقا رضی منھا آخر.﴾

(صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۴۷۵)

ترجمہ: ”کوئی مؤمن کسی مؤمن عورت سے بغض نہ رکھے اس لئے کہ اگر اس کی کوئی بات ناپسند ہوگی تو کسی کے بدلے دوسری بات پسند

ہوگی۔"

ان حقوق میں سے مرد کا بیوی کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی گزارنا اور اس سے ملاطفت اور دل لگی کرنا بھی ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ (سورۃ النساء آیت ۱۹)

ترجمہ: "اور ان عورتوں کے ساتھ اچھی طرح رہو پھر اگر وہ تم کو نہ بھائیں تو شاید ایک چیز تم کو پسند نہ آئے اور اللہ تعالیٰ نے اس میں بہت خیر خوبی رکھی ہو۔"

اور ابن ماجہ کتاب النکاح میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان مبارک نقل کرتے ہیں:

﴿خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي﴾ (ابن ماجہ صفحہ ۱۴۲)

ترجمہ: "تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہو اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ تم سے بہتر ہوں۔"

امام بخاری و مسلم رحمۃ اللہ علیہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو وہ کھیل دکھاتے تھے جو مسجد کے میدان کے سامنے ہو رہا ہوتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ہتھیلی دروازہ پر رکھ لیا کرتے تھے اور ہاتھ دراز کر لیا کرتے تھے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنا چہرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاندھے پر رکھ دیا کرتی تھیں۔ (مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۲۸۰)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

﴿أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَفِي رِوَايَةٍ: وَأَلْطَفُهُمْ بِأَهْلِهِ.﴾ (مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۲۸۲)

ترجمہ: ''مؤمنوں میں سب سے کامل ایمان والا وہ شخص ہے، جو سب سے بہتر اخلاق والا ہو اور اپنے گھر والوں کے ساتھ نرمی اور اچھا برتاؤ کرنے والا ہو۔''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے سخت گیر و قوی الارادہ فیصلے کے پکے شخص فرمایا کرتے تھے کہ مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ انس اور نرم مزاج ہونے کے اعتبار سے بچہ کی طرح ہونا چاہیے۔ ہاں، جب لوگوں کے ساتھ ہو تو پھر پورا آدمی بن جانا چاہیے۔

ان حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں گھر کے کام کاج میں مرد کو بیوی کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔ چنانچہ طبرانی وغیرہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے جب یہ پوچھا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کیا کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا ''جیسے تم لوگ کرتے ہو یہ چیز ادھر سے اٹھا کر ادھر رکھ دی، بے جگہ چیز جگہ پر رکھ دی، گھر والوں کا کام کاج کر دیا، ان کے لئے گوشت کاٹ دیا، گھر کو جھاڑ پونچھ دیا، خادم کا ہاتھ بٹا لیا۔''

یہ وہ اہم حقوق ہیں جنہیں اسلام نے میاں بیوی میں سے ہر ایک پر لازم کیا ہے، اور یہ درحقیقت واقعی اور عادلانہ امور ہیں۔ اور اگر میاں بیوی میں سے ہر ایک ان کو پورا کرے تو بجائے اختلاف و لڑائی کے اتحاد و یگانگت وجود میں آئے گی، اور بغض و ناپسندیدگی کی جگہ الفت و محبت لے لے گی، اور پورا خاندان خوش حالی اور محبت و سکون سے بہ بہتر سے بہتر زندگی گزارے گا، اور یہ قطعاً ناممکن ہوگا کہ کوئی بھی ایسی بات ہو جس سے خاندان والوں کی زندگی مکدر ہو، یا جس سے میاں بیوی میں سے ایک کو دوسرے سے ناگواری گزرے یا تکلیف پہنچے۔

طلاق کی نوبت سے بچنے کے لئے چند تدابیر

اور اگر مرد کی بداخلاقی یا عورت کے اخلاق کی خرابی کی وجہ سے آپس میں اتفاق و اتحاد ناممکن ہو، اور ان دونوں کا ایک ساتھ زندگی گزارنا مشکل ہو تو شوہر کو چاہیئے کہ طلاق دینے سے پہلے اصلاح کی کوشش کر لے اور اس سلسلہ کی تدابیر اختیار کر لے اور یہ کوششیں اور تدابیر اس طرح سے ہیں:

❶ وعظ و نصیحت کرنا اور سمجھانا تاکہ اس آیت کریمہ پر عمل ہو جائے "وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ" (سورۃ الذاریات آیت ۵۵) نصیحت کرتے رہیئے، اس لئے کہ نصیحت کرنا مؤمنوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

❷ الگ بستر پر سونا۔ یہ ایک نفسیاتی سزا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے عورت صحیح راستہ پر آ جائے۔

❸ تنبیہ کے لئے معمولی سی مار پیٹ، بشرطیکہ یہ معلوم ہو کہ مارنے سے فائدہ ہوگا۔ لیکن زیادہ نہ مارا جائے اور اس طرح نہ مارا جائے جس سے عورت کے جسم پر نشانات پڑ جائیں، اور نہ ایسی جگہ مارا جائے جہاں مارنا نقصان دہ بن سکتا ہے، مثلاً چہرہ سینہ اور پیٹ وغیرہ۔ ان شروط کی رعایت رکھتے ہوئے مارنا ایذا و تکلیف کی بجائے تنبیہ اور ڈرانے کا سبب بنتا ہے۔ لیکن یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ اصل مقتدائے کامل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کسی عورت کو نہیں مارا۔ چنانچہ ابن سعد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے نہ کبھی کسی عورت کو مارا اور نہ کسی خادم یا اور کسی کو، مگر یہ کہ آپ اللہ کے راستہ میں جہاد کر رہے ہوں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب ایک عورت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے شوہر کی پٹائی کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوہر سے فرمایا:

﴿يَظَلُّ أَحَدُكُمْ يَضْرِبُ امْرَأَتَهُ ضَرْبَ الْعَبْدِ ثُمَّ يُعَانِقُهَا وَلَا يَسْتَحْيِي﴾ (کنز العمال جلد ۱۶ صفحہ ۱۵۸، رقم ۴۴۹۷۳)

ترجمہ: ''تم میں سے ایک شخص اپنی بیوی کو غلام کی طرح مارتا ہے اور پھر اس سے بغل گیر ہوتا ہے اور شرم بھی نہیں آتی۔''

❹ آخری تدبیر یہ ہے کہ کسی تیسرے آدمی کو فیصل (ثالث) بنا لیا جائے، اور وہ اس طرح کہ میاں بیوی کے خاندان والوں کے معتدل مزاج، عقل مند، سمجھ دار لوگوں کو بیچ میں ڈال دیا جائے، جو میاں بیوی کو درپیش مشکلات کا مطالعہ کریں اور پھر ان دونوں میں دوبارہ اتفاق و یگانگت اور اتحاد پیدا کرنے کی عملی تجاویز و حل پیش کریں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ حل اور تجاویز مقصد حاصل کرنے میں مدد دیں اور طلاق سے بچا لیں، ان احتیاطی تدابیر کا اختیار کرنا ضروری ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان مبارک پر عمل ہو جائے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۗ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۝ وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا ۚ إِنْ يُّرِيْدَآ إِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝﴾

(سورۃ النساء، آیت ۳۴-۳۵)

ترجمہ: ''اور جن عورتوں کی بدخوئی کا تم کو ڈر ہو تو ان کو سمجھاؤ اور سونے میں جدا کر دو اور مارو۔ پھر اگر تمہارا کہا مانیں تو ان پر الزام کی راہ تلاش مت کرو، بے شک اللہ سب سے اوپر بڑا ہے اور اگر تم ڈرو کہ وہ دونوں آپس میں ضد رکھتے ہیں تو کھڑا کرو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک منصف عورت والوں میں سے۔ اگر یہ دونوں چاہیں گے

کہ صلح کرا دیں تو اللہ موافقت کر دے گا ان دونوں میں، بے شک اللہ

سب کچھ جاننے والا خبردار ہے۔"

ان مراحل سے گزرنے اور ان تدابیر پر عمل کرنے کے بعد بھی اگر اتفاق ناممکن ہو تو مرد کو چاہیے کہ عورت کو پاکی کے ایسے زمانے میں ایک طلاق دے جس میں اس سے ہم بستری نہ کی ہو تاکہ پہلی طلاق دینے کے بعد بھی ازدواجی زندگی دوبارہ لوٹنے کی گنجائش باقی رہے۔

اب ہم طلاق کے عنوان پر چند سطور پیش کر رہے ہیں، اس دعا اور درد دل کے ساتھ کہ اے اللہ! مسلمان زوجین میں سے کسی کی زندگی میں یہ مرحلہ نہ آئے۔ سب جانتے ہیں کہ یہ چیز کتنی ناپسندیدہ ہے۔ اگر اس کا غلط استعمال ہو تو سوائے پچھتانے اور رونے کے کچھ حاصل نہیں۔

حلال چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ چیز طلاق ہے

دو اہم گزارشات ہماری اس سلسلے میں سارے مسلمانوں سے یہ ہیں کہ اولاً تو سب کی یہ کوشش ہو کہ اس مرحلے تک ہرگز ہرگز بات نہ پہنچے۔ اور کبھی اگر حالات کا رخ اسی جانب مڑ ہی چکا ہو کہ سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہ رہے تو جلد بازی یا جوش سے ہرگز کوئی قدم نہ اٹھائیں، بلکہ وقت کے اکابر محققین، بزرگ علماء اور مفتی صاحبان سے ضرور بالضرور ہر ہر مرحلے کا شرعی حکم پوچھ پوچھ کر عمل کریں۔ اس سلسلے میں اب ہم شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کا ایک قیمتی مضمون روزنامہ جنگ میں ذکر و فکر کے عنوان کے تحت شائع ہونے والے مضامین سے نقل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے، اور ۲۴ گھنٹے کی زندگی میں ہر آنے والے مسئلہ اور ہر خوشی و پریشانی کے مرحلہ میں اللہ رب العزت کے احکامات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نورانی طریقوں پر چلنے والا اور پیار و محبت اور حکمت کے ساتھ لوگوں کو

چلانے والا بنائے آمین۔ اب اس مضمون کو دعا، ختم کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو صحیح سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

طلاق کا صحیح طریقہ

میرا مختلف حیثیتوں میں عام مسلمانوں کے خاندانی، بالخصوص ازدواجی تنازعات سے کافی واسطہ رہا ہے، اور یہ دیکھ دیکھ کر دکھ ہوتا رہا ہے کہ ہمارے معاشرے میں اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت اتنی بڑھ گئی ہے کہ جو سامنے کی باتیں پہلے بچے بچے کو معلوم ہوتی تھیں، اب بڑے بڑوں کو بھی معلوم نہیں ہوتیں۔ اسی لئے چند ماہ پہلے میں نے اس کالم میں شادی بیاہ کے مسائل اور اس سے متعلق بنیادی شرعی احکام کی وضاحت شروع کی تھی، جو مختلف عنوانات کے تحت کئی ہفتے جاری رہی۔ جب نکاح کا ذکر چھڑا تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "طلاق" کے بارے میں بھی کچھ گزارشات پیش کر دی جائیں کیونکہ طلاق کے بالکل ابتدائی احکام سے بھی عام لوگ ناواقف ہو چکے ہیں اور اس بارے میں طرح طرح کی غلط فہمیاں عام ہو چکی ہیں۔

سب سے پہلی غلطی تو یہ ہے کہ بہت سے لوگوں نے "طلاق" کو غصہ نکالنے کا ایک ذریعہ سمجھا ہوا ہے۔ جہاں میاں بیوی میں کوئی اختلاف پیش آیا اور نوبت غصے اور اشتعال تک پہنچی، شوہر نے فوراً طلاق کے الفاظ زبان سے نکال دیئے۔ حالانکہ "طلاق" کوئی گالی نہیں ہے، جو غصہ ٹھنڈا کرنے کے لئے دے دی جائے۔ یہ نکاح کا رشتہ ختم کرنے کا وہ انتہائی اقدام ہے جس کے نتائج بڑے سنگین ہیں۔ اس سے صرف نکاح کا رشتہ ہی ختم نہیں ہوتا، بلکہ خاندانی زندگی کے بہت سے مسائل کھڑے ہو جاتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جہاں طلاق کی اجازت دی ہے وہاں اسے

"اَبْغَضُ الْمُبَاحَات" قرار دیا ہے۔ یعنی یہ وہ چیز ہے جو جائز کاموں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ مبغوض اور ناپسندیدہ ہے۔ اسلام چونکہ دین فطرت ہے، اس لئے اس نے طلاق کے بارے میں یہ سخت موقف تو اختیار نہیں کیا کہ نکاح کے بعد طلاق ہی نہ ہو، اس لئے کہ میاں بیوی کی زندگی میں بعض اوقات ایسے مرحلے پیش آجاتے ہیں جب دونوں کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا کہ وہ شرافت کے ساتھ ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں۔ ایسے موقع پر نکاح کے رشتے کو ان پر زبردستی تھوپے رکھنا دونوں کی زندگی کو عذاب بنا سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ عیسائی مذہب طلاق کے بارے میں اپنے اس قدیم موقف پر قائم نہیں رہ سکا، جس کی داستان بڑی طویل اور عبرت ناک ہے۔ اس لئے اسلام نے طلاق کو ناجائز یا حرام تو قرار نہیں دیا، اور نہ اس کے ایسے بندھے ٹکے اسباب متعین کئے جو علیحدگی کے معاملے میں میاں بیوی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دیں، لیکن اول تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف فرما دیا کہ مباح (جائز) چیزوں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ طلاق ہے۔ (مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۲۸۳)

دوسرے میاں بیوی کو ایسی ہدایات دی ہیں کہ ان پر عمل کیا جائے تو طلاق کی نوبت کم سے کم آئے، تیسرے اگر طلاق کی نوبت آ ہی جائے تو اس کا ایک طریقہ بتایا ہے جس میں خرابیاں کم سے کم ہوں۔ آج اگر لوگ ان ہدایات اور احکام کو اچھی طرح سمجھ لیں اور ان پر عمل کریں تو نہ جانے کتنے گھریلو تنازعات اور خاندانی مسائل خود بخود حل ہو جائیں۔

جہاں تک ان ہدایات کا تعلق ہے جو طلاق کے سدباب کے لئے دی گئی ہیں، ان میں سب سے پہلی ہدایت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دی ہے کہ "اگر کسی شوہر کو اپنی بیوی کی کوئی بات ناپسند ہے تو اسے اس کی اچھی باتوں پر بھی غور کرنا چاہئے۔" مقصد یہ ہے کہ دنیا میں کوئی شخص بے عیب نہیں ہوتا اگر کسی

میں ایک خرابی ہے تو دس اچھائیاں بھی ہو سکتی ہیں۔ ایک خرابی کو لے بیٹھنا اور دس اچھائیوں سے آنکھ بند کر لینا انصاف کے بھی خلاف ہے اور اس سے مسئلہ حل بھی نہیں ہو سکتا۔

بلکہ قرآن کریم نے تو یہاں تک فرما دیا کہ:

﴿فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ (سورۃ النساء آیت: ۱۹)

ترجمہ: ''اگر تمہیں اپنی بیوی کی کوئی بات ناپسند ہے تو (یہ سوچو) کہ شاید تم جس چیز کو برا سمجھ رہے ہو، اللہ تعالیٰ نے اس میں تمہارے لئے کوئی بڑی بھلائی رکھی ہو۔''

دوسری ہدایت قرآن کریم نے یہ دی ہے کہ جب میاں بیوی آپس میں اپنے اختلافات طے نہ کر سکیں اور نرم و گرم ہر طریقہ آزمانے کے بعد بھی تنازع برقرار رہے تو فوراً علیحدگی کا فیصلہ کرنے کے بجائے دونوں کے خاندان والے ایک ایک شخص کو ثالث بنائیں اور یہ دونوں طرف کے نمائندے آپس میں ٹھنڈے دل سے حالات کا جائزہ لے کر میاں بیوی کے درمیان تنازع ختم کرنے کی کوشش کریں۔ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ فرما دیا۔

﴿إِن يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا﴾ (سورۃ النساء آیت: ۳۵)

ترجمہ: ''اگر یہ دونوں چاہیں گے کہ صلح کرا دیں تو اللہ موافقت کر دے گا ان دونوں میں۔''

لیکن اگر یہ تمام کوششیں ناکام ہو جائیں اور طلاق ہی کا فیصلہ کر لیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ حکم دیا ہے کہ شوہر اس کے لئے مناسب وقت کا انتظار کرے۔ مناسب وقت کی تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی ہے کہ طلاق اس وقت دی جائے جب بیوی طہر کی حالت میں ہو، یعنی ماہانہ نسوانی

دورے سے فارغ ہو چکی ہو اور فراغت کے بعد سے دونوں کے درمیان وظیفہ زوجیت ادا کرنے کی نوبت نہ آئی ہو۔ لہٰذا اگر عورت طہر کی حالت میں نہ ہو تو ایسے وقت طلاق دینا شرعاً گناہ ہے۔ نیز اگر طہر ایسا ہو کہ اس میں میاں بیوی کے درمیان ازدواجی قربت ہو چکی ہو، تب بھی طلاق دینا شرعاً جائز نہیں، ایسی صورت میں طلاق دینے کے لئے شوہر کو اگلے مہینے تک انتظار کرنا چاہئے۔

اس طریقۂ کار میں یوں تو بہت سی مصلحتیں ہیں، لیکن ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ طلاق کسی وقت منافرت یا جھگڑے کا نتیجہ نہ ہو۔ شوہر کو مناسب وقت کے انتظار کا حکم اس لئے بھی دیا گیا ہے کہ اس عرصے میں وہ تمام حالات پر اچھی طرح غور کر لے اور جس طرح نکاح سوچ سمجھ کر ہوا تھا، اسی طرح طلاق بھی سوچ سمجھ کر ہی دی جائے۔ چنانچہ عین ممکن ہے کہ اس انتظار کے نتیجے میں دونوں کی رائے بدل جائے، حالات بہتر ہو جائیں اور طلاق کی نوبت ہی نہ آئے۔

پھر اگر مناسب وقت آ جانے پر بھی طلاق کا ارادہ برقرار رہے تو شریعت نے طلاق دینے کا صحیح طریقہ یہ بتایا ہے کہ شوہر صرف ایک طلاق دے کر خاموش ہو جائے۔ اس طرح ایک رجعی طلاق ہو جائے گی، جس کا حکم یہ ہے کہ عدت گزر جانے پر نکاح کا رشتہ شرافت کے ساتھ خود بخود ختم ہو جائے گا اور دونوں اپنے اپنے مستقبل کے لئے کوئی فیصلہ کرنے میں آزاد ہوں گے۔ اس طریقے میں فائدہ یہ ہے کہ طلاق دینے کے بعد اگر مرد کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ یہ سمجھے کہ حالات اب بہتر ہو سکتے ہیں تو وہ عدت کے دوران اپنی دی ہوئی طلاق سے رجوع کر سکتا ہے، جس کے لئے زبان سے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ "میں نے طلاق سے رجوع کر لیا۔" اس طرح نکاح کا رشتہ خود بخود تازہ ہو جائے گا اور اگر عدت بھی گزر گئی اور دونوں میاں بیوی یہ سمجھیں کہ اب انہوں نے سبق سیکھ لیا ہے اور آئندہ وہ مناسب طریقے پر زندگی گزار سکتے ہیں، تو ان کے لئے یہ راستہ کھلا ہوا

ہے کہ وہ باہمی رضا مندی سے دوبارہ از سرِ نو نکاح کر لیں (جس کے لئے نیا ایجاب وقبول، گواہ اور مہر سب ضروری ہے)۔

اگر مذکورہ سہولت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میاں بیوی نے پھر سے نکاح کا رشتہ تازہ کر لیا ہو اور پھر کسی وجہ سے دونوں کے درمیان تنازع کھڑا ہو جائے تب بھی دوسری طلاق دینے میں جلدی نہ کرنی چاہیے، بلکہ ان تمام ہدایات پر عمل کرنا چاہیے جو اوپر بیان ہوئیں۔ ان تمام ہدایات پر عمل کے باوجود اگر شوہر پھر طلاق ہی کا فیصلہ کرے تو اس مرتبہ بھی ایک ہی طلاق دینی چاہیے۔

اب مجموعی طور پر دو طلاقیں ہو جائیں گی، لیکن معاملہ اس کے باوجود میاں بیوی کے ہاتھ میں رہے گا۔ یعنی عدت کے دوران شوہر پھر رجوع کر سکتا ہے اور عدت گزرنے کے بعد دونوں باہمی رضا مندی سے تیسری بار پھر نکاح کر سکتے ہیں۔

یہ ہے طلاق کا وہ طریقہ جو قرآن و حدیث میں بیان ہوا ہے اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ قرآن و سنت نے نکاح کے رشتے کو برقرار رکھنے اور اسے ٹوٹنے سے بچانے کے لئے درجہ بدرجہ کتنے راستے رکھے ہیں۔ ہاں اگر کوئی شخص ان تمام درجوں کو پھلانگ جائے تو پھر نکاح و طلاق آنکھ مچولی کا کوئی کھیل نہیں ہے۔ جو غیر محدود زمانے تک جاری رکھا جائے۔ لہٰذا جب تیسری طلاق بھی دے دی جائے تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ اب نکاح کو تازہ کرنے کا کوئی راستہ نہیں۔ اب نہ شوہر رجوع کر سکتا ہے نہ میاں بیوی باہمی رضا مندی سے نیا نکاح کر سکتے ہیں۔ اب دونوں کو علیحدہ ہونا ہی پڑے گا۔

ہمارے معاشرے میں طلاق کے بارے میں انتہائی سنگین غلط فہمی یہ پھیل گئی ہے کہ تین سے کم طلاقوں کو طلاق ہی نہیں سمجھا جاتا۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر طلاق کا لفظ صرف ایک یا دو مرتبہ لکھا جائے تو اس سے طلاق ہی نہیں ہوتی۔

چنانچہ جب کبھی طلاق کی نوبت آتی ہے تو لوگ تین طلاقوں سے کم پر بس نہیں کرتے اور کم سے کم تین مرتبہ طلاق کا لفظ استعمال کرنا ضروری سمجھتے ہیں، حالانکہ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، طلاق صرف ایک مرتبہ کہنے سے بھی ہو جاتی ہے۔ شریعت کے مطابق طلاق کا صحیح اور احسن طریقہ یہی ہے کہ صرف ایک مرتبہ طلاق کا لفظ کہا یا لکھا جائے۔ اس طرح طلاق تو ہو جاتی ہے، لیکن اگر بعد میں سوچ سمجھ کر نکاح کا رشتہ تازہ کرنا ہو تو اس کے دروازے کسی کے نزدیک مکمل طور پر بند نہیں ہوتے۔ بلکہ ایک ساتھ تین مرتبہ طلاق کا لفظ استعمال کرنا شرعاً گناہ ہے۔

اور حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی چاروں فقہی مکاتب فکر کے نزدیک اس گناہ کی ایک سزا یہ ہے کہ اس کے بعد رجوع یا نئے نکاح کا کوئی راستہ باقی نہیں رہتا۔ اور جو لوگ ان فقہی مکاتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں ان کو اکثر تین طلاقیں ایک ساتھ دینے کے بعد شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا طلاق کے معاملے میں سب سے پہلے تو یہ غلط فہمی دور کرنے کی ضرورت ہے کہ ایک مرتبہ طلاق کا لفظ استعمال کرنے سے طلاق نہیں ہوتی۔ اور یہ بات اچھی طرح لوگوں میں عام کرنی ضروری ہے کہ طلاق کا صحیح اور احسن طریقہ یہی ہے کہ صرف ایک مرتبہ طلاق کا لفظ استعمال کیا جائے، اس سے زیادہ نہیں۔ اگر عدت کے دوران شوہر کے رجوع کا حق ختم کرنا مقصود ہو تو ایک طلاق بائن دے دی جائے۔ یعنی طلاق کے ساتھ "بائن" کا لفظ بھی ملا لیا جائے تو شوہر کو یکطرفہ طور پر رجوع کرنے کا حق نہیں رہے گا، البتہ باہمی رضامندی سے دونوں میاں بیوی جب چاہیں نیا نکاح کر سکیں گے۔

یہ بات کہ طلاق کا احسن طریقہ یہی ہے کہ صرف ایک طلاق دی جائے، پوری امت میں مسلّم ہے اور اس میں کسی مکتب فکر کا اختلاف نہیں۔ ضرورت ہے کہ علماء اپنے خطبوں میں اس مسئلے کو عوام کے سامنے واضح کریں اور ذرائع ابلاغ

سے ذریعے بھی طلاق کے یہ احکام لوگوں تک پہنچ جائیں۔

(ذکر و فکر صفحہ ۳۲۹ تا ۳۳۳: مولانا محمد تقی عثمانی صاحب)

وصیت کا بیان

ہر مسلمان مرد و عورت کو چاہئے کہ وہ اپنی وصیت ضرور لکھ کر رکھیں۔ حدیث شریف میں اس کے متعلق خاص تاکید آئی ہے۔ خصوصاً اگر کسی کے ذمہ نمازیں قضا ہیں، حج واجب ہے، سالوں سے سونے کی زکوٰۃ ادا نہیں کی، تو اس صورت میں وصیت نامہ نہ لکھنا ایک مستقل گناہ ہے۔ جب تک وصیت نامہ نہ لکھے گا، اس وقت تک یہ گناہ ہوتا رہے گا۔ اس لئے فوراً آج ہی ہم لوگوں کو اپنا وصیت نامہ لکھ لینا چاہئے۔

وصیت لکھنے کی تفصیل اور اس کا طریقہ کتاب "طریقہ وصیت مرتبہ اساتذہ بیت العلم" میں دیکھ لیا جائے۔ شوہر اپنی بیوی کے لئے کیسے وصیت لکھے، یہاں ہم ایک نیک شوہر کی اپنی بیوی کو وصیت کا ذکر کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا اہتمام عطا فرمائے اور موت آنے سے پہلے موت کی تیاری نصیب فرمائے۔ آمین!

نیک شوہر کی اپنی بیوی کو وصیت

غازی انور پاشا ترکی کے ان جلیل القدر مجاہدین میں سے تھے جنہوں نے اپنی ساری عمر اسلام دشمنوں کے ساتھ جہاد میں صرف کی اور بالآخر روسی بالشویکوں سے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ انہوں نے اپنی شہادت سے صرف ایک دن پہلے ایک خط اپنی بیوی شہزادی نجیہ سلطان کے نام روانہ کیا تھا جو انہوں نے ترکی کے اخبارات میں شائع کرا دیا، اور وہاں سے ترجمہ ہو کر ۲۳ اپریل ۱۹۲۳ کو ہندوستانی اخبارات میں بھی شائع ہوا۔ یہ مکتوب اس قدر ولولہ انگیز اور سبق آموز

ہے کہ ہر نوجوان کو پڑھنا چاہیے۔ ذیل میں اس کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

میری رفیقہ حیات اور سرمایہ عیش و سرور پیاری بیوی!

خدائے بزرگ و برتر تمہارا نگہبان ہے۔ تمہارا آخری خط اس وقت میرے سامنے ہے۔ یقین رکھو تمہارا یہ خط ہمیشہ میرے سینے سے لگا رہے گا۔ تمہاری صورت تو دیکھ نہیں سکتا، مگر خط کی سطروں اور حرفوں میں تمہاری انگلیاں حرکت کرتی نظر آرہی ہیں، جو کبھی میرے بالوں سے کھیلا کرتی تھیں۔ خیمے کے اس دھندلکے میں کبھی کبھی تمہاری صورت بھی نگاہوں میں پھر جاتی ہے۔

آہ! تم لکھتی ہو کہ میں تمہیں بھول بیٹھا ہوں اور تمہاری محبت کی کچھ پرواہ نہیں کی۔ تم کہتی ہو کہ میں تمہارا محبت بھرا دل توڑ کر اس دور افتادہ مقام میں آگ اور خون سے کھیل رہا ہوں۔ اور ذرا پرواہ نہیں کرتا کہ ایک عورت میرے فراق میں رات بھر تارے گنتی رہتی ہے۔ تم کہتی ہو کہ مجھے جنگ سے محبت ہے اور تلوار سے عشق۔ لیکن یہ لکھتے وقت تم نے بالکل نہ سوچا کہ تمہارے یہ لفظ جو یقیناً سچی محبت نے لکھوائے ہیں، میرے دل کا کس طرح خون کر ڈالیں گے۔ میں تمہیں کس طرح یقین دلا سکتا ہوں کہ دنیا میں مجھے تم سے زیادہ کوئی محبوب نہیں، تم ہی میری تمام محبتوں کا مستحق ہو میں نے کبھی بھی کسی سے محبت نہیں کی، لیکن ایک تم ہی ہو جس نے میرا دل مجھ سے چھین لیا ہے۔

پھر میں تم سے جدا کیوں ہوں؟ راحت جان! یہ سوال تم بجا طور پر کرسکتی ہو۔

سنو! تم سے اس لئے جدا نہیں ہوں کہ مال و دولت کا طالب

ہوں۔ اس لئے بھی جدا نہیں ہوں کہ اپنے لئے ایک تخت شاہی قائم کر رہا ہوں، جیسے کہ میرے دشمنوں نے مشہور کر رکھا ہے۔ میں تم سے صرف اس لئے جدا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرض مجھے یہاں کھینچ لایا ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ سے بڑھ کر کوئی فریضہ نہیں۔ یہی وہ فرض ہے جس کی ادائیگی کی نیت ہی انسان کو فردوس بریں کا مستحق بنا دیتی ہے۔ الحمد للہ کہ میں فرض کی محض نیت ہی نہیں رکھتا، بلکہ اسے عملاً انجام دے رہا ہوں۔ تمہاری جدائی ہر وقت میرے دل پر آرے چلایا کرتی ہے، لیکن میں اس جدائی سے بے حد خوش ہوں۔ کیونکہ تمہاری محبت ہی ایک ایسی چیز ہے جو میرے عزم و ارادہ کے لئے سب سے بڑی آزمائش ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ میں اس آزمائش میں پورا اترا اور اللہ کی محبت اور حکم کو اپنی محبت اور نفس پر مقدم رکھنے میں کامیاب ہوگیا۔ تمہیں بھی خوش ہونا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ تمہارا شوہر اتنا مضبوط ایمان رکھتا ہے کہ خود تمہاری محبت کو بھی اللہ کی محبت پر قربان کرسکتا ہے۔

تم پر تلوار سے جہاد فرض نہیں، لیکن تم بھی فریضہ جہاد سے مستثنیٰ نہیں ہو۔ کوئی مسلمان مرد ہو یا عورت، جہاد سے مستثنیٰ نہیں۔ تمہارا جہاد یہ ہے کہ تم بھی اپنے نفس و محبت پر اللہ کی محبت کو مقدم رکھو۔ اپنے شوہر کے ساتھ حقیقی محبت کے رشتے کو اور بھی مضبوط کرو۔

دیکھو! یہ دعا ہرگز نہ مانگنا کہ تمہارا شوہر میدان جہاد سے کسی طرح صحیح و سلامت تمہاری آغوش محبت میں واپس آجائے۔ یہ دعا خود غرضی کی دعا ہوگی اور خدا کو پسند نہ آئے گی۔ البتہ یہ دعا کرتی رہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے شوہر کا جہاد قبول فرمائے، اسے کامیابی کے

ساتھ واپس جائے، ورنہ جام شہادت اس کے لبوں سے لگائے۔ وہ لب جو تم جانتی ہو، شراب سے کبھی ناپاک نہیں ہوئے، بلکہ ہمیشہ تلاوت و ذکر الٰہی سے سرشار رہے ہیں۔

پیاری نجیہ! آہ وہ ساعت کس قدر مبارک ہوگی جب اللہ تعالیٰ کی راہ میں یہ سر، جسے تم خوبصورت بتایا کرتی تھیں، تن سے جدا ہوگا۔ وہ تن جو تمہاری محبت کی نگاہوں میں سپاہیوں کا تن نہیں، نازنینوں کا سا ہے ... انور کی سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ شہید ہو جائے اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اس کا حشر ہو۔ دنیا چند روزہ ہے، موت یقینی ہے، پھر موت سے ڈرنا کیسا؟ جب موت آنے ہی والی ہے تو پھر آدمی بستر پر پڑے پڑے کیوں مرے؟ شہادت کی موت، موت نہیں زندگی ہے، لازوال زندگی!

نجیہ! میری وصیت سن لو۔ اگر میں شہید ہو جاؤں تو تم اپنے دیور نوری پاشا سے شادی کر لینا۔ تمہارے بعد مجھے سب سے زیادہ عزیز نوری ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے سفر آخرت کے بعد وہ زندگی بھر وفاداری سے تمہاری خدمت کرتا رہے۔

میری دوسری وصیت یہ ہے کہ تمہاری جتنی بھی اولاد ہو سب کو میری زندگی کے حالات سنانا اور سب کو میدان جہاد میں اسلام و وطن کی خدمت کے لئے بھیج دینا۔ اگر تم نے یہ نہ کیا تو یاد رکھو میں جنت میں تم سے روٹھ جاؤں گا۔

میری تیسری وصیت یہ ہے کہ مصطفیٰ کمال پاشا کی ہمیشہ خیر خواہ رہنا۔ ان کی ہر ممکن مدد کرتی رہنا، کیونکہ اس وقت وطن کی نجات اللہ نے ان کے ہاتھ میں رکھ دی ہے۔ اچھا پیاری نجیہ رخصت! نہ معلوم

کیوں میرا دل کہتا ہے کہ اس خط کے بعد تمہیں پھر کبھی خط نہ لکھ سکوں گا۔ کیا عجب ہے کہ کل ہی شہید ہو جاؤں۔ دیکھو صبر کرنا ......

میری شہادت پر غم کھانے کے بجائے خوش ہونا کہ میرا اللہ کی راہ میں کام آ جانا تمہارے لئے باعث فخر ہے۔

نجیہ! اب رخصت ہوتا ہوں۔ اور اپنے عالم خیال میں تمہیں گلے لگاتا ہوں۔ ان شاء اللہ جنت میں ملیں گے اور پھر کبھی جدا نہ ہوں گا۔

تمہارا انور

فائدہ: یہاں یہ واضح رہنا ضروری ہے کہ اس خط کے لکھنے کے وقت مصطفیٰ کمال پاشا صرف ایک مجاہد اسلام کی حیثیت سے معروف تھے اور انہوں نے ترکی میں وہ اسلام دشمن اقدامات نہیں کئے تھے، جو بعد میں پیش آئے۔

(ماخوذ از "تراشے" صفحہ ۹۸ تا ۱۰۱ از مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم)

چند لفظوں میں خلاصۂ کتاب

یہاں پر ہم اس کتاب کا خلاصہ لکھتے ہیں تاکہ یہ مختصری تحریر آپ بار بار پڑھ سکیں اور خود کو اس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں۔

- میاں بیوی جب تک نیک نہیں ہوتے تب تک ایک نہیں ہوتے۔ اس لئے خود بھی نیک بنئے اور اپنی اہلیہ کو بھی نیک بنانے کی کوشش کیجئے۔
- شادی کو ش کے تین تقطوں کے بغیر کرنے کی کوشش کیجئے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ بہت ہی خیر و برکات کا ظہور ہوگا۔
- مہر فاطمی (ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی یا اس کی قیمت) مقرر کیجئے اور فوراً ادا کرنے کی کوشش کیجئے، کہ یہ بہت ہی بہتر ہے۔

❋ جہیز کا مطالبہ نہ زبان سے، نہ دل سے کیجیے۔ یہ مرد کی غیرت کے خلاف ہے کہ وہ بیوی سے کسی قسم کے مالی مطالبات کرے یا اس کی تمنا کرے۔ جو کچھ مانگنا ہو وہ اللہ ہی سے مانگیے، اور پھر کوشش شروع کر دیجیے۔

❋ حتی الامکان الگ رہنے کی کوشش کیجیے۔ اس زمانے میں دو بہوؤں جیسی مختلف المزاج بلکہ ضد المزاج شخصیتوں کا اکٹھا رہنا اور پھر اس پر نند اور ساس کے ساتھ رہنا گھر کی رہی سہی خوشگوار فضا کو مکدر بنا دیتا ہے۔

❋ بیوی سے محبت پیدا ہونے کے لئے اکسیر نسخہ اور بہترین تعویذ یہ ہے کہ آپ اپنی نگاہوں کی حفاظت کیجیے۔ جن کو دیکھنا اللہ تعالیٰ نے ناپسند فرمایا ہے، جو انہیں دیکھتا ہے کبھی بھی اپنی بیوی سے سچی محبت نہیں کر سکتا، چاہے وہ کتنی ہی حسین و ذہین کیوں نہ ہو۔ لہٰذا نامحرم عورتوں سے، خصوصاً بھابھیوں اور خالہ زاد، ماموں زاد وغیرہ سے اپنی نگاہ کی حفاظت کیجیے۔

❋ ایک اصول ہمیشہ یاد رکھیے۔ عورت کی فطرت میں ہے کہ تعریف سے خوش ہوتی ہے۔ اس لئے خوشگوار ازدواجی زندگی گزارنے کے لئے اپنی بیوی کی تعریف ضرور کیجیے۔ اس سے آپ کی بہت سی گھریلو پریشانیاں ختم ہو جائیں گی اور بہت سی شکایتیں دور ہو جائیں گی۔

❋ میاں بیوی کے نوے فیصد جھگڑے شوہر کے گھر سے نکلتے وقت یا واپسی پر گھر میں داخل ہوتے ہوئے وقوع پذیر ہوتے ہیں، لہٰذا ان دو وقتوں میں خوب خیال رکھیے، اور شیطان کو بہکانے کا موقع نہ دیجیے۔ یاد رکھیے! دو مسلمانوں میں جھگڑا اللہ تعالیٰ کی رحمت کو دور کر دیتا ہے۔

❋ والدہ سے الگ رہتے ہوئے اپنی بیوی کے ذریعے انہیں ہدیے دلوایئے اور اکثر پکا پکایا کھانا بھجوایئے اور خود بھی ان کے گھروں میں خالی ہاتھ نہ جائیں، کچھ نہ کچھ ہدیے ضرور لے کر جائیں۔ اور اگر ساتھ رہتے ہیں تو والدہ کو اس

بات کا احساس نہ ہونے دیجئے کہ میرا بیٹا میرے مقابلے میں بیوی سے زیادہ محبت کرنے لگا ہے۔

❁ یاد رکھیے! بچے بچے ہی ہوتے ہیں، انہیں بزرگ نہ سمجھیں، ان کی وجہ سے اپنی بیوی سے جھگڑا نہ کریں۔ ایک دن گھر کا پورا چارج سنبھال کر دیکھیں، ان شاء اللہ سب کچھ سمجھ میں آجائے گا۔ اسی طرح بچوں کی تربیت کی خاطر اور زچہ و بچہ کی صحت کا خیال رکھتے ہوئے دو بچوں کے درمیان مناسب وقفہ، یا شرعی عذر کی حالت میں لمبا وقفہ کر لیجئے یہی مناسب ہے۔

میاں بیوی میں محبت پیدا کرنے کے وظیفے

میاں بیوی میں یا گھر میں کسی میں بھی اختلاف ہو تو اس کے لئے مختلف وظیفے لکھے جاتے ہیں، اہتمام سے اس پر عمل کریں اور پھر خوب لجاجت کے ساتھ دعا مانگیں کہ اے اللہ! ہم دونوں میں یا ان دونوں میں سچی محبت پیدا فرما۔

❶ دو مسلمانوں میں اختلاف یا جھگڑا شیطان کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ جھگڑا نیکیوں کو ایسے ہی مونڈتا ہے جیسے استرا بالوں کو مونڈتا ہے۔ بڑے سے بڑے سمندر گھر کی بے اتفاقی کی وجہ سے خشک ہو جایا کرتے ہیں۔ اس لئے جھگڑے سے بچنے کے لئے شیطان مردود سے بچنے کی بہت زیادہ فکر کی جائے۔ جن چیزوں سے گھروں میں شیاطین آتے ہیں ان سے بچا جائے، اور جن اعمال سے شیطان سے حفاظت ہوتی ہے ان اعمال کا اہتمام کیا جائے۔ اس لئے ایک عمل یہ کریں کہ گھر میں سورۂ بقرہ کا ختم کریں۔ جن میاں بیوی میں جھگڑا ہو تو شوہر یا بیوی یا کوئی بھی گھر میں سورۂ بقرہ پڑھ کر اپنے اوپر اور پورے گھر پر دم کر دے۔

حدیث میں آتا ہے:

﴿وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ اِنَّ الشَّیْطَانَ لَیَخْرُجُ مِنَ الْبَیْتِ اَنْ یَّسْمَعَ سُوْرَۃَ الْبَقَرَۃِ تُقْرَاُ فِیْہِ﴾

(کتاب الزہد والرقائق جلد ا صفحہ ۲۰۹ حدیث ۴۰ ۷)

ترجمہ: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے کہ شیطان اس گھر میں ٹھہر نہیں سکتا جس میں سورۂ بقرہ کی تلاوت کی جائے۔“

اور اس کے ساتھ اس کا اہتمام کیا جائے کہ گھر میں کسی جاندار کی تصویر نہ ہو، یہاں تک کہ دوا کے ڈبے پر، یا پاؤڈر کے ڈبے پر جو تصویریں بنی ہوئی ہیں ان کو بھی کاٹ دیں یا ان پر کوئی اسٹیکر چپکا دیں۔

❷ گھر میں کثرت تلاوت کا اہتمام کریں۔ حدیث میں آتا ہے:

﴿اَلْبَیْتُ یُتْلٰی فِیْہِ کِتَابُ اللّٰہِ کَثُرَ خَیْرُہٗ، وَحَضَرَتْہُ الْمَلَائِکَۃُ وَخَرَجَتْ مِنْہُ الشَّیٰطِیْنُ، وَاِنَّ الْبَیْتَ الَّذِیْ لَمْ یُتْلَ فِیْہِ کِتَابُ اللّٰہِ ضَاقَ بِاَھْلِہٖ وَقَلَّ خَیْرُہٗ، وَحَضَرَتْہُ الشَّیَاطِیْنُ وَخَرَجَتْ مِنْہُ الْمَلَائِکَۃُ﴾ (کتاب الزہد والرقائق صفحہ ۲۰۹)

ترجمہ: ”جس گھر میں قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہے اس میں خیر و برکت زیادہ ہو جاتی ہے، ملائکہ اس میں حاضر ہوتے ہیں اور شیاطین نکل جاتے ہیں۔ اور جس گھر میں تلاوت نہ ہو وہ گھر لوگوں پر تنگ ہو جاتا ہے، اس میں خیر و برکت کم ہوتی ہے، شیاطین اس گھر میں اپنا مسکن بنا لیتے ہیں، فرشتے وہاں سے چلے جاتے ہیں اس لئے ہر مسلمان مرد و عورت کو چاہیئے کہ گھر میں روزانہ تلاوت کا خوب اہتمام کریں۔“

❸ شوہر اس بات کا اہتمام کرے کہ گھر میں جب بھی داخل ہو تو پہلے دو رکعت

پڑھے۔ اسی طرح گھر سے باہر جانا ہو تو پہلے دو رکعت پڑھ کر باہر نکلے۔ اس سے بھی ان شاء اللہ تعالیٰ بہت ہی فائدہ ہوگا۔ ایک شخص نے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد ان کی بیوہ سے نکاح کیا اور فرمایا "تم جانتی ہو میں نے تم سے نکاح کیوں کیا؟" پھر فرمایا کہ "میں نے تم سے نکاح اس لئے کیا کہ تم مجھے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل کے بارے میں بتلاؤ کہ ان کے گھر میں کیا معمولات تھے" تو ان کی اہلیہ نے فرمایا:

﴿كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ مِنْ بَيْتِهِ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ، فَإِذَا دَخَلَ دَارَهُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَإِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ لَا يَدَعُ ذٰلِكَ أَبَدًا﴾ (کتاب الزہد صفحہ ۱۷۷)

ترجمہ: "جب وہ گھر سے نکلنے کا ارادہ کرتے تو دو رکعت نماز پڑھتے اور جب گھر میں داخل ہوتے تو دو رکعت نماز پڑھتے اور اس عمل پر ہمیشہ مداومت فرماتے تھے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

﴿مَا خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِيْ قَطُّ إِلَّا صَلَّى رَكْعَتَيْنِ.﴾ (کتاب الزہد صفحہ ۱۷۷)

ترجمہ: "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی میرے گھر سے نکلے ہیں تو دو رکعت پڑھ کر نکلے ہیں۔"

لہٰذا دو رکعت کا اہتمام ہر مرد و عورت کو کرنا چاہئے۔ فرضوں کے ساتھ ساتھ ان نوافل کا اہتمام خیر و برکت کا سبب ہوگا۔

۴ منزل پڑھنے کا اہتمام کریں، اور اس کو پڑھ کر گھر میں دم کر دیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے بھی بہت فائدہ ہوگا۔ (یہ منزل ایک کتابچہ کی شکل میں دستیاب ہے)

۵ آیت کریمہ سو مرتبہ پڑھ کر محبت کے لئے دعا مانگیں۔

۶ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰہِ" ۴۰ مرتبہ پڑھ کر دعا مانگیں۔

ان تمام وظائف کے اہتمام سے بہت فائدہ ہوگا۔ مستقل پابندی سے پڑھیں اور اہتمام سے گناہوں سے بچیں اور دوسروں کو بچانے کی کوشش کریں۔ کوئی ایسا کام نہ ہونے پائے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں۔ اس لئے کہ اللہ کی ناراضگی کے ساتھ دنیا و آخرت کی کوئی نعمت حاصل نہیں ہو سکتی اور اگر کبھی گناہ ہو بھی جائے تو فوراً توبہ استغفار کر کے گناہوں کی معافی مانگنے کے لئے "استغفار کی ستر دعائیں" کتاب خرید کر اس کتاب میں سے روزانہ استغفار پڑھیں۔

امتحانی پرچہ

محترم شوہر صاحبان مندرجہ ذیل سوالات کو غور سے پڑھیے اور ہر سوال کو کم از کم تین بار تو ضرور پڑھیے۔ پھر ٹھنڈے دل سے سوچ سمجھ کر سچ سچ جواب دیجیے۔ اگر جواب "جی ہاں" میں ہے تو دس نمبر لگا دیجیے اور اگر آدھا جواب "جی نہیں" میں ہے تو اس صورت میں پانچ نمبر لگا دیجیے۔ اسی طرح اگر جواب جی نہیں کی صورت میں ہو تو آپ کو صفر ملے گا۔ ہر سوال کے آگے جواب لکھنے کی جگہ خالی ہے، آپ وہاں ضرور جواب بھی لکھیے اور آگے نمبر لگا دیجیے۔

سوال نمبر ۱: کیا آپ فجر کے وقت اٹھ کر وضو و تلاوت اور تسبیحات وغیرہ سے فارغ ہو کر نہایت پیار و محبت سے اپنی اہلیہ کو نماز کے لیے جگاتے ہیں۔

جواب: ....

نمبر: ....

سوال نمبر ۲: کیا آپ اپنی مالی استطاعت کے مطابق اپنی اہلیہ کو شرعی پردے کے ساتھ ہر ماہ یا دو ماہ میں کسی جائز تفریح (یعنی جس میں کوئی شرعی قباحت نہ ہو) پر لے کر جاتے ہیں؟

جواب: ......

نمبر: ......

سوال نمبر ۳: کیا آپ اپنے گھر میں کسی بھی مقررہ وقت پر روزانہ اہتمام کے ساتھ فضائل اعمال و فضائل صدقات کی تعلیم کرواتے ہیں؟ جس میں گھر کے تمام افراد بیٹھیں سوائے نامحرم عورتوں کے کہ وہ پردہ میں بیٹھیں یا عورتیں الگ عورتوں میں تعلیم کروائیں؟

جواب: ....

نمبر: ....

سوال نمبر۴: کیا آپ اپنی اہلیہ کو ہفتہ وار مستورات کی اجتماعی تعلیم ... اور مہینہ میں کم از کم ایک بار اتوار کے دن ظہر کی نماز کے بعد کسی مسجد یا مسجد بیت المکرم (مستورات کے بیان میں) یا کسی اہل حق بزرگ کے اصلاحی بیانات میں لے کر جاتے ہیں؟

جواب: ....

نمبر: ....

سوال نمبر ۵: کیا کبھی آپ اپنی بیوی کے متعلق والدہ صاحبہ یا بہنوں کی طرف سے کوئی شکایت سن کر بجائے فوراً ڈانٹنے ڈپٹنے یا خدا نہ کرے مارنے پیٹنے کے کچھ وقت (یعنی کم از کم دو نمازوں کا وقفہ) گزرنے کے بعد نہایت پیار و محبت اور ملائمت اور نرمی سے اپنی اہلیہ کو سمجھاتے ہیں؟

جواب: ....

نمبر: ....

سوال نمبر۶: کیا کبھی آپ نے اپنی والدہ محترمہ یا ہمشیرہ صاحبہ کی کوئی شکایت اپنی بیوی سے سن کر اپنی والدہ یا ہمشیرہ کو بجائے کوئی نازیبا الفاظ کہنے بلکہ اف تک کرنے کے، اپنی بیوی ہی کو حکمت، بصیرت سے صبر اور عیب چھپانے کے فوائد فضائل سمجھاتے ہیں؟ اور بیوی کو حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کے مواعظ ''اصلاحی خطبات'' کا مطالعہ کروایا ہے؟

جواب: ....

نمبر: ....

سوال نمبر۷: اگر آپ اپنی بیوی بچوں سمیت اپنے والدین اور بھائیوں بہنوں کے ساتھ رہتے ہیں اور وہاں آئے دن ناچاقیاں ہوتی رہتی ہیں تو کیا آپ نے

الگ گھر میں رہنے (اگرچہ کرایہ ہی کا ہو) یا کم از کم باورچی خانہ الگ کرنے کی کوشش کی ہے؟

جواب:.........

نمبر:.........

سوال نمبر۸: کیا آپ اپنے والدین سے الگ رہتے ہوئے اپنی بیوی بچوں کو اپنے والدین اور بہن بھائیوں کے پاس اکثر بھیجتے ہیں۔ ساتھ ہی ان کے ذریعے اپنے والدین اور بھائیوں، بھابھیوں اور بہنوں کو تحفے تحائف دلواتے ہیں؟

جواب:.........

نمبر:.........

سوال نمبر۹: کیا آپ نے اپنا وصیت نامہ لکھنے کے ساتھ ساتھ اپنی اہلیہ اور والدین کو ترغیب دے کر ان سے وصیت نامہ لکھوالیا ہے؟ اور اس کے لئے "طریقہ وصیت" اور "احکام میت" ان دو کتابوں کا مطالعہ کتنی مرتبہ کیا ہے؟

جواب:.........

نمبر:.........

سوال نمبر۱۰: کیا آپ اپنی بیوی کو ہر ماہ اپنی مالی حیثیت کے مطابق بغیر حساب مانگے کچھ جیب خرچ دیتے ہیں؟

جواب:.........

نمبر:.........

سوال نمبر۱۱: کیا آپ کے بچے کسی صحیح دینی ماحول میں دینی اور دنیوی تعلیم حاصل کر رہے ہیں؟ اگر نہیں تو کیا آپ نے اس سلسلے میں کسی عالم سے کبھی مشورہ کیا ہے اگر نہیں تو کب کریں گے؟ آج سے اس کی فکر کیجیے اور دعا کیجیے۔

اور علماء کرام سے مشورہ کیجئے۔

جواب:

نمبر:

سوال نمبر۱۲: کیا آپ اپنی اہلیہ کی کسی کوتاہی پر بجائے مناظرہ کرنے کے اس کو داعیانہ انداز میں سمجھانے کے علاوہ اس کے لئے خوب دعائیں مانگنے کا اہتمام کرتے ہیں کہ اللہ پاک ان کو صحیح معنوں میں آپ کی ٹھنڈک بنا دے؟ اس کے لئے آپ نے کتنی مرتبہ صلوۃ الحاجت پڑھ کر دعا مانگی ہے؟

جواب: . . . .

نمبر: . . .

سوال نمبر۱۳: کیا آپ گاہے بگاہے اپنی اہلیہ کے ہنر، سگھڑاپن، سلیقے سے پہناوے کی، چیزوں کو قرینے سے رکھنے کی، محنت سے پکائے ہوئے کھانوں کی نہ چاہتے ہوئے بھی تعریف اس انداز اور ان الفاظ سے کرتے ہیں کہ اس کا حوصلہ اور اعتماد بڑھے اور اسے قلبی اطمینان نصیب ہو؟

جواب:

نمبر:

سوال نمبر۱۴: اگر آپ کی شادی کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تو کیا آپ معتبر مفتیان عظام سے تحقیق کرکے دو بچوں کی پیدائش میں مناسب وقفہ کرنے کے لئے عارضی مانع حمل کی تدابیر اختیار کر رہے ہیں؟ اس نیت سے کہ

(الف) زچہ بچہ صحت مند رہیں۔

(ب) ہر ہر بچے پر ماں باپ انفرادی توجہ دے سکیں۔

(ج) ایک بچہ مکمل طور پر ماں کا دودھ پی کر فارغ ہو اور اپنے چھوٹے موٹے بشری تقاضے خود پورا کرنے لگے، پھر دوسرا دنیا میں آئے۔

جواب: ....

نمبر: ....

سوال نمبر ۱۵: اگر آپ کا گھر طوطا، مینا، چڑیا جیسے حسین و دلفریب پنچھیوں کے نغموں سے چہچہا رہا ہے تو کیا ان معصوموں کی کسی غلطی یا کوتاہی پر آپ انہیں معاف کر دیتے ہیں اس نیت سے کہ اس عمل پر اللہ تعالیٰ بھی مجھے معاف فرمائیں گے، اور میرے بیوی بچوں کے دل میں میری سچی محبت بیٹھ جائے گی اور وہ مجھے ظالم نہیں سمجھیں گے؟ اسی طرح اگر واقعی کوئی نقصان ہو گیا ہو تو بجائے ڈانٹنے یا مارنے کے نہایت صبر و تحمل اور برداشت سے کام لیتے ہوئے ایسی مثبت تدابیر اختیار کرتے ہیں جس سے آئندہ نقصان نہ ہو؟

جواب: ....

نمبر: ....

سوال نمبر ۱۶: اگر آپ اور آپ کی اہلیہ کا مزاج آپس میں مل گیا ہے اور آپ دونوں میں خوب نبھ رہی ہے تو کیا آپ زیادہ سے زیادہ شکرانے کے نوافل ادا کرنے کا اہتمام کرتے ہیں؟

جواب: ....

نمبر: ....

سوال نمبر ۱۷: اگر خدانخواستہ آپ کا اپنی اہلیہ سے مزاج نہ مل سکا ہے تو کیا آپ اللہ تعالیٰ کے حضور رو رو کر دعاؤں کے اہتمام کے ساتھ ساتھ اس کتاب میں دی گئی ہدایات کے مطابق تدابیر اختیار کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس سلسلے میں اہل حق بزرگوں اور معتبر علمائے کرام سے مشوروں کے لئے رابطہ کر رہے ہیں؟

جواب: ....

نمبر: ....

سوال نمبر ۱۸: کیا آپ نے اس بات کا پکا ارادہ کر لیا ہے کہ اپنی پچھلی زندگی اور اپنے متعلقہ افراد یعنی ماں باپ، بھائی بہن اور بھابھی وغیرہ کی کوئی ایسی بات (اپنا راز) اپنی اہلیہ کو کبھی نہیں بتائیں گے...... کہ جس کے نتیجے میں اگر کبھی کوئی ہلکی پھلکی جھڑپ آپ دونوں کے درمیان ہو جائے تو اہلیہ کے منہ سے کوئی ایسا طعنہ نکل جائے جو اس چھوٹی سوٹی لڑائی کو جنگ عظیم کی شکل دے دے (مثلاً تمہاری ماں کی کبھی تمہارے باپ سے نہیں بنی ہے جو میری تمہارے ساتھ نبھے گی؟) یا اہلیہ کے منہ سے کبھی بات باہر نکل گئی جس سے آپ کی اور خاندان کی بے عزتی ہو سکتی ہے؟ اور جو راز آپ مرد ہوتے ہوئے نہ سنبھال سکے وہ عورت کیسے سنبھالے گی؟

جواب: ....

نمبر: ....

سوال نمبر ۱۹: کیا آپ اپنی اہلیہ کی تمام جائز خواہشات کو اپنی مالی استطاعت کے مطابق پورا کرنے کے باوجود، اس کے تمام جائز نخروں کو اٹھانے کے باوجود اس کے ساتھ گھر کے تمام کاموں میں ہاتھ بٹانے کے باوجود اپنی اہلیہ اور بچوں کو ادب و تہذیب سکھانے کے لئے اللہ رب العزت کے احکامات کو جاری کرنے کے لئے اپنا ایک خاص اور ضروری رعب قائم رکھے ہوئے ہیں؟

جواب: ....

نمبر: ....

سوال نمبر ۲۰: "**قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا**" (سورۃ التحریم آیت ۶) اے ایمان والو! "اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ" جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اس آیت کے تحت جتنی ذمہ داری آپ پر عائد ہوتی ہے (یعنی بیوی بچوں کو دین دار بنانے کی بھرپور کوشش کرنا، ان کے ایمان اور اخلاق کے

معیار کو بغلی سے اعلیٰ بنانے کے لئے اپنا ذہنی اور جسمانی قوت خرچ کرنا وغیرہ) کیا آپ اسے بہتر طریقے پر داعیانہ اسلوب کے ذریعے پورا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں؟

جواب: ....

نمبر: ....

سوال نمبر ۲۱: محترم شوہر صاحب! کیا آپ ہمارے لئے اور اس کتاب کی تیاری میں جتنے احباب نے محنت کی ہے ان کے لئے اور اس کتاب میں جن بزرگوں کی کتب اور مواعظ اور مقالات سے استفادہ کیا گیا ہے ان کے لئے دعائیں مانگنے کا اہتمام کرتے ہیں تاکہ اللہ پاک انہیں مزید محنت ولگن کے ساتھ کام کر کے بہتر سے بہتر کتب کی تیاری کی توفیق مرحمت فرمائیں؟

جواب: ....

نمبر: ....

سوال نمبر ۲۲: کسی قسم کے قلیل یا طویل اسفار، خصوصاً اللہ کے راستے میں جاتے ہوئے، کیا آپ اپنی اہلیہ سے اپنی ترش روی، بے جا ڈانٹ ڈپٹ، دل توڑنے والی باتوں اور کاموں کی سچے دل سے معافی مانگتے ہیں تاکہ اس کا دل آپ کی طرف سے صاف ہو جائے اور وہ آپ کے لئے خیر و عافیت کی دعا بھی کرے اور آپ کے انتظار میں اس کی گھڑیاں بیتیں؟

جواب: ....

نمبر: ....

سوال نمبر ۲۳: اگر آپ کو اپنی بیوی سے وقت پر کام نہ ہونے کی شکایت ہے، یا وہ آپ کی توقعات پر پوری نہیں اترتی، یا آپ بیوی سے متعلق اپنی والدہ اور بہن کی بتائی ہوئی تمام شکایتوں کو درست سمجھتے ہیں، تو کیا آپ نے کبھی خود بھی دن

گھر کے تمام کاموں مثلاً بچوں کی دیکھ بھال پورے گھر کی صفائی، باورچی خانہ کا پورا انتظام وغیرہ کی ذمہ داری سنبھال کر خود کو اپنے بلند معیار پر پورا پایا ہے، اگر نہیں تو ذرا صرف تین دن ہی صبح سے شام تک یہ سب کام خود کر کے دیکھ لیجئے اور پھر جواب دیجئے کہ اب بھی آپ بیوی صاحبہ سے یہی مطالبہ کر رہے ہیں؟

جواب: ....

نمبر: ....

سوال نمبر ۲۴: کیا آپ نے شادی کے بعد اپنے گھر میں نوکروں کا آنا جانا منع کر دیا ہے؟ اسی طرح گھر کی صفائی کرنے والا خادم بچہ جو قریب البلوغ یا بالغ ہے اور آپ کے وہ رشتہ دار جو اہل کے لئے نامحرم ہیں، آپ نے ان کے بے وقت اور بے احتیاطی سے آنے پر پابندی لگا دی ہے؟ اگر اس میں آپ کے گھر والے رکاوٹ بنتے ہیں تو کیا آپ نے ڈٹ رہنے کی کوشش کی ہے کہ اللہ کے حکم (پردے) کی پابندی ہو؟

جواب: ....

نمبر: ....

سوال نمبر ۲۵: کیا آپ اپنے سسرال کی ان خواتین سے جو آپ کے لئے نامحرم ہیں، خصوصاً اپنی سالیوں سے اپنی نگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں؟ اور اگر بضرورت ان سے بات کرنی پڑے تو ان سے بات کرتے ہوئے شرعی حدود کی پابندی کرتے ہیں؟

جواب: ....

نمبر: ....

محترم شوہر صاحب! اس امتحانی پرچہ کی فوٹو کاپی کروا کر جوابات اپنی الگ کاپی میں لکھیں پھر حاصل شدہ نمبرات کو جمع کیجئے، لیکن پھر سوچ لیجئے اگر کسی سوال

کا جواب غلط دیا ہو تو آپ ہمیں نہیں بلکہ خود کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ لہٰذا دوبارہ غور کر کے صحیح صحیح جواب لکھیں۔ یہ سوچ کر جواب لکھیں کہ موت کے بعد مجھ سے یہ سوالات پوچھے گئے تو کیا یہی جواب دے سکوں گا۔ جمع کرنے کے بعد اگر آپ کے نمبر ۲۳۰ ہیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کامیاب شوہر ہیں ہماری دعا ہے کہ اللہ پاک آپ کو دنیا اور آخرت میں سکون عطا فرمائے اور آپ کی ازدواجی زندگی کے سارے مسائل کو حل فرما دے۔ اگر آپ کے نمبر ۲۰۰ سے کم ہیں تو محترم آپ کو زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، صرف تھوڑی سی جدو جہد اور صبر کی ضرورت ہے۔ پھر اس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کا شمار بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بہترین شوہروں میں ہونے لگے گا۔ اسی طرح اگر آپ کے نمبر ۱۰۰ سے کم ہیں تو اب آپ کو اپنی دنیوی واخروی زندگی کی بہتری کے لئے پریشان وفکر مند ہو جانا چاہیے اور جن امور میں آپ خود کو کوتاہ محسوس کریں ان میں خود کو مستعد کرنے کے لئے آپ ایک تو خوب دعائیں مانگیں، پھر پکا عزم و ارادہ کریں کہ آئندہ ان کوتاہیوں سے بچیں گے۔

اگر خدانخواستہ آپ کے ۵۰ سے بھی کم نمبر ہیں تو آپ اسی وقت صلوۃ التوبہ پڑھیے اور اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر اپنی خامیوں اور غلطیوں کی معافی مانگیے اور آج سے ہی نیا عزم کر لیجیے کہ آئندہ کبھی ایسی غلطیاں نہیں کریں گے۔ اسی طرح اللہ کے راستے میں اپنی اصلاح وتربیت کی نیت سے وقت لگائیے، اور ماہر علماء کرام و اہل حق بزرگوں سے مشورہ کیجیے۔ ہم اس کتاب کے اخیر میں علماء کرام کے فون نمبر اور خط کے پتے لکھ رہے ہیں، ان سے رابطہ قائم کریں۔ اور اللہ پاک کا خوب شکر بھی ادا کریں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کتاب کے ذریعے ہدایت عطا فرمائی اور آپ کو توبہ کی توفیق ہوئی۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ پاک ساری دنیا کے مسلمان زوجین میں خوب خوب

محبت و مودت اور ہمدردی و خلوص پیدا فرمائے۔ آمین!

آخری گزارش

یہ چند مضامین جمع ہو گئے تھے جو چھپنے کے لئے دیئے گئے اور بھی بہت سی مفید باتیں ہو سکتی ہیں۔ آپ سے گزارش ہے کہ جو بھی بات آپ میاں کے لئے بہتر سمجھیں اور وہ اس کتاب میں نہ ہو تو اس کے بارے میں ضرور آگاہ فرمائیں۔ باقی اس سلسلے کی ایک اور کتاب "مثالی باپ" بھی چھپ چکی ہے جو دولہا کے لئے نہایت مفید ہے۔ اس کا بھی ضرور مطالعہ فرمایئے گا اور اپنی قیمتی آراء سے مطلع کرنے کے ساتھ ساتھ دعاؤں میں بھی یاد رکھیے گا۔

.... مثالی باپ ....

☆ مسلمان کے باپ ہونے کی حیثیت سے ذمہ داریاں

☆ اولاد کی پیدائش سے پہلے اولاد کی طلب کی دعائیں

☆ اولاد کو صحیح دین پر رکھنے کی فکر

☆ بچوں کی دینی و شرعی تربیت کے بہترین اصول

☆ بچوں کی اصلاح و اسلامی ذہن سازی کے لیے چند تجاویز

☆ یہ اور ایسے سب موضوعات مثالوں اور واقعات کی روشنی میں اپنے فطری انداز سے بیان کیے گئے ہیں کہ ہر مسلمان باپ نہایت آسانی سے ساتھ ان اصولوں پر عمل پیرا ہو کر بہترین معلم، شفیق مربی اور مثالی باپ بن سکتا ہے۔ انگریزی میں اس کا ترجمہ "The Ideal Father" کے نام سے دارالہدیٰ نے چھاپا ہے۔

☆ ☆ ☆

مردوں کے تین (۳۰۰) فقہی مسائل......

مردوں کے لیے طہارت، وضو، غسل، اذان، نماز، جمعہ، زکوٰۃ، روزہ، اعتکاف اور حج کے ضروری ۳۰۰ فقہی مسائل پر مشتمل عام فہم انداز میں یہ ایک مفید کتاب ہے۔ اس کتاب کو اپنی لائبریری کی زینت بنائیں اور گھر بیٹھے ضروری مسائل سے واقفیت حاصل کریں۔

☆ ☆ ☆

آپ ہم ایک دوسرے کے مددگار ہیں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج بخیر و عافیت ہوں گے۔ گرامی قدر محترم جناب

آپ اور آپ کی آراء ہمارے لئے بہت اہم ہیں۔ بہت خوشی ہوگی کہ آپ ہمیں اس کتاب سے متعلق اپنی کوئی قیمتی رائے، اصلاحی تجویز، اور مفید بات بتائیں۔

یقیناً آپ اس سلسلے میں ہمارے ساتھ تعاون فرما کر ان شاء اللہ تعالیٰ ادارے کی کتب کے معیار کو بہتر سے بہتر بنانے میں مددگار رہیں گے۔

امید ہے جس جذبے سے یہ گزارش کی گئی ہے اسی جذبے کے تحت اس کا عملی استقبال بھی کیا جائے گا اور آپ ضرور ہمیں جواب لکھیں گے۔

◎ فہرست کی کس کس کتاب کا آپ نے مطالعہ فرمایا ہے؟ ☆ تحفۂ دلہن ☆ تحفۂ دولہا

☆ مثالی ماں ☆ مثالی باپ ☆ طریقہ صحبت ☆ ہمارے نبی

☆ مثالی ازدواجی زندگی کا کون سا حصہ پسند آیا؟ ________

◎ کتاب کا تعارف کیسے ہوا؟ ________

◎ کیا آپ نے اپنے محلے کی مسجد، لائبریری، یا مدرسہ/اسکول میں اس کتاب کو وقف کر کے یا کسی رشتہ دار وغیرہ کو تحفے میں دے کر علم پھیلانے میں حصہ لیا؟ ________ اگر نہیں تو آج ہی اس نیک کام کو شروع فرمائیں۔

◎ کتاب پڑھ کر آپ نے کیا فائدہ محسوس کیا؟ ________

◎ کتاب کی کمپوزنگ، جلد اور کاغذ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

معمولی ہے ☐ بہتر ہے ☐ اعلیٰ ہے ☐